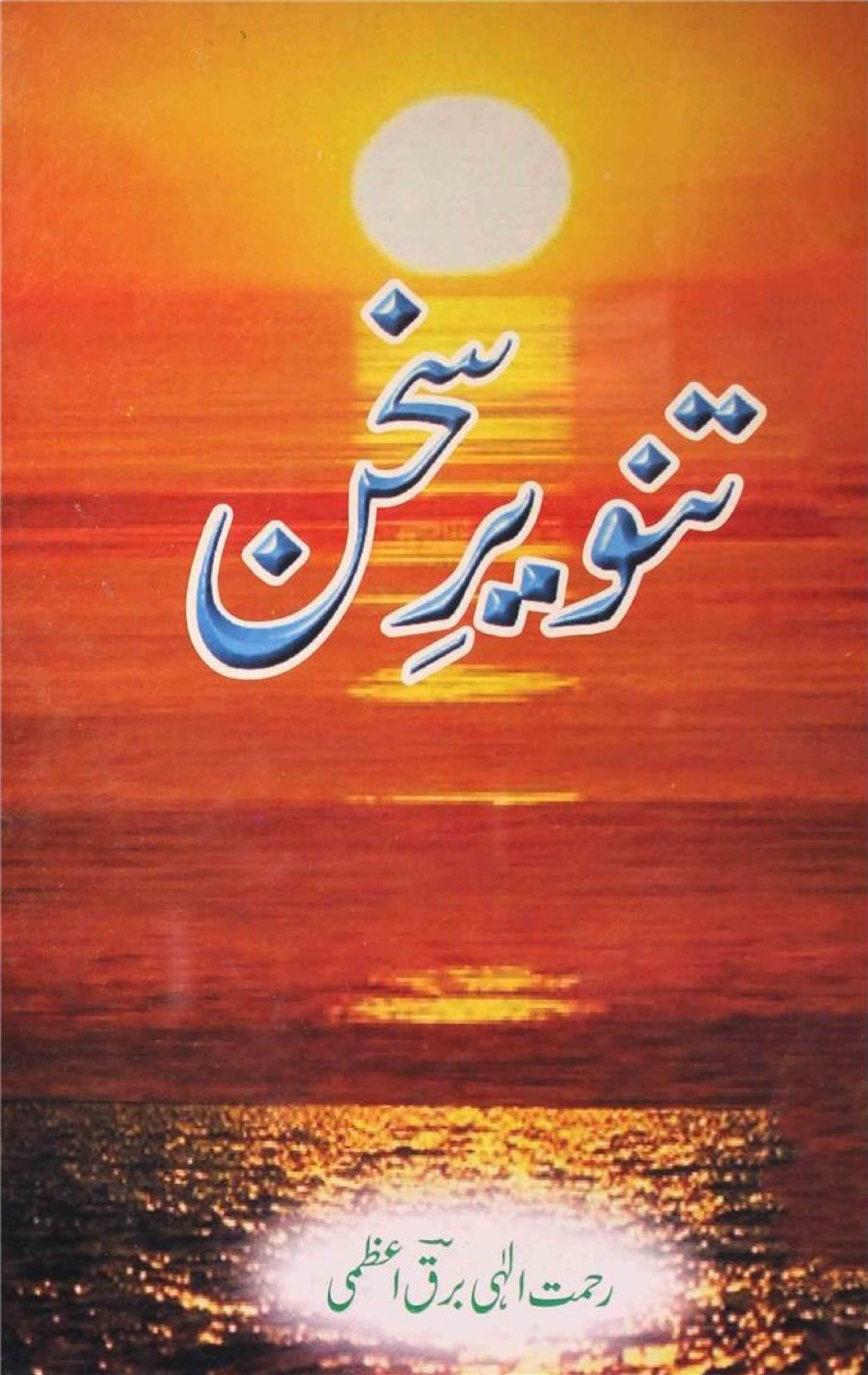

تنویرِ سخن

رحمت الٰہی برقؔ اعظمی

جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی مرحوم کا تعلق اعظم
ڑھ سے تھا جہاں کی خاکِ مردم خیز سے علامہ شبلی نعمانیؒ ،
لانا حمید الدین فراہیؒ اور علامہ اقبال سہیلؔ جیسی نادرۂ
گار علمی شخصیات نے جنم لیا۔ برقؔ صاحب نے مرزا داغؔ
وی کے معروف شاگرد نوحؔ ناروی سے کسبِ فیض کیا تھا اور
ں کا اثر ان کی شاعری پر صاف نمایاں ہے۔ شگفتگی الفاظ،
ستِ بیان اور طرفگی ادا جیسے شعری محاسن جو داغؔ اسکول کا
ۂ امتیاز خیال کیے جاتے ہیں برقؔ صاحب کے کلام میں
ں بدرجۂ اُتم موجود ہیں۔

انہوں نے شاعری کے اکثر اصناف میں طبع
مائی کی ہے لیکن ان کا اصلی جوہر قصیدہ اور رُباعی میں کھلتا
ے۔ غزلوں میں گو کہ قدیم رنگِ تغزل نمایاں ہے لیکن جدتِ
ل اور حسنِ بیان کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔
وٹی بحروں میں جو غزلیں ہیں ان میں زیادہ سادگی وصفائی
برجستگی ہے اور اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک
ر الکلام شاعر تھے اور فن پر ان کو کامل عبور حاصل تھا۔

وہ تضمین کا بھی ملکہ رکھتے تھے۔ مجموعہ کلام میں
ب، اقبالؔ، حسرتؔ اور محمد علی جوہرؔ پر ان کی خوبصورت
مینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس طرزِ سخن میں درجہ کمال
ائز تھے۔ مجھے اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ برقؔ صاحب کا
لام پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اصحاب ذوق
ں سے لطف اندوز ہوں گے۔

پروفیسر الطاف احمد اعظمی

وائس چیئرمین اردو اکادمی، دہلی

تنویر سخن

رحمت الٰہی برقؔ اعظمی

© ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

TANVEER -E- SUKHAN
By
RAHMAT ILAHI BARQ AZMI

نام کتاب : تنویرِ سخن

سنہ اشاعت : مارچ ۲۰۰۳ء

تعداد : ۵۰۰

قیمت : ۲۰۰ روپے

کمپوزنگ : افراح کمپیوٹر سنٹر، D/15 گلی نمبر 2، بٹلہ ہاؤس جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

کمپوزر : محمد اعلم، عبدالعظیم

مطبع : پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی ۲

مرتب : ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی

ناشر : ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی، 598/9 ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

ملنے کا پتہ : ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی، 598/9 ذاکر نگر، نئی دہلی ۲۵

برکت علی صدیقی اعظمی، 292 محلہ باز بہادر شہر اعظم گڑھ (یو پی)

ڈاکٹر شوکت علی شوکت، خیر آباد بازار ضلع مئو (یو پی)

غالب اکیڈمی، بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی ۱۳

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، جامعہ نگر، نئی دہلی ۲۵

مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

موڈرن پبلشنگ ہاؤس، دریا گنج، نئی دہلی ۲

انتساب

والدہ محترمہ وحید النساء بیگم

کے نام

جن کی محبت اور تربیت نے

مجھے کسی قابل

بنایا

عرض حال

دل پہ گزری ہے جو طاقت نہیں سمجھانے کی
خواب گونگے کا ہے سرخی مرے افسانے کی

میرا دیوان وہ دیکھیں تو عجب کیا یہ کہیں
بڑ ہے مجذوب کی بکواس ہے دیوانے کی

پردے پردے میں کیا ذکر محبت میں نے
شمع کی بات نکالی کبھی پروانے کی

فیض ساقی سے ہے اب دل کا یہ عالم گویا
روح اک جام میں کھنچ آئی ہے میخانے کی

صاف کہیے میں، کس انداز سے حق بات کہوں
اپنے پیمانے کی یا آپ کے پیمانے کی

موت اے دوست ہے تحصیل سکون کامل
زندگی مشق ہے مرمر کے جئے جانے کی

خاک ہو کر ہی سہی اُن کے قدم سے تو ملا
"بات تو رہ گئی اک عشق کے دیوانے کی"

مرغ دل غیر ضروری تو نہیں یہ لیکن
دام تک تجھ کو نہ لے جائے ہوس دانے کی

ہے بایں وجہ جوانی سے بڑھاپا اچھا
دم کا ساتھی ہے یہ وہ جا کے نہیں آنے کی

تیرگی منبع انوار ہے اللہ اللہ
واہ کیا بات ہے پُتلی کے سیہ خانے کی

دیر و کعبہ کی ہے اے برق حقیقت اتنی
منزلیں ہیں یہ رہ عشق ہیں سُستانے کی

برق اعظمی

فہرست

برقؔ اعظمی: ایک صاحبِ طرز اور قادر الکلام شاعر	پروفیسر امیر حسن عابدی	۷
رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کی قادر الکلامی و برجستگی	ضیاء الدین اصلاحی	۱۱
برقؔ اعظمی: ایک غیر معروف استاد سخن:	پروفیسر الطاف احمد اعظمی	۱۷
شاعرِ باکمالِ اعظم گڑھ	ڈاکٹر عقیل احمد	۱۹
ایک نغز گو شاعر	ڈاکٹر تابش مہدی	۲۱
نازشؔ سالکؔ و سہیلؔ پیرِو نوحؔ ناروی		
شاعر سہل ممتنع حضرتِ برقؔ اعظمی	ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی	۲۷
حمد، مناجات، نعت، منقبت		۳۶
غزلیات، رباعیات، قطعات، مکالمات		۶۷
قصائد		۲۲۷
نظمیں		۲۷۱
خمسے اور تضمینیں		۲۹۷
قطعات تاریخ		۳۳۹

برقؔ اعظمی: ایک صاحب طرز اور قادر الکلام شاعر

جب میں نے شعر العجم پڑھنا شروع کیا تو معلوم نہ تھا کہ علامہ شبلیؒ ہمارے ہی ضلع اعظم گڑھ کے ایک بڑے نامی عالم گزرے ہیں۔ ہمارا ننہالی اسٹیشن پھریہا ہے، جس سے فراہ بنا اور علامہ کے خالہ زاد بھائی اپنے کو فراہی لکھتے تھے۔ اس ضلع میں بڑے بڑے علما اور شعراء گزرے ہیں جو دور افتادہ جگہوں میں رہنے کی وجہ سے وہ شہرت نہ پاسکے جس کے وہ مستحق تھے۔ انھیں میں سے ایک ''رحمت الٰہی برقؔ اعظمی'' ہیں جو اعظم گڑھ میں ۱۹۱۱ء میں پیدا ہوئے۔ آپ ضلع کے مختلف تحصیلوں میں قانون گو کے عہدے پر فائز رہے اور زیادہ عرصہ نظام آباد ضلع اعظم گڑھ میں گزارا، نیز وہاں کی مقامی محفلوں میں اور مجلسوں میں شرکت کی اور اپنے کلام سے لوگوں کو متاثر کرتے رہے۔ یہ بھی اتفاق ہے کہ وہاں بھی میرے اعزہ رہتے ہیں۔

برقؔ صاحب پر ایم ایم زبیری صاحب نے ''اعظم گڑھ کے ایک غیر معروف استاد سخن'' اور ڈاکٹر محمد عرفان نے ''رحمت الٰہی برقؔ کی شاعری'' کے عنوان سے مضمون لکھ کر ان کو روشناس کرانے کی کوشش کی ہے۔ زبیری صاحب برقؔ صاحب کے اس شعر سے پہلی مرتبہ متعارف ہوئے:

سکتے کا سا عالم دم گفتار ہوا ہے
ایسا بھی محبت میں کئی بار ہوا ہے

پھر بھی آپ گمنامی سے باہر نہ آسکے۔ بدقسمتی سے آپ کا ابتدائی کلام ضائع ہو گیا ہے۔ البتہ ۱۹۵۴ء کے بعد کا کلام موجود ہے۔

برقؔ صاحب نے شروع میں منشی سالگ رام سالکؔ کی شاگردی اختیار کی۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت نوحؔ ناروی کے شاگرد ہوئے۔ آپ کے بیشمار شاگرد ہندوستان کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ آپ نے تمام اصنافِ سخن میں اپنی استادی اور کمال کا ثبوت دیا ہے۔ علاوہ بریں علم عروض میں آپ کو غیر معمولی مہارت تھی۔

برقؔ صاحب نے تلسی داس کے اشعار کا منظوم ترجمہ بھی کیا ہے جو ان کی قادر الکلامی اور استادانہ مہارت زبان بیاں کا واضح ثبوت ہے۔ ملاحظہ ہو:

علم ملے نااہل کو اس کا بڑھے غرور
سانپ جو پی لے دودھ تو زہر سے ہو بھرپور

کسی کی عزت لے کر جو چاہے اپنا نام
تلسی اس روسیاہ کا بُرا ہو خود انجام

اپنے سے کمزور سے کیجے کبھی نہ جنگ
جیت ہے خالی لطف سے ہار ہے وجہِ ننگ

عدو کی میٹھی بات کو سن کے نہ جاؤ بھول
بین کی مست آواز سے ہرن ہوا مقتول

رہے فسادی جس جگہ لوگ رہیں غمناک
آگ جہاں رکھ دیجیے کرے جلا کر خاک

ہنر مند ہو جس جگہ بڑھے وہاں کی شان
دیا جہاں رکھ دیجیے روشن ہو وہ مکان

شہوت طیش غرور اور حرص ہیں جب تک پاس
عالم جاہل ایک ہیں تب تک تلسی داس

تلسی تلسی سب کہیں تلسی بن کی گھاس
فضل ہوا اللہ کا ہوگئے تلسی داس

مہاتما گاندھی کو نذرانہ عقیدت پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں:

قرباں ترے قدموں پہ جھکتی بھی شجاعت بھی
تو کرشن کا پیکر ہے تو رام کی مورت ہے

دشمن کی کہاں جرأت ٹھہرے جو ترے آگے
تو بان ہے ارجن کا تو بھیم کی طاقت ہے

اے برقؔ تشدد کی جب جب بھی وبا پھیلے
ہر دور میں دنیا کو گاندھی کی ضرورت ہے

نیز مولانا حسرت موہانی، مولانا محمد علی جوہر، علامہ اقبال، حضرت امیر خسروؒ، خواجہ عثمان ہارونیؒ، فخر الدین عراقیؒ، مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ اور ملاّ جان محمد قدسی وغیرہ کے اشعار پر تضمینیں بھی کہی ہیں۔

غالبؔ اور اقبالؔ سے حضرت برقؔ اعظمی کا خیالی مکالمہ بھی قابل قدر ہے جس کا ذکر کسی اور مقالے میں کیا جائے گا۔ لیکن آپ کا اصل میدان غزل اور قصیدہ ہے۔

آپ کی بیشتر غزلیں سہلِ ممتنع کا بہترین نمونہ ہیں۔ انداز بیان نہایت سلیس و سادہ اور موثر ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

اللہ رے جذب نقشِ کفِ پائے یار کا
پھر اٹھ سکا نہ سر دلِ سجدہ گزار کا

چمن خود باغباں پامال کرتا ہے تو حیرت کیا
چمن تو اس نے دیکھا ہے بیاباں کون دیکھے گا

وہ فخرِ مسیحا ہے موجود سرِ بالیں　　مرنا بھی ارے توبہ مشکل نظر آتا ہے
دیا اتار عزیزوں نے دس قدم چل کر　　مرا جنازہ تھا کاندھوں پہ جیسے بار کوئی
ہو کاربند اگر اسوۂ حسینی پر　　قسم خدا کی نہ ہو پھر ذلیل و خوار کوئی

شاعر کی خودسپردگی اور راضی برضائے یار ہونے کا یہ عالم ہے کہ:

ملا جو آنے کی خاطر پیام یار آئے　　ملا جو چلنے کی خاطر پیام یار چلے

ندرتِ خیال اور جدت طبع آپ کی غزلوں کا طرۂ امتیاز ہے۔ بات سے بات پیدا کرنا اور طرز بیان کو ایک مخصوص لب ولہجہ اور رنگ و آہنگ عطا کرنا آپ کے لئے معمولی بات ہے۔ روایتی مضامین کو اس انداز سے شعری جامہ پہناتے ہیں کہ ایک خاص تاثر پیدا ہو جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو یہ شعر:

جل گئے لاکھوں امیدوں کے دیے
کیا جوانی زندگی کی شام ہے

عام طور سے لوگوں نے بڑھاپے کو زندگی کی شام سے تعبیر کیا ہے لیکن یہاں معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے۔ یہ اپنے آپ میں ایک نیا اور اچھوتا خیال ہے۔

تلمیحات کے استعمال میں استادانہ رنگ و آہنگ کا ایک اور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:

ہجر یوسفؑ میں ہوئے حضرت یعقوبؑ اندھے
اس سے ثابت ہے پسر نورِ نظر ہوتا ہے

آپ کے قصائد شاعر کی مہارت اور عقیدت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ قصائد میں بھی آپ کا اندازِ بیان اپنے آپ میں ایک مثال ہے۔ تعجب ہے کہ ایسا صاحبِ طرز اور قادر الکلام شاعر ابھی تک گوشہ گمنامی میں رہا اور اربابِ نظر اس کی نوا سنجیوں سے ناآشنا ہیں۔

برقؔ صاحب کے صاحبزادے ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی بڑی زحمت سے ان کا کلام مرتب کر کے شائع کر رہے ہیں۔ یقین ہے کہ اس کی اشاعت سے صاحبانِ نظر اس شاعر کی قدر و قیمت کا بخوبی اندازہ لگا سکیں گے۔

سید امیر حسن عابدی
۱۲/۳/۲۰۰۳

(پروفیسر سید امیر حسن عابدی)
دہلی یونیورسٹی

جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی کی قادر الکلامی و برجستگی

اعظم گڑھ اتر پردیش کا ایک پسماندہ ضلع ہے، اس کے باوجود یہ علمی و ادبی حیثیت سے ممتاز رہا ہے۔ ہر دور میں اس کے اُفق پر علم و ادب کے مہر و ماہ جلوہ فگن رہے ہیں۔

علامہ شبلی کے بعد یہ سرزمین مولوی اقبال احمد خاں اور مرزا احسان کے ترانوں اور نواسنجیوں سے گونجتی رہی۔ یہ دونوں حضرات وکالت کے پیشے سے وابستہ رہے اور شعر و ادب کی طرف زیادہ توجہ نہیں دے سکے مگر ان کے منظوم و منثور کارناموں کی شہرت اعظم گڑھ کے حدود سے باہر بھی پہنچی، خصوصاً جناب سہیل کی ذہانت و طباعی، زود گوئی، برجستگی اور قادر الکلامی سے اردو کے علمی و ادبی حلقے عرصے تک پُر شور رہے۔ مرزا احسان احمد کو بھی تغزل کا بڑا صاف ستھرا اور عمدہ ذوق تھا اور ان کی غزلیں اور ادبی و تنقیدی مقالات ملک کے باوقار اور معتبر ادبی و علمی رسالوں کی زینت بنے۔

اعظم گڑھ کے ان مشہور شاعروں اور ادیبوں کے جلو میں ان کے زمانے ہی میں چند گمنام شعراء بھی یہاں کے آسمانِ شعر پر اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے لیکن ان کی ضوفشانی یہیں تک محدود رہی اور گردشِ روزگار نے ان کی پرواز کے لیے وسیع فضا میسر نہیں ہونے دی۔ اس طرح سے جن لوگوں کے دم سے اعظم گڑھ کی شعر و سخن کی محفل گرم رہتی تھی اور ان کے بغیر یہاں کی ہر ادبی مجلس پھیکی رہتی تھی ان کے نام یہ ہیں۔ جناب امین اللہ امین اعظمی، منشی منیفؔ اعظمی اور جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی۔ افسوس کہ اب یہ تمام حضرات اللہ کو پیارے ہوگئے ہیں اور علاقائی ادب و شاعری پر توجہ نہ دینے کی وجہ سے خود اعظم گڑھ کے لوگوں کے لیے بھی ان کے نام نامانوس ہوگئے ہیں۔

مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

ان سب میں جناب رحمت الٰہی برقؔ مرحوم کا نام اس لیے بھی قابل ذکر ہے کہ وہ فن شعر و عروض کے ماہر تھے اور شعر و سخن کے رموز و نکات پر ان کی گہری اور استادانہ نظر تھی اور وہ بڑے برجستہ اور پُر گو قادر الکلام

شاعر تھے اور اپنے معاصر شعراء میں ع : آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے مصداق تھے۔

جناب برقؔ اعظمی کو ہر صنف سخن پر پوری دسترس تھی۔ شاعری ان کی گھٹی میں پڑی تھی۔ وہ جب چاہتے اور جس صنف میں چاہتے اشعار کا انبار لگا دیتے تھے۔ اتنے قادر الکلام اور زود گو شعراء کم ہی ہوتے ہیں۔ قصائد اور نظمیں کہنے پر آتے تو بند ہونے کا نام نہ لیتے۔ گو ابتدا میں وہ حضرت شمشاد لکھنوی کے تلمیذ خاص منشی سالگ رام سالک کے دامن گرفتہ رہے اور ان کے انتقال کے بعد نواب مرزا داغ کے مشہور شاگرد حضرت نوحؔ ناروی سے مشورۂ سخن کیا مگر الشعراء تلامیذ الرحمٰن کی مثل ان پر صادق آتی ہے اور یہ واقعہ ہے کہ انھوں نے لکھنؤ اور دہلی دونوں اسکولوں کے خوشگوار امتزاج سے اپنا جدا اور خاص طرزِ سخن اختیار کیا تھا۔

حضرت برقؔ اعظمی کا میدانِ شاعری وسیع ہے اور انھوں نے ہر زمین میں گل بوٹے اگائے ہیں۔ قصیدہ نگاری اور غزل گوئی سے ان کو زیادہ مناسبت تھی اور ان اصناف میں انھوں نے اپنی طبیعت کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ ان کی شاعری کا بڑا حصہ ان ہی اصناف پر مشتمل ہے جو ان کے استادانہ رنگ کا آئینہ ہے۔

جناب برقؔ اعظمی کی توجہ کا ایک خاص مرکز ان کی رباعیاں ہیں۔ رباعی کے چار مصرعوں میں بڑی اہم، غور طلب اور چونکا دینے والی بات کہی جاتی ہے۔ برقؔ صاحب نے بھی اپنے فطری اور اصلیت سے بھرے ہوئے انداز میں حقائق پیش کرکے رباعی گوئی کا حق ادا کر دیا ہے اور ان کے چار مصرعوں میں حقیقت پر مبنی خیالات اور حکیمانہ مضامین باندھے ہیں جو رباعی کا طرۂ امتیاز ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

دنیا میں ہے تو چند دنوں کا مہمان
کرتا ہے مگر لاکھ برس کا سامان
لاتا ہے کوئی کچھ نہ تو لے جاتا ہے
کیوں جان کے اے دوست بنا ہے انجان

بستی ہو کہ صحرا ہو، بیاباں کہ چمن
بھارت ہو کہ اٹلی ہو، عرب یا لندن
اے برقؔ یہ عالم ہو کہ وہ عالم ہو
بندوں کا خدا کے کل خدائی ہے وطن

اے مشفقِ من مان یہ کہنا میرا
خود بینی کا دعویٰ نہیں تجھ کو زیبا
ہیں نور کی محتاج یہ تیری آنکھیں
گر نور نہ ہو کچھ نہ نظر آئے گا

بعض رباعیوں میں فارسی شعراء کے خیال کو اپنا لیا ہے۔ فیضی کا مشہور مصرع ہے: ع:

پروانہ چراغ حرم و دیر نہ داند

برقؔ صاحب فرماتے ہیں:

پُر بادۂ توحید سے ہے جس کا ایاغ　　فیضانِ ولا سے اس کا روشن ہے دماغ
پروانے کو اس بحث سے کیا مطلب ہے　　مسجد کا چراغ ہے کہ مندر کا چراغ

ایک فارسی رباعی سے بھی لطف اندوز ہوں۔ فرماتے ہیں:

گنج زرِ دنیا و فراوانی جاہ　　چون نقش برآب هست اللہ گواہ
فہمید چون ایں راز دل برق بگفت　　لاحول ولا قوہ الا باللہ

قطعات انھوں نے بکثرت کہے ہیں۔ تاریخ گوئی کا ملکہ ان میں فطری تھا۔ فی البدیہہ تاریخی قطعات کہتے تھے اور اس انداز اور بے ساختگی سے کہتے تھے کہ طبیعت بے اختیار پھڑک اٹھتی تھی۔ انسان نے جب پہلی مرتبہ چاند پر قدم رکھے تو ان کی زبان پر بے ساختہ یہ قطعہ آ گیا:

قدم چاند پر آج انساں نے رکھا　　نہ کی تھی کبھی ایسی جرأت کسی نے
ہر اک ظاہری علم وفن کو جہاں میں　　کیا مات سائنس کی برتری نے
لکھی برقؔ نے اس کی تاریخ ہجری　　قمر اب مسخر کیا آدمی نے

قمر	اب	مسخر	کیا	آدمی	نے
۳۴۰	۳	۹۰۰	۳۱	۵۵	۶۰

۱۳۸۹ھ

اعظم گڑھ کے ایک مشہور ڈاکٹر محمد معظم جیراجپوری مرحوم نے ایک کار خریدی، برقؔ صاحب کو اس کی اطلاع ہوئی تو بے اختیار ان کی زبان پر یہ ترانہ موزوں ہو گیا۔

کتنی اچھی ہے یہ کار　　دیدہ زیب صبا رفتار
خدمت بیماراں کے لیے　　خرچ کیا تیئس ہزار
برقؔ نے لکھی یہ تاریخ　　آج معظم لائے ہیں کار

۱۳۹۱ھ

جناب برقؔ ان منظوم مکالموں میں زیادہ شرربار نظر آتے ہیں جو انھوں نے اپنے پیش رو شعراء سے کیے ہیں۔ پہلے مرزا غالب سے اور پھر علامہ اقبال سے ان کے مکالمے ملاحظہ ہوں:

برقؔ اعظمی　　　　غالب

اہل دانش گوش برآواز تو سب ہیں مگر　　آگہی دام شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
کیا سمجھ لیں گے یہ مطلب آپ کی تقریر کا　　مدعا عنقا ہے اپنے عالم تقریر کا

آپ کی اردو ابھی زندہ ہے بزم برقؔ میں
جس کے دم سے علم کی شمعیں فروزاں ہوگئیں

ان پری زادوں کا کہیے کیا بگاڑا آپ نے
چھین کر دل آپ کا جو دشمن جاں ہوگئیں

یاد تھی ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہوگئیں

ان پری زادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام
قدرت حق سے یہی حوریں اگر واں ہوگئیں

برقؔ اعظمی

مجھے اے حکیم امت یہ بتا ز خیر خواہی
کہ وہ کون ذی شرف ہیں جو ہیں اہل بادشاہی
رہتے ہیں خوشامد میں کیوں حضرت درگاہی
آئیں گے سمجھ میں کب اسرار شہنشاہی

فرمائیں خوشامد میں نقصان ہے کیا آخر
یہ مرغ مسلّم ہے یہ کوفتۂ ماہی

کیا حال مسلماں ہے ابھی اس کے مطابق
تاریخ میں آئے ہیں صحابہؓ کے جو حالات
میداں سے جو منھ موڑ کے مسجد میں پڑے ہیں
کچھ ان پہ بھی ظاہر کریں آپ اپنے خیالات
سب پیس رہے ہیں مجھے کمزور سمجھ کر
سنتا ہی نہیں کوئی توجہ سے مری بات

کس طرح سے حاصل ہو وہ گوہر یک دانہ
یہ راز بتا مجھ کو اے عاقل و فرزانہ
قفل در نصرت ہے کیا چیز بتا مجھ کو
سنتا ہوں تری باتیں ہوتی ہیں حکیمانہ

اقبال

یہ پیام دے گئی ہے مجھے باد صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی
جب عشق سکھاتا ہے آداب خدا گاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرار شہنشاہی

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

یا عرصہ افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردانِ خود آگاہی و خدا مست
یہ مذہب ملاّ و جمادات و نباتات
افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہر یک دانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمت مردانہ
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأت رندانہ

تضمین کہنا بڑا مشکل ہے اس کے لیے بڑی مشق و ریاضت درکار ہوتی ہے۔ قادر الکلام اور فن پر عبور رکھنے والے شعرا ہی اس میں کامیاب اور بامراد ہوتے ہیں۔ برقؔ صاحب کی طبع رسا اس میدان میں کوئی گھبراہٹ اور عاجزی و درماندگی کی کیفیت محسوس نہیں کرتی۔ فارسی کے ایک مصرع پر ان کی تضمین ملاحظہ ہو:

مانا کہ ہو رہا ہے پریشان و تنگ دست — لیکن مٹا سکیں گے نہ تجھ کو یہ زر پرست

اس نکتہ لطیف پہ اے برقؔ رکھ نظر — دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

مولانا محمد علی جوہرؔ کے ایک شعر پر ان کی تضمین سے ان کی مہارت اور فنی ممارست کا اندازہ کیجئے۔

باغ ارم میں طائر روح شہید ہے
قدوسیان عرش سے گفت و شنید ہے
لیکن ستم شعاروں کی مٹی پلید ہے

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

شاخ شجر کو دیکھ اگر شوقِ دید ہے
بالیدگی نتیجہ قطع و برید ہے
رکھ یاد برقؔ اسے کہ یہ نکتہ مفید ہے

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مولانا حسرت موہانی کی غزل پر برقؔ صاحب کی تضمین دیکھئے۔ فرماتے ہیں

چاہیے کیا ہمیں عرفان کی دولت کے سوا — کیوں کسی سمت جھکیں درس حقیقت کے سوا
کیا کیا شیخ نے رندوں پہ ملامت کے سوا — کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت کے سوا
شغل بیکار ہیں سب ان کی محبت کے سوا

جلوہ افگن ہے کہیں سوز کہیں ساز ترا — چیستاں پھر بھی ہے عالم میں ہر انداز ترا
جز دل برقؔ جو ہے عاشق جانباز ترا — عقل حیران ہے اے جان جہاں راز ترا
کون سمجھے دل دیوانۂ حسرتؔ کے سوا

عمر بھر معیشت اور ملازمت کے جھمیلوں میں رہنے کے باوجود برقؔ صاحب میں شعر و سخن کا ملکہ خدا

داد تھا۔ اپنے اس فطری ذوق کی تسکین کے لیے شاعری کا چسکا ان کو لگا ہوا تھا اور چونکہ فن پر پوری قدرت تھی اس لیے انھوں نے بہت کچھ لکھا اور شاعری کا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا۔ شروع کے دور کا سارا کلام سرقہ ہو گیا تاہم بعد کا کلام محفوظ رہا وہ بھی مقدار میں کثیر ہے لیکن برق صاحب ہمیشہ نام و نمود اور شہرت سے بے پروا رہے اور کبھی اپنے کلام کی ترتیب و اشاعت کی طرف توجہ نہیں کی۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد سارا وقت تلامذہ کے کلام پر اصلاح کی نذر ہو جاتا تھا۔

اب ان کی وفات کے برسوں بعد ان کے سعادت مند اور صاحب ذوق صاحبزادگان کو ان کے کلام کا انتخاب شائع کرنے کا خیال آیا جو بڑا مبارک ارادہ ہے۔ اس سے برقؔ صاحب کے قدردانوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ میرے لیے بھی یہ مژدۂ جانفزا سے کم نہیں۔ خواہش تو تھی کہ تفصیل سے ان کی شاعری کی خصوصیات پر گفتگو کی جاتی مگر وقت کی کمی اور میری عدیم الفرصتی نے اس کا موقع نہیں دیا تاہم یہی کیا کم ہے کہ موانع کے باوجود خون لگا کر شہیدوں میں شامل ہو گیا ہوں۔ ع:

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس است

ضیاء الدین اصلاحی

۲۱؍ فروری ۲۰۰۳ء

(ضیاء الدین اصلاحی)

مدیر ماہنامہ ''معارف''

و

ناظم دار المصنفین اعظم گڑھ

برقؔ اعظمی: ایک غیر معروف استادِ سخن

جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی مرحوم کا تعلق اعظم گڑھ سے تھا جہاں کی خاکِ مردم خیز سے علامہ شبلی نعمانیؒ، مولانا حمید الدین فراہیؒ اور علامہ اقبال سہیل جیسی نادرہ روزگار علمی شخصیات نے جنم لیا۔ برقؔ صاحب نے مرزا داغ دہلوی کے معروف شاگرد نوحؔ ناروی سے کسبِ فیض کیا تھا اور اس کا اثر ان کی شاعری پر صاف نمایاں ہے۔ شگفتگیٔ الفاظ، سلاستِ بیان اور طرفگیٔ ادا جیسے شعری محاسن جو داغ دہلوی اسکول کا طرۂ امتیاز خیال کیے جاتے ہیں، برقؔ صاحب کی کلام میں بھی بدرجہ اتم موجود ہیں۔ انھوں نے شاعری کے جملہ اصناف میں طبع آزمائی کی ہے لیکن ان کا اصلی جوہر قصیدہ اور رباعی میں کھلتا ہے۔ غزلوں میں گوکہ قدیم رنگ تغزل نمایاں ہے لیکن جدت خیال اور حسن بیان کا دامن کہیں بھی ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے۔ چھوٹی بحروں میں جو غزلیں ہیں ان میں زیادہ سادگی وصفائی اور برجستگی ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک قادر الکلام شاعر تھے اور فن پر ان کو کامل عبور تھا۔

چھوٹی بحروں میں لکھی گئی غزلوں سے کچھ منتخب اشعار ملاحظہ فرمائیں جو درحقیقت سہل ممتنع اور برقؔ اعظمی کے استادانہ رنگ اور دل نشیں وشگفتہ طرزِ بیان کا آئینہ ہیں:

دل میں ہے اپنے عشق کا داغ — یا روشن ہے کوئی چراغ
ان کی یاد میں ہے واللہ — دنیا بھر کے غم سے فراغ
گم ہوئے ان کی کھوج میں یوں — پھر نہ ملا کچھ اپنا سراغ

اسپ خرد اور عشق کی راہ — چھوٹ نہ جائے ہاتھ سے باگ
مل کر چھوٹا ان کا ساتھ — اُف رے مقدر ہائے رے بھاگ
دل ہے یوں ہی زخموں سے چور — ناصح تو نہ سپاری پاگ

محبت حکمراں ہے اور میں ہوں — کسی کی ہاں میں ہاں ہے اور میں ہوں

نشیمن باغباں نے پھونک ڈالا　　ہر اک جانب دھواں ہے اور میں ہوں
بشان منفرد بزم ادب میں　　مرا طرز بیاں ہے اور میں ہوں

دل زخموں سے چور سہی　　سینے میں ناسور سہی
ہم تو وفا کے عادی ہیں　　ظلم ترا دستور سہی
دل سے تو اپنے ہے نزدیک　　آنکھ سے کوئی دور سہی
برقیؔ کو رہنے دیں گمنام　　آپ بہت مشہور سہی

وہ تضمین کا بھی ملکہ رکھتے تھے۔ مجموعہ کلام میں غالبؔ، اقبالؔ، حسرتؔ، اور محمد علی جوہرؔ پر ان کی خوبصورت تضمینوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اس طرز سخن میں درجۂ کمال پر فائز تھے۔ مجھے اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ برقیؔ صاحب کا کلام پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور اصحاب ذوق اس سے لطف اندوز ہوں گے۔

الطاف احمد اعظمی

پروفیسر الطاف احمد اعظمی
وائس چیئرمین اردو اکادمی دہلی

شاعرِ باکمالِ اعظم گڑھ

حضرت رحمت الٰہی برقؔ اعظمی ایک نہایت کہنہ مشق زود گو، قادر الکلام اور صاحب طرز شاعر تھے۔ انھیں فن عروض اور زبان و بیان پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری فکر و فن کا ایک خوشنما امتزاج ہے۔ بقول ان کے:

فربہی چیزے دگر آماس چیزے دیگر است
فن سے خالی ہی رہی تو شاعری کس کام کی

انھوں نے مختلف اصنافِ سخن میں اپنی استادانہ مہارت زبان و بیان اور فنکارانہ چابکدستی کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ غزل کے ایک شعر میں واردات و کیفیات عشق کے ایک تسلسل کو شعری پیکر میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ وہی کرسکتا ہے جسے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو۔ ملاحظہ ہو یہ شعر:

نظر لڑی دوستی ہوئی عشق ہوگیا برقؔ اب جنوں ہے
وہ گویا اجمالی کیفیت تھی اب اس کی تفصیل کر رہا ہوں

حضرت برقؔ اعظمی کی شاعری کی ایک نمایاں خصوصیت سادگی، برجستگی اور سلاست زبان و بیان ہے۔ وہ شدت رنج و غم سے گریہ وزاری نہیں کرتے بلکہ چارہ گر کو غمخوار دیکھ کر آبدیدہ ہوجاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

رویا نہ میں خدا کی قسم غم سے چارہ گر　　آنسو نکل پڑے تجھے غمخوار دیکھ کر

انھوں نے زندگی کو کشتئ رواں سے تعبیر کیا ہے جو آلام و مصائب سے گراں بار ہے۔

لدا ہے بار آلام و مصائب　　ہماری کشتئ عمرِ رواں پر

آلام و مصائب کے باوجود حالات سے نبرد آزما ہونے کا جذبہ اور حوصلہ ملاحظہ فرمائیں:

سمجھتا کیا ہے تو اے رخشِ دوراں　　ہمارا ہاتھ ہے تیری عناں پر

وہ سارے جہان پر محبت کی حکمرانی کے قائل ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

محبت حکمراں ہے کل جہاں پر / جسے دیکھو وہ ہے محکوم اس کا

ان کے خیال میں:

جس کو محبت آگئی راس / ہوگیا اس کا بیڑا پار

سہل ممتنع کا بہترین نمونہ ملاحظہ فرمائیں جو شاعر کی قادرالکلامی کا واضح ثبوت ہے:

چہرہ کیوں ہے آج اداس / خیر تو ہے کیسا ہے مزاج

دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی / دل لگانا بُرا ہے یہ مانا

رزم گاہ حیات میں ہمت وحوصلے کے ساتھ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے کی تلقین اور محاورے کا برمحل اور برجستہ استعمال شاعر کی زبان وبیان پر گرفت کا مظہر ہے۔

جب تک سانس ہے تب تک آس / بیٹھیں ہم آخر کیوں مایوس

ضعیفی میں انسان کے جھک کر چلنے کی وجہ اگر چہ کمزوری ونقاہت ہوتی ہے لیکن یہاں بھی شاعر کو کچھ اور ہی نظر آرہا ہے۔

جھک کے چلتے ہیں ضعیفی میں یہ کیوں سب لوگ کیا
مل گئی مٹی میں جو ہے اس جوانی کی تلاش

شاعر اپنے محاسن کلام سے بخوبی روشناس ہے جس کا اعتراف کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہے:

برقؔ کی نظموں کو پڑھیے اور سمجھیے غور سے
آپ کو کچھ ہے اگر جادو بیانی کی تلاش

امید ہے حضرت برقؔ اعظمی کے فرزند ڈاکٹر احمد علی برقیؔ اعظمی اور برکت علی صدیقی اعظمی کی کوششوں سے اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے بعد ارباب نظر سرزمین اعظم گڑھ کے ایک غیر معروف استادِ سخن کی شاعرانہ عظمت سے روشناس ہوسکیں گے۔

(ڈاکٹر عقیل احمد)
سکریٹری غالب اکیڈمی
بستی حضرت نظام الدین۔ نئی دہلی ۱۳

ایک نغز گو شاعر

استاد الشعراء حضرت رحمت الٰہی برقؔ اعظمی (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۳ء) اپنے عہد کے ایک بزرگ و باکمال شاعر تھے۔ انھوں نے اردو شاعری کے دہلوی دبستان سے بھی کسبِ فیض کیا تھا اور لکھنوی دبستان سے بھی۔ منشی سالگ رام سالک کے توسل سے ایک طرف ان کا سلسلہ تلمذ دبستانِ لکھنؤ کے سرخیل ناسخؔ تک پہنچتا ہے تو دوسری طرف ناخدائے سخن نوحؔ ناروی کی وساطت سے فصیح الملک داغؔ دہلوی اور خاقانی ہند شیخ محمد ابراہیم ذوقؔ دہلوی سے بھی نسبت حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری میں دونوں دبستانوں کا خوبصورت و دلکش امتزاج نظر آتا ہے۔ وہ دیارِ شبلی کے ان خوش نصیب شعراء میں ہیں جن کے فیضِ تربیت سے ایک دو نہیں درجنوں سخنور تیار ہو گئے۔ انھوں نے خود کہا ہے:

مثالِ شمس سہی ہم بھی کہ جب غروب ہوئے
تو بیشمار ستاروں کو جگمگا کے چلے

حضرت برقؔ اعظمی نے شاعری کی جملہ اصناف پر طبع آزمائی کی ہے اور جس صنف میں بھی طبع آزمائی کی دیکھنے یا سننے والوں پر یہی تاثر قائم ہوا کہ وہ اسی میدان کے شہسوار ہیں۔ انھوں نے نظمیں بھی کہی ہیں اور مثنویاں بھی۔ نعت و مناقب میں بھی طبع آزمائی کی ہے اور سلام و مراثی اور قصائد میں بھی۔ قطعات و رباعیات بھی ان کے شعری ذخیرے میں بڑی تعداد میں موجود ہیں اور تضمینیں اور قطعات تاریخ بھی۔ لیکن ان کے مزاج و طبیعت کو غزل سے خصوصی مناسبت تھی۔ ان کی قدرت کلام، فنی چابکدستی اور استادانہ مہارت کے جوہر ہمیں کامل طور پر غزل ہی میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یہ شاید اس لیے بھی کہ بادہ و ساغر کے پردے میں مشاہدۂ حق کی گفتگو کے زیادہ مواقع غزل ہی میں رہتے ہیں۔ چنانچہ خود فرماتے ہیں:

پردے پردے میں کیا ذکر محبت میں نے
شمع کی بات نکالی کبھی پروانے کی

غزل جتنی محبوب و ہر دلعزیز صنف سخن ہے اتنی ہی طویل و قدیم اس کی تاریخ بھی ہے۔ غزل میں

نئے اور نادر مضامین کی دریافت ایک دشوار کام ہے۔غزل کے فارم میں دو چار دس شعر موزوں کر لینا تو بہت آسان ہے لیکن کوئی نادر یا اچھوتا مضمون پیش کر کے قاری کو اپنی طرف متوجہ کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔اس کے لیے غیر معمولی مشق ومزاولت کے ساتھ ساتھ وسیع مطالعے اور گہرے مشاہدے کی ضرورت ہے۔حضرت برقؔ اعظمی اس سلسلے میں بڑے خوش نصیب واقع ہوئے ہیں۔ان کی غزل میں قاری کو پہلی نظر میں اپنی طرف مائل ومتوجہ کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ان کے ہاں ہمیں تغزل کے بھی معیاری نمونے ملتے ہیں اور تعمیری واخلاقی قدروں کے بھی۔اور وہ چیز بھی بدرجہ اتم ملتی ہے جسے ہم شعریت کہتے ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کے ہاں ساقی وشراب زلف رخسار اور گل وبلبل کا تذکرہ بھی ملتا ہے لیکن اس کا اصل حوالہ کچھ اور ہوتا ہے۔

حضرت برقؔ اعظمی کی شاعری کا اہم وصف ان کے بیان کی سادگی ہے۔وہ شعر کچھ اس طرح کہتے ہیں کہ مضمون بالکل عام اور سامنے کی چیز معلوم ہوتا ہے لیکن جب شعر اپنی مکمل شکل میں سامنے آتا ہے تو اپنی ندرت سے قاری کو چونکا دیتا ہے اور پوری طرح اسے اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔کہتے ہیں۔

تجھ کو سینے میں جگہ دی پھر بھی ان کا ہوگیا
اے مرے دل تجھ سے بڑھ کر بے وفا کوئی نہیں

نکلا حضور ہی کا مکاں یہ تو کیا کروں
بیٹھا تھا میں تو سایۂ دیوار دیکھ کر

اے غم تجھے عزیز نہ رکھوں میں کس طرح
تجھ سا کوئی شریک نہیں زندگی کے ساتھ

آلام روزگار سے گھبرا رہا ہے کیا
دل میں خیال یار کو مہماں بنا کے دیکھ

خود سر ہے عقل اس کو بنا تابع جنوں
کافر ہے نفس اس کو مسلماں بنا کے دیکھ

محبت میں کہاں فرق من و تو یہ وہ منزل ہے
جہاں دل ہے وہیں تم ہو جہاں تم ہو وہیں دل ہے

آپ ان اشعار کو پڑھیے دیکھیں گے کہ بات بالکل سامنے کی کہی گئی ہے۔ الفاظ بھی بالکل صاف و سادہ اور سامنے کے ہیں، لیکن جس ندرت اور نئے پن کے ساتھ مضمون کو نظم کیا گیا ہے، وہ بہر حال قابل توجہ ہے۔ اپنے دل کو رقیب یا بے وفا کے طور پر دیکھنا، غم کو شریک زندگی کی حیثیت دینا، خیال محبوب کو آلام زمانہ کا علاج تصور کرنا۔ عقل کو تابع جنوں اور نفس کو مسلمان بنانے کی بات کرنا اور محبوب اور دل کو لازم وملزوم قرار دینا، یہ وہ باتیں ہیں جو بظاہر آسان اور سامنے کی معلوم ہوتی ہیں لیکن شاعر کو بیان کی اس منزل تک پہنچنے کے لیے جس مشق اور ریاض سے گزرنا پڑا ہوگا، اس کا ادراک اسی کو ہو سکتا ہے، جو خود بھی انھیں مراحل سے گزرا ہو۔ بیان کی یہی وہ کیفیت ہے جسے شاعرانہ اصطلاح میں سہل ممتنع کہا جاتا ہے۔ حضرت برقؔ اعظمی جانشین داغ دہلوی حضرت نوحؔ ناروی کے شاگرد تھے جو سہل ممتنع اور زبان کی شاعری کے لیے خصوصی شہرت رکھتے تھے، انھیں زبان و بیان کا یہ منفرد و نادر انداز یقیناً اپنے استاد سے ملا ہوگا۔ ان کے درج ذیل اشعار سے بھی داغ اسکول کی نمائندگی ہوگی ہے۔

کتنے میں کس حسیں نے خریدا پتہ نہیں
بس بک گیا میں گرمیٔ بازار دیکھ کر

سکتے کا سا عالم دمِ گفتار ہوا ہے
ایسا بھی محبت میں کئی بار ہوا ہے

آتشِ سیال کی صورت ہے رگ رگ میں لہو
جل رہا ہوں سر سے پا تک اور دھواں ہوتا نہیں

آج آئے ہو تم اے جان تسلّی دینے
مر گئے ہوتے جو کل ہجر میں ہم کیا ہوتا

جاں نکلتے ہی سب کلفتیں مٹ گئیں
درد حد سے بڑھا تو دوا ہو گیا

جاتا تو ہے اس جلوہ گہِ ناز میں اے دل
کیا ہوگا اگر ضبط کا یارا نہ رہے گا

میرا ذمہ نہیں پھر آپ کی رسوائی کا
چھٹ گیا ہاتھ سے دامن جو شکیبائی کا

یاد رکھ اے مجھے دیوانہ بنانے والے
میری رسوائی ہے موجب تری رسوائی کا

حضرت برقؔ اعظمی ایک پختہ کار و صاحب طرز غزل گو شاعر کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ ان کی غزل کا یہ امتیاز ہے کہ وہ غزلوں کی بھیڑ میں گم نہیں ہوتی۔ ان کی غزل اپنی ایک پہچان رکھتی ہے۔ ان کے اشعار اپنے مخصوص زاویے، منفرد انداز فکر اور نادر طرزِ گفتار کے سبب لاکھوں کی بھیڑ میں پہچان لیے جاتے ہیں۔ زبان کی صفائی، بندش کی چستی، محاوروں کی صحت، جذبے کا خلوص، موضوع کی سنجیدگی اور فنی رکھ رکھاؤ ان کی شاعری کے اہم اوصاف ہیں۔ یہ اوصاف ان کی غزل میں قدم قدم پر دامن دل کھینچتے ہوئے ملتے ہیں۔ ایک شاعر کی حیثیت سے انھیں خود بھی اس کا ادراک ہے۔ ایک جگہ انھوں نے کہا ہے:

کہہ دیا برقؔ کو جو کہنا تھا   سن کے اب سر دُھنا کرے کوئی

حضرت اعظمی کی غزل میں ہمیں اسلوبیاتی سطح پر قدم قدم پر جدید لہریں بھی ملتی ہیں، لیکن روایت کا ایک زندہ و متحرک تصور ان کے شعری رویے کی اساس ہے۔ شعری روایت سے ان کا رشتہ نہایت پختہ اور مستحکم ہے۔ ان کے شعری شعور نے مشق و ممارست کی ایک لازمی حد کو عبور کر کے اجتہادِ فکر کو اپنے فن پارے کا جوہر بنایا ہے۔ اس لیے کہ وہ اس بات سے پوری طرح باخبر ہیں کہ اچھا شعر، شعر گوئی کی منفرد صلاحیت اور روایت کے مناسب امتزاج سے وجود میں آتا ہے۔ فنی سلیقہ بندی، فطری توانائی اور زبان پر کامل گرفت ان کی شاعری کے اہم عناصر ہیں۔ ان کا شعری رویہ ان کی گہری فنی آگہی، فکر و اظہار پر بھرپور گرفت، پختہ جمالیاتی شعور اور ترسیل کی کامل استعداد کے آمیزے سے وجود میں آتا ہے۔

میں شعر و ادب کو سماج یا تہذیب کا معلم و مصلح سمجھتا ہوں۔ میرا نقطہ نظر ہے کہ ہر فن پارہ اپنے تخلیق کار کی زندگی اور فکر و خیال کا نمائندہ ہوتا ہے۔ کوئی بھی ادیب یا شاعر اپنے عہد، سماج یا قوم کے خارجی و داخلی ماحول اور تہذیب سے بے نیاز نہیں ہو سکتا اور کسی بھی تخلیق کار کو اس کے عہد یا سماج سے الگ کر کے

اس کے فن پارے کی تعیین قدر نہیں کی جا سکتی۔ حضرت برقؔ اعظمی کے کلام کا مطالعہ کرنے سے اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے ہاں تغزل کی پاکیزہ قدروں کے ساتھ ساتھ ماضی کی صالح روایتوں سے مستحکم و پایہ دار وابستگی بھی ملتی ہے، حال سے کامل باخبری بھی اور مستقبل پر گہری نظر بھی۔ انھوں نے اشاروں، کنایوں، اور علامتوں کے پردے میں اپنے عہد کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات پر دردمندانہ تنقید بھی کی ہے اور ایک ہمدرد، دور بیں اور عاقبت اندیش مصلح کی حیثیت سے سیادت و رہنمائی کا فریضہ بھی انجام دیا ہے۔ ان کے ہاں اس قسم کے اشعار بھی ملتے ہیں:

بھڑکتا ہے چراغ صبح جب بجھنے کو ہوتا ہے
قضا آتی ہے جب چیونٹی کے ہو جاتے ہیں پَر پیدا

شہنشاہی کی مانگے بھیک کوئی ہم فقیروں سے
کیے اک کملی والے نے ہزاروں تاجور پیدا

چل دیئے اعزہ سب دفن کر کے مٹی میں
عمر بھر کی الفت کا ہم نے یہ صلا پایا

دیا اُتار عزیزوں نے دس قدم چل کر
مرا جنازہ تھا کاندھوں پہ جیسے بار کوئی

حضرت برقؔ اعظمی ایک خوش فکر و نغز گو شاعر کے ساتھ ایک سچے اور صاحب بصیرت مسلمان بھی تھے۔ اس لیے انھوں نے قلم کی پاکیزگی اور زبان و بیان کی طہارت کا ہمیشہ لحاظ رکھا ہے۔ انھیں یہ بات اچھی طرح معلوم تھی کہ زبان و قلم کی دولت اللہ تعالیٰ کی ایک امانت ہے اور اس کے بجا و بیجا استعمال کے لیے ہمیں اللہ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا۔ یہ احساس ان کی شاعری میں متعدد مقامات پر ملتا ہے۔ نمونے کے طور پر دو شعر پیش کرتا ہوں:

فحش غزل اور فکر لطیف — کیا میں ہرن پر لاد دوں گھاس
اوروں کی طرح فحش مضامیں نہ کر رقم — اے برق اپنے پاک قلم کا ہی کر لحاظ

میں نے حضرت برقؔ اعظمی کی شاعری خصوصاً غزل کا بغائر مطالعہ کیا ہے۔ میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ ان کے ہاں لفظ کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ لفظ کی پاکیزگی وطہارت کا پورا لحاظ رکھتے ہیں۔ انھیں لفظوں کے برتنے اور انھیں ان کے شایانِ شان استعمال کرنے کا ہنر آتا ہے۔ وہ لفظ کو مُردہ و بے جان نہیں تصور کرتے ہیں، اسے ایک زندہ ومتحرک حیثیت سے دیکھتے اور اس کے معانی ومفاہیم کی تلاش وجستجو کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں ان کی شاعری اپنا منفرد ومعنیاتی افق خود بناتی ہے۔ ان کے اس رویے نے انھیں ایک ممتاز، منفرد اور نغز گو شاعر بنا دیا ہے۔

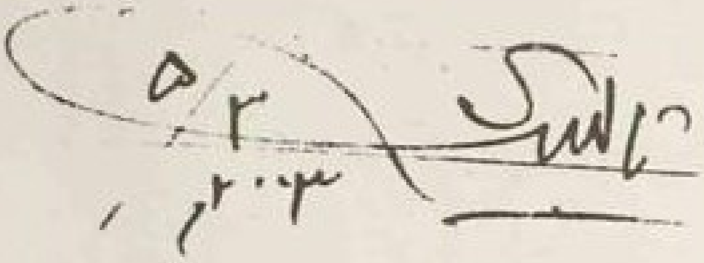

(ڈاکٹر تابش مہدی)

جی ۵/اے، ابوالفضل انکلیو

نئی دہلی ۔ ۱۱۰۰۲۵

نازشِ سالکؔ و سہیلؔ پیرِ و نوحؔ ناروی
شاعر سہل ممتنع حضرتِ برقؔ اعظمی

سرزمین کہن ہے اعظم گڑھ　　کانِ شعر وسخن ہے اعظم گڑھ
اہلِ فضل و کمال سے سرشار　　مخزن علم و فن ہے اعظم گڑھ
کیوں نہ مجھ کو عزیز ہو یہ شہر　　برقؔ میرا وطن ہے اعظم گڑھ

یوں تو سرزمین اعظم گڑھ کو جو صدیوں سے علم وفضل کا گہوارہ رہی ہے جلیل القدر علماء وفضلا اور مشاہیر شعروادب کی زادگاہِ علمی ہونے کا شرف حاصل رہا ہے۔ جہاں سے اٹھنے والا ہر ذرہ بقول علامہ اقبال سہیلؔ نیرِ اعظم بن کر سپہر علم ودانش پر ضوفگن ہوتا رہا ہے۔ جس کے فیضان تجلی سے جہانِ شعروادب آج تک منور ہے، لیکن اس تجلی گاہِ علوم ومعارف میں کچھ باکمال اور یگانہ روزگار شخصیتیں ایسی بھی گزری ہیں جنھیں خاطر خواہ آسمان شعروادب پر چمکنے کا موقع نہیں مل سکا اور انھیں اپنی منکسر المزاجی، نامساعد حالات اور ذاتی واداری مصروفیات کی وجہ سے وہ شہرت نصیب نہ ہوسکی جس کے وہ مستحق تھے۔ والد محترم جناب رحمت الٰہی برقؔ صدیقی اعظمی ابن عالیجناب منشی رحمت اللہ مرحوم (۱۹۱۱ء۔۱۹۸۳ء) بھی انھیں لوگوں میں سے ایک تھے جو اپنی خاکساری، بے نیازی، عزلت نشینی اور زمانے کی ناقدر شناسی کی وجہ سے گوشہ گمنامی سے باہر نہیں آسکے جیسا کہ ان کے اس شعر سے ظاہر ہے۔

ناآشنائے حال ہے بیچارہ کیا لکھے
ساکت قلم ہے میرے سوانح نگار کا

آپ ضلع کی مختلف تحصیلوں میں نائب رجسٹرار قانون گو کی حیثیت سے اپنے فرائض منصبی انجام دیتے رہے۔ چونکہ سن شعور سے ہی شعروسخن سے فطری مناسبت تھی اس وجہ سے اداری مصروفیات کے باوجود بھی مقامی طرحی ادبی نشستوں اور قصیدہ خوانی کی محفلوں میں برابر شریک ہوتے رہے اور مشق سخن

جاری رکھی۔ ایک نعتیہ قصیدے کی تشبیب میں اپنی اداری مصروفیات کو موضوع سخن بناتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

قصیدہ کیا لکھوں اب بات کا کرنا بھی مشکل ہے — کسی لمحہ نہیں فرصت یہ افراط مشاغل ہے
کیا بزم سخن سے دور افکار معیشت نے — نہ وہ جوش طبیعت ہے نہ وہ میں ہوں نہ وہ دل ہے
یہی ہر وقت کی الجھن یہی ہر روز کا جھگڑا — کہ دعویٰ کوئی فیصل کوئی خارج کوئی داخل ہے
اسی میں فکر لاحق تیسری شعباں قریب آئی — اسی میں ذکر معراج النبیؐ کی آج محفل ہے
ارے توبہ ہے ایسی کشمکش میں جان زار اپنی — کہ کچھ کہنا بھی مشکل ہے نہ کچھ کہنا بھی مشکل ہے
کدھر ہے ساقی مہوش صراحی لے کے آجائے — طبیعت خستہ و درماندہ افسردہ مرا دل ہے

شاید اسی خستگی و درماندگی اور ایک غیر شاعرانہ پیشے سے وابستگی نے انھیں صرف مقامی ادبی نشستوں تک محدود رکھا اور یہ کہنے پر مجبور کیا کہ:

زحمت مشاعروں کی اٹھائے مری بلا — وہ دے رہے ہیں داد غزل کہہ رہا ہوں میں
روح عروض جھوم رہی ہے بصد خوشی — فن کر رہا ہے صاد غزل کہہ رہا ہوں میں

الغرض برقؔ اعظمی کی شاعری ان کے فطری شعری و ادبی ذوق اور ذہنی و فکری آسودگی کا ذریعہ تھی جس کا وسیلہ اظہار مقامی شعر و سخن کی محفلیں تھیں جن میں انھوں نے مختلف اصناف سخن میں اپنی استادانہ مہارت زبان و بیان کے جوہر دکھائے اور صرف مقامی عظمت کے حامل رہے۔

زبان و بیان پر غیر معمولی تبحر اور قادر الکلامی کی وجہ سے ان کا اشہبِ قلم ہر میدان میں یکساں جولانیاں دکھاتا ہے لیکن ان کا جوہر امتیازی غزل اور قصیدے میں زیادہ نمایاں ہے۔ ان کی غزلیں قدیم و جدید اسالیب سخن کا ایک خوشنما مرقع ہیں جن میں لطف زبان اور حسن بیان کے ساتھ بلند پروازیٔ خیال، جدت ادا، تشبیہات جدید، استعارات لطیف، دروں بینی، وسعت نظر اور دقت فکر بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ انھوں نے طرزِ ادا میں بہت سی جدتیں کیں اور بیان کے نئے نئے اسلوب پیدا کیے اور ہر حال میں اپنی انفرادیت کو برقرار رکھا۔ وہ ایک معمولی سی بات کو لیتے ہیں اور اپنی مخصوص طرزِ ادا سے اس میں ندرت پیدا کر دیتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں عشق و ذوق، شور و شوق، نکتہ پردازی، مضمون آفرینی، سلاست و شیرینی، وارادت و واقعات، سوز و گداز اور درد و تاثیر کی فراوانی ہے۔

پہلے اپنے اسلوب بیان اور شعری محاسن کے سلسلے میں ان کی ذاتی رائے ملاحظہ فرمائیں بعد از آں ہم یہ جائزہ لیں گے کہ آخر وہ اس معیار پر کہاں تک پورے کرتے ہیں۔

کلام برقؔ کے ادبی محاسن
پرکھ لو خوبیِ حسنِ بیاں سے

تعالیٰ اللہ یہ رنگ تغزل
لطافت ہے ادب ہے، سادگی ہے

فکرِ جمیلِ برقؔ کا عالم نہ پوچھیے
بزمِ ادب کی شان بڑھاتی چلی گئی

ادیبوں کا کا مقولہ ہے کلامِ برقؔ کی بابت
سنے جو گوشِ دل سے محرمِ اسرار ہو جائے

مشاعرے سے اٹھے جب تو اہلِ فن نے کہا
کہ برقؔ زلفِ عروسِ ادب سنوار چلے

ان اشعار کی روشنی میں اگر ہم برقؔ اعظمی کے شعری محاسن کا جائزہ لیں تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ یہ صرف شاعرانہ تعلّی نہیں ہے بلکہ فی الواقع ان کی شاعری جدت طرازی، کیف و سرمستی، سلاست و روانی، سوز و گداز، بلندیِ پروازیِ خیال و سحر انگیزی کا ایک خوشنما مرقع ہے، جو نہ صرف قاری کے لذتِ کام و دہن اور ذوقِ جمال کی تسکین کے اسباب فراہم کرتی ہے بلکہ اسے دعوتِ فکر و عمل بھی دیتی ہے۔ اس لحاظ سے ان کی شاعری صرف حدیثِ دلبری ہی نہیں بلکہ تفسیرِ کائنات بھی ہے۔ چند شعر ملاحظہ ہوں:

قبلِ تحریر سرِ خامہ قلم ہوتا ہے
تب کہیں عشق کا افسانہ رقم ہوتا ہے

ہے ماورائے سخن برقؔ گفتگو میری
خموش رہ کے بھی اکثر ہے بات کی میں نے

بے نتیجہ ہیں کتابوں کی ورق گردانیاں
ماجرائے عشق لفظوں میں بیاں ہوتا نہیں

آتشِ سیال کی صورت ہے رگ رگ میں لہو
جل رہا ہوں سر سے پا تک اور دھواں ہوتا نہیں

کشتیِ دل رکے جہاں ہے وہی ساحلِ سکوں
منزلِ عمر ہے وہی نبض جہاں ٹھہر گئی

اف یہ کرشمہ سازیاں گردشِ روزگار کی
فصلِ بہار آئی جب قوتِ بال و پر گئی

محبت میں محسوس ہوتا ہے ایسا
مرے دل کو جیسے کوئی مجھ سے چھینے

نئی افتاد پڑتی ہے ہمیشہ
نیا دل روز لاؤں میں کہاں سے

دل لگانا بُرا ہے یہ مانا
دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی

اگرچہ ان کا دائرہ فکر و عمل ایک نہایت پسماندہ اور دور افتادہ شہر تک محدود رہا لیکن ان کی بلند پروازیِ خیال ملاحظہ ہو:

اب وہ دن دور نہیں فیض سے سائنس کے جب
نقشۂ نامہ و پیغام بدلنا ہوگا

جدتِ فن کا تقاضا ہے کہ اس دور میں اب
جو طریقہ ہے بہت عام بدلنا ہوگا

مذکورہ بالا شعر جو ۷ ستمبر ۱۹۴۷ء کو معرضِ وجود میں آیا تھا شاعر کی اولوالعزمی، وسعتِ فکر و نظر جدت پسندی اور دور اندیشی کا مظہر ہے۔ اس غزل کے چند شعر اور ملاحظہ ہوں جو اس حقیقت امر کی طرف

اشارہ کرتے ہیں کہ شاعر کی ذہنی سطح، علمی بصیرت اور دقت نظر عام لوگوں سے بالاتر ہوتی ہے۔ وہ اپنے گردو پیش کے حالات کا بغور جائزہ لیتے ہوئے اپنی شعری تخلیقات میں نہ صرف حقیقت حال کی ترجمانی کرتا ہے بلکہ مستقبل کا بھی نقیب ہوتا ہے۔

شیوۂ طعنہ و الزام بدلنا ہوگا
یہ طریقہ بتِ خود کام بدلنا ہوگا
تو نے اپنوں ہی میں اب تک جو چلا رکھا ہے
اب وہ دور مئے گلفام بدلنا ہوگا
آج تو وضع بدلنے کے لیے کہتے ہو
کل کہوگے کہ تمھیں نام بدلنا ہوگا

حضرت برق اعظمی ایک حساس اور بیدار مغز انسان تھے۔ وہ ماضی کی صالح قدروں کے امین، حالات حاضرہ کے نباض اور ایک خوش آئند مستقبل کے نقیب تھے۔ ان کے اشعار میں ماضی کی صالح روایات، عصری آگہی اور ایک تابناک مستقبل کے امکانات جلوہ گر ہیں جو ہماری صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

دیکھتا ہوں زمانے کی رفتار کو
نبض گیتی پہ رکھے ہوئے انگلیاں
تو جو مایوس ناکامیوں سے نہ ہو
کامیابی کی ضامن ہیں ناکامیاں
ثبت ہے صفحہ صفحہ پہ تاریخ کے
مٹنے والی نہیں ہے مری داستاں
اب بھی ساتھ آ جو ہو شوق منزل رسی
گو ہوں اب میں غبارِ پسِ کارواں

ان اشعار میں عصری حسیت اور اجتماعی شعور کس حد تک نمایاں ہے اہل نظر اس کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں۔

برق اعظمی کی غزلوں میں مکالماتی انداز بیان کی فراوانی ہے۔ اس طرزِ بیان سے بعض اوقات قاری وسامع پر ایک عجیب وغریب کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور شاعر کی داخلی کیفیت سامع پر اس حد تک اثر انداز ہوتی ہے کہ وہ کچھ دیر کے لیے تصورات کی دنیا میں کھو جاتا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ شاعر کی نہیں بلکہ خود اس کے دل کی آواز ہے۔ ملاحظہ ہو شعر:

سنو سنو مرے دردِ فراق کی روداد
رکو رکو ابھی جلدی ہے کون جانے کی

رکو رکو اور سنو سنو کے برمحل اور بے ساختہ استعمال سے نہ صرف یہ کہ شعر میں ایک زبردست تاثر پیدا ہو جاتا ہے بلکہ یہ شاعر کی زبان و بیان پر غیر معمولی گرفت کا مظہر ہے۔ ایک اور شعر میں برجستگی زبان و بیان اور وارفتگی شوق ملاحظہ ہو:

بسا اوقات ہم دونوں جہاں سے
کسی کی یاد میں رہتے ہیں غافل

یہاں لفظ بسا اوقات کا استعمال بھی شاعر کے تبحر زبان و بیان کا آئینہ دار ہے۔

شاعر اپنے داخلی تجربات کو اس موثر انداز سے بیان کرتا ہے کہ آپ بیتی، جگ بیتی معلوم ہونے لگتی ہے۔ ملاحظہ ہو:

سکتے کا سا عالم دمِ گفتار ہوا ہے
ایسا بھی محبت میں کئی بار ہوا ہے
ان کی تصویر تصور سے مری سرگوشی
کتنا پُرکیف سماں تھا شبِ تنہائی کا
عجیب حال ترے عشق میں ہمارا ہے
فغاں کی تاب نہ تو ضبط ہی کا یارا ہے
قضا کا نام ہے بدنام مفت میں ورنہ
مجھے تو برقؔ غم زندگی نے مارا ہے

ان اشعار میں شاعر نے غم جاناں کو غم دوراں بنادیا ہے اور یہ اشعار انسانی نفسیات سے اس قدر قریب تر ہیں کہ دل کو چھو لیتے ہیں۔

برقؔ اعظمی نے ذہنی و فکری نا آسودگی اور حصول مال و متاع دنیوی کے لیے مسلسل تگ و دو کو بھی موضوع سخن بنایا ہے جو شاعر کی عصری آگہی اور اجتماعی شعور کا ترجمان ہے۔ فرماتے ہیں:

کوئی نہیں ہے سیر گدا ہو کہ تاجور
بھوکا ہے یہ غذا کا تو وہ اقتدار کا

برقؔ اعظمی نے شروع شروع میں جناب منشی سالگ رام صاحب سالکؔ گرداری کے جانشین حضرت شمشاد لکھنوی سے شرف تلمذ حاصل کیا اور ۱۹۳۴ء میں ان کے انتقال کے بعد تاج الشعراء فصیح العصر ناخدائے سخن حضرت نوحؔ ناروی جانشینِ حضرت داغ دہلوی سے مشورۂ سخن لینا شروع کیا جس کا اثر ان کے کلام میں صاف نمایاں ہے۔

برقؔ اعظمی کی غزلوں میں حضرت نوحؔ ناروی کے فیض صحبت کے اثر سے سلاست و شیرینی، برجستگی، پُرکاری و سحر آفرینی بدرجہ اتم موجود ہے جس کی وجہ سے بسا اوقات داغ دہلوی کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے بیشتر اشعار سہل ممتنع کا بہترین نمونہ ہیں۔

غزل کے لغوی معنی معشوق سے گفتگو کو ملحوظ رکھتے ہوئے صنعت مراجعہ میں لکھی ہوئی ایک غزل کے چند شعر ملاحظہ ہوں:

میں نے کہا کہ آپ ہیں؟ اس نے کہا کہ جی نہیں
میں نے کہا تو کون ہے؟ اس نے کہا کوئی نہیں

میں نے کہا کہ آپ تو میری نظر میں شمع ہیں
اس نے کہا کہ کچھ بھی ہیں آپ سے لو لگی نہیں

میں نے کہا کہ آپ کے حسن پہ مر رہا ہوں میں
اس نے کہا کہ آپ کیا اس سے کوئی بری نہیں

میں نے کہا کہ بوالہوس بیٹھ کے رو رہا تھا کل
اس نے کہا کہ اس سے کہہ عشق ہے دل لگی نہیں

میں نے کہا کہ برقؔ کی لکھی ہوئی ہے یہ غزل
اس نے کہا جبھی تو یہ سحر ہے شاعری نہیں

یہ سحر آفرینی صرف اسی غزل تک محدود نہیں ہے بلکہ حضرت برقؔ اعظمی نے سہل ممتنع کو بروئے کار لاتے ہوئے نہ صرف اپنی قادر الکلامی اور استادانہ مہارت زبان و بیان کے جوہر دکھائے ہیں بلکہ اردو غزل کو اپنی جدت طبع اور ہنر آفرینی سے ایک نئے رنگ و آہنگ سے روشناس کرایا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

زندگی کا عجب فسانہ ہے
روتے آنا رلا کے جانا ہے

جہاں میں آئے تو روتے ہوئے خود آئے تھے
چلے تو کر کے عزیزوں کو اشکبار چلے

رکے تو بیٹھ گئے بیٹھتا ہے دل جیسے
چلے تو نبض کی صورت سے بے قرار چلے

نبھا سکے جو نہ بزم الست کا وعدہ
کفن سے ڈھانکے ہوئے منھ کو شرمسار چلے

آج آئے ہو تم اے جان تسلی دینے
مر گئے ہوتے جو کل ہجر میں ہم کیا ہوتا

پوچھا جو کس کا باغ میں روندا گیا ہے سر
سبزے نے عاجزی سے کہا خاکسار کا

اُف دریائے عشق کا پاٹ
ہے ملاح نہ ناؤ نہ گھاٹ

عشق کا لپکا آگ ہے آگ
جان کے لوبھی چل، ہٹ بھاگ

ہر دم ان کے نام کی جاپ
لب پہ ہے جاری آپ سے آپ

سہہ نہ سکے گا عشق کی آنچ
دیوانے یہ آگ نہ تاپ

حسن میں ہیں جو وہ یگانہ وہ طاق
عشق میں ہم ہیں شہرۂ آفاق

کوہ کن نے پہاڑ تو کاٹا
اور کاٹے کٹی نہ شام فراق

دنیا بھر سے ناتا توڑ
رشتہ بس اللہ سے جوڑ

مار سکے تو نفس کو مار
چھوڑ سکے تو حرص کو چھوڑ

کھا مظلوم کی آہ سے خوف
ظالم کا دے ہاتھ مروڑ

اہل وفا کے پاؤں کو چوم
اہل جفا سے ہاتھ نہ جوڑ

خود بھی سنبھل اوروں کو سنبھال
برقؔ کی باتوں کا ہے نچوڑ

خود سنبھلنے اور دوسروں کو سنبھالنے کی تلقین شاعر کی دردمندی اور انسان دوستی کا مظہر ہے جیسا کہ ان اشعار سے ظاہر ہے۔

دیکھا کسی کو رنج و الم میں جو مبتلا — ہم بھی شریک اس میں برابر کے ہو گئے
جس دل میں یہ نہیں ہے وہ پتھر ہے دل نہیں — اپنا ہے یہ خیال محبت کے باب میں
یہ نہ ہو تو دنیا میں کون کس کو پہچانے — اصل میں محبت ہی شمع بزم ہستی ہے
محبت کیا بتاؤں تجھ کو میں کیا چیز ہے ہمدم — یہ عنوان کتاب زندگی معلوم ہوتی ہے

محبت کے روایتی تصور سے قطع نظر معاشرے میں صحت منداور صالح قدروں کے فروغ کی کوشش اور بنی نوع انسان کو باہمی اتحاد واتفاق کی تلقین برقؔ اعظمی کے جذبہ ہمدردئ خلائق کی نشاندہی کرتی ہے۔فرماتے ہیں:

مل جل کر دنیا میں گزار — دو دن کا ہے میل ملاپ

آشوبِ روزگار اور معاشرتی زندگی کے تلخ حقائق کو کس خوبصورتی اور نہایت سادہ اور سلیس زبان میں پیش کیا ہے۔

سیکڑوں مصائب ہیں سیکڑوں حوادث ہیں — رہزنوں کے نرغے میں کاروانِ ہستی ہے
زندگی اب تو ہوگئی دوبھر — یورشِ حادثات اتنی ہے
دنیا میں رہ کے خواہش آرام ہمنفس — ایسی ہے جیسے آب کی خواہش سراب میں

حضرت برقؔ اعظمی کے خیال میں شعر ایسا ہونا چاہیے جو ذوق جمال کی تسکین کے ساتھ ساتھ بے قرار انسانیت کو روحانی غذا فراہم کر سکے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ:

ایسے ادیب اب کہاں بزم ادب میں ہمنشیں — روح کی مل سکے غذا جن کی نگارشات میں
عقل سلیم سے سمجھ میرا کلام ہمنشیں — رمز ہے لفظ لفظ میں بات ہے بات بات میں

اور ان کا یہ شعر خود ان کی ذات پر صادق آتا ہے:

اہل کمال خاک ہوں اپنے وطن میں سرخرو
قدرِ جواہرات کیا کانِ جواہرات میں

برقؔ اعظمی کا استادانہ رنگ ان کے قصائد میں بہت ابھر کر سامنے آیا ہے۔اس شعری مجموعے میں ۲۱ قصیدے شامل ہیں جو حضور اکرم ﷺ اور ائمہ معصومین کی شان میں ہیں جو ان کے جوش عقیدت اور فن عروض پر ان کی غیر معمولی دسترس کا مظہر ہیں۔انھوں نے قصیدے کے تمام اجزائے ترکیبی کو ملحوظ رکھتے

ہوئے تشبیب، گریز، اور مدح سرائی میں اپنی استادانہ مہارت زبان وبیان کے خوب جوہر دکھائے ہیں جس کی وجہ سے ان کے قصائد بھی سلاست وروانی، پُرکاری اور فنکارانہ چابکدستی کا بہترین نمونہ ہیں۔

ان سطور میں میری یہ حق فرزندی ادا کرنے کی ایک ادنیٰ کوشش ہے۔ شاعر کی شاعرانہ عظمت کا تعین تو اربابِ نظر ہی کر سکتے ہیں لیکن مجھے اس بات کا پورا یقین ہے کہ بقول حضرت جگر مراد آبادی:

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوالیتی ہے مانی نہیں جاتی

قصائد کے علاوہ حضرت برقؔ اعظمی نے حمد، نعت، منقبت، خمسے، تضمینیں، قطعات، رباعیاں اور قطعات تاریخ وغیرہ میں بھی اپنے قلم اعجاز رقم سے بہت سے گل بوٹے کھلائے ہیں۔ مولانا رومؒ مرزا غالب اور علامہ اقبال کے اشعار پر ان کے عالمِ خیال میں منظوم مکالمے جن کا مقصد سوال و جواب کی صورت میں ان عظیم شاعروں کے اشعار کی تشریح ہے، ان کا ایک قابل قدر اور مثالی کارنامہ ہے۔

بالآخر یہ قادرالکلام اور صاحب طرز شاعر ۳؍۴ اکتوبر ۱۹۸۳ء کی درمیانی شب میں ۲ بج کر ۱۰ منٹ پر اس احساسِ محرومی کے ساتھ کہ:

اٹھ گئے گوہر مضموں کے پرکھنے والے کیجیے پیش کسے اب دُرِ دریائے سخن

اس دارِ فانی سے عالم جاودانی کی طرف یہ کہہ کر رخصت ہو گیا کہ:

مر کے ہم اے برقؔ پائیں گے حیات جاوداں
ہے بقا کا پیش خیمہ اختتامِ زندگی

والد محترم کے انتقال کے بعد برادرِ بزرگ جناب ڈاکٹر رحمت علی اکملؔ جو خود نہایت صاف ستھرا شعری ذوق رکھتے تھے اور اردو کے علاوہ ہندی اور بھوجپوری میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے اپنے ذوق سلیم کے مطابق ان کے مجموعہ کلام کو ترتیب دینا چاہتے تھے لیکن افسوس زندگی نے وفا نہ کی اور ان کا یہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکا اور بالآخر ع : قرعۂ فال بنامِ من دیوانہ زدند

لیکن بقول حضرت شمیم کرہانی:

رقاصۂ دوراں کے آہنگ پہ کیا بولے خود اپنے مسائل میں الجھی ہوئی پائل ہے

مختلف وجوہات اور نامساعد حالات کی وجہ سے اس کام میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔ بہرحال برادرانِ عزیز ڈاکٹر شوکت علی شوکتؔ، برکت علی، امجد علی، اشہد علی اور عزیزی قمر الدین سلمہ ابن برکت علی اور میرے صاحبزادے فراز عالم سلمہ کے اصرار اور والدہ محترمہ کی دیرینہ خواہش کی تکمیل میں اس مجموعہ

کلام کی ترتیب اور اشاعت کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عزو شرف

والدہ محترمہ اور برادرِ عزیز جناب **برکت علی صدیقی اعظمی** کی خصوصی دلچسپی اور دامے درمے قدمے و سخنے تعاون کے لیے جس کے بغیر اس شعری مجموعے کا منظر عام پر آنا ناممکن تھا' ان کا مرہونِ منت اور صمیم قلب سے سپاس گزار ہوں۔

اس مجموعہ کلام کی ترتیب اور اشاعت کے ہر مرحلہ میں عزیزم ڈاکٹر عقیل احمد (سکریٹری غالب اکیڈمی' بستی حضرت نظام الدین نئی دہلی) کا پُرخلوص تعاون شامل حال رہا ہے اور فی الواقع انھوں نے رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ میرے پاس ان کا شکریہ ادا کرنے کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ میں والد محترم کے الفاظ میں صرف یہی کہہ سکتا ہوں کہ:

بڑھے بڑھتی ہی جائے بحر ذخارِ ترقی میں — نہ اس کی کشتیٔ عمرِ رواں محتاج لنگر ہو
کشائش آ کے خود اس کے گلے کا ہار ہو جائے — زر و مالِ زمانہ اس کے قدموں پر نچھاور ہو
دعا ہے صدق دل سے برقؔ کی اے خالق اکبر — کہ تدریجی ترقی کا نہ بند اس پر کبھی در ہو

محترم ریحان احمد عباسی (پروپرائٹر افراح کمپیوٹر سنٹر) کی خصوصی دلچسپی' مشفقانہ مشورے اور رہنمائی نیز کمپوزنگ میں عزیزی محمد اعلم اور عبدالعظیم کی جانفشانی قابل قدر ہے جس کے لیے میں ان لوگوں کا مشکور ہوں۔ محترم ضیاء الدین اصلاحی (مدیر ماہنامہ معارف و ناظم دارالمصنّفین اعظم گڑھ) ڈاکٹر تابش مہدی اور ڈاکٹر سہیل احمد فاروقی کی حوصلہ افزائی اور مفید مشوروں کے لیے ان کا مرہون منت اور تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔ ہمکارِ عزیز سید لائق علی اور ولی اللہ ولی (شعبہ فارسی' آل انڈیا ریڈیو) کی تشویق بھی وجہ جمعیت خاطر ہے۔ میں ان کا بھی سپاس گزار ہوں۔

ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی
(مترجم/اناؤنسر شعبہ فارسی آل انڈیا ریڈیو' نئی دہلی)
598/9' ذاکر نگر' جامعہ نگر
نئی دہلی۔ 110025
فون نمبر: 26984938 (R)

حمد

مناجات

نعت

منقبت

حمد باری تعالیٰ

حق تری حمد کا مجھ سے کیا ہوا ادا اے خدا اے خدا اے خدا
کن مصور کے گنوائے تصویر کیا اے خدا اے خدا اے خدا

بھید تیرا بھلا کوئی پائے تو کیوں ذات تیری تصور میں آئے تو کیوں
ہے تری ابتدا اور نہ ہے انتہا اے خدا اے خدا اے خدا

چاند سورج ستارے زمیں آسماں کرسی و عرش لوح و قلم اِنس و جاں
تجھ سے پیدا ہوئے تو نے پیدا کیا اے خدا اے خدا اے خدا

باپ تیرا کوئی ماں نہ تیری کوئی اور بیٹا ترا ہے نہ بیوی کوئی
ان علائق سے تجھ کو نہیں واسطا اے خدا اے خدا اے خدا

آنکھ تیرے نہیں کان تیرے نہیں ہاتھ تیرے نہیں پاؤں تیرے نہیں
بند پھر بھی نہیں کام کوئی ترا اے خدا اے خدا اے خدا

کوئی شے تیرے قبضہ سے باہر نہیں فرش تا عرش ہے تیرے زیرِ نگیں
ابر چاکر ترا تیری لونڈی صبا اے خدا اے خدا اے خدا

قید جسم و مکاں سے مبرّا ہے تو ہر بُرائی سے پاک اور منزہ ہے تو
تیرا ثانی نہیں ہے کوئی دوسرا اے خدا اے خدا اے خدا

تو ہی تو ہے جدھر دیکھو جلوہ نما موبمو سوبسو کو بکو جا بجا
آئینہ تجھ پہ ہے سب کھلا اور چھپا اے خدا اے خدا اے خدا

تیری قدرت سے قائم ہے ارض و سما تیرے زیرِ اثر آگ پانی ہوا
تیری مٹھی میں گھنگھور کالی گھٹا اے خدا اے خدا اے خدا

ریگِ صحرا میں تو موجِ دریا میں تو ذرّہ ذرّہ میں تو قطرہ قطرہ میں تو
ہاں مگر چاہئے دیدۂ حق نما اے خدا اے خدا اے خدا

لحنِ بلبل میں تو شورِ قُلقُل میں تو زلفِ سنبل میں تو بوئے ہر گل میں تو
پردہ پردہ میں ہے تو ہی جلوہ نما اے خدا اے خدا اے خدا

قمریوں کی زباں پر فسانہ ترا بلبلیں گا رہی ہیں ترانہ ترا
مور تیرے اشارے پہ ہے ناچتا اے خدا اے خدا اے خدا

کوئلیں کوکتی ہیں بہ طرزِ فغاں رٹ پپیہے کی ہے پی کہاں پی کہاں
اصل مقصود ہے بس تجھے ڈھونڈنا اے خدا اے خدا اے خدا

چاہے جو کچھ کرے ہے یہ مرضی تری رنج پر رنج دے یا خوشی پر خوشی
تیرے ہی ہاتھ میں ہے سزا و جزا اے خدا اے خدا اے خدا

منہ سے بہتر ہے اپنے نہ میں کچھ کہوں تو ہی سب کچھ ہے چُپ چاپ اگر میں رہوں
کیونکہ قائم ہوئی حد اگر کچھ کہا اے خدا اے خدا اے خدا

لکھے تعریف کیا تیری برقِ حزیں لفظ شایانِ شاں کوئی ملتا نہیں
بات کیا تو اگر ذہن میں آگیا اے خدا اے خدا اے خدا

بشکلِ گل چمن زارِ جہاں کے درمیاں ہر سو
خطِ گلزار میں لکھی ہے تیری داستاں ہر سو

نظر آتے ہیں جو گل اور ان پر تتلیاں ہر سو
ترے ہی دستِ قدرت کی ہیں یہ گلکاریاں ہر سو

طیورانِ چمن ہیں نغمہ زن تیری ہی مدحت میں
ترے ہی وصف میں ہیں بلبلیں رطب اللساں ہر سو

گلے میں ڈال کر طوقِ حسیں تیری محبت کا
لگاتی نعرۂ حق سرّہٗ ہیں قمریاں ہر سو

نہ تیری ابتدا کوئی نہ تیری انتہا کوئی
تو ہی تھا تو ہی ہے، تو ہی رہے گا ہر زماں ہر سو

ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن
کی آوازیں ہیں گونجی در مکان و لامکاں ہر سو

ترا ہی ذکر یارب وجہ تسکینِ دل و جاں ہے
ترے ہی نام کا پڑھتے ہیں کلمہ انس و جاں ہر سو

زباں میں اپنی اپنی جتنی اشیاء ہیں جہاں بھر کی
تری تسبیح خواں ہیں اے خدائے دو جہاں ہر سو

حقیقت بیں نگاہوں سے جدھر بھی برقؔ نے دیکھا
زمانے میں نظر آیا ترا ہی آستاں ہر سو

مالکِ دو جہاں خالقِ رنگ و بو! تیرے جلوے ہیں بکھرے ہوئے چار سو
جس طرف دیکھئے ہے اُدھر تو ہی تو نغمہ زن کیوں نہ ہو بلبلِ خوش گلو
اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ

ہیں تری صنعتیں اس قدر دل نشیں محوِ حیرت ہیں سب آسمان و زمیں
علم بخشا ہے تو نے جنہیں وہ حسیں آئینہ رکھ کے کہتے ہیں یہ روبرو
اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ

صبحدم جب چلی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا سجدۂ شکر میں ہر شجر جھک گیا
یک زباں ہو کے ہر برگِ گل نے کہا آبِ شبنم سے گلشن میں کرکے وضو
اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ

رات دن ہے پپیہے کے وِردِ زباں جستجو میں تری پی کہاں پی کہاں
قمریاں کہہ رہی ہیں بطرزِ فغاں تیرے شوقِ لقا میں بصد آرزو
اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ

پڑھ کے دیکھ اس کو غافل ہے کیا سوچتا اس سے ہوتی ہے ہر ایک حاجت روا
نام باری کی برکت کا کیا پوچھنا جس نے دل سے پڑھا ہوگیا سرخرو
اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ

اے خدا تیری توصیف میں، میں تو کیا اچھے اچھوں کا بھی بند ہے ناطقہ
شاہِ خاور جو مشرق سے ظاہر ہوا وہ بھی چپکے سے کہہ کر ہوا قبلہ رو
اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ

اپنی ہر سانس پر غور کر تو ذرا صاف سننے میں آئیگی ھوٗ کی صدا
دَم کے ساتھ اس کا جاری ہے جب سلسلہ کیوں نہ ہر دم کہے برقؔ اے نیک خو
اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ اللہ ھوٗ

مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات

زمین و آسماں کے مالک و مختار یا اللہ
مرا بحر الم سے کردے بیڑا پار یا اللہ

چلا وہ راہ مجھ کو جس پہ چل کر تیرے شیدائی
تیرے انعامِ بیحد کے ہوئے حقدار یا اللہ

پکاروں کس کو میں تیرے سوا رنج و مصیبت میں
کوئی تجھسا کہاں ہے مونس و غمخوار یا اللہ

بھلا کر دین و دنیا میں مرا اے خالقِ عالم
مٹا دے مجھ سے ہر رنج و غم و آزار یا اللہ

بڑھا کر میری روزی فارغ البالی عطا فرما
نہ ہوں میں تنگدستی سے ذلیل و خوار یا اللہ

عطا کر دولتِ علم و عمل اور نور سے اپنے
بنا دے میرے دل کو مطلع انوار یا اللہ

دعا ہے مجھ کو شامل کرلے اپنے نیک بندوں میں
بحقِ سرورِ دیں احمد مختار یا اللہ

مرے ماں باپ اور جملہ مسلمانوں کو اور مجھکو
بنانا جنت الفردوس کا حقدار یا اللہ

چھپا میرے معائب بخش دے میرے گناہوں کو
تو ہے ستار یا اللہ تو ہے غفار یا اللہ

عطا کر نیک کاموں کی سعادت میری بیوی کو
بنا دے میرے بچوں کو بھی نیکوکار یا اللہ

شفا اس کو عطا کر اور کامل تندرستی دے
رہا کرتا ہے تیرا برقؔ اب بیمار یا اللہ

مناجات

رحیم تو کریم تو خدائے لایزال تو
دکھی دلوں کی آس تو ستم کشوں کی ڈھال تو

پرے ہے تیری منزلت حد تصورات سے
ہے ماورائے عقل و ہوش و رفعتِ خیال تو

خزانہ ہائے غیب سے جسے جو چاہے بخش دے
کرم میں بے مثال تو عطا میں بے مثال تو

کہے جو کوئی غم سے تو تو کیوں نہ اس کی تو سُنے
بلا کہے بھی جانتا ہے سب کے دل کا حال تو

درندگی گزندگی چرندگی پرندگی
سن اور سمجھ رہا ہے ہر کسی کی بول چال تو
گناہوں کے وبال سے برائیوں کے جال سے
کوئی نہ بچ سکے اگر کرے نہ دیکھ بھال تو
مصیبتوں میں ہوں پھنسا بلاؤں میں ہوں مبتلا
مصیبتوں کو دور کر بلائیں میری ٹال تو
تمام مشکلوں سے حل کی صورتیں نکال دے
تمام زخمہائے دل کا کردے اندمال تو
الٰہی میرے دوستوں کو خوب سر بلند کر
الٰہی میرے دشمنوں کو کردے پائمال تو
الٰہی پوری کردے سب ہیں جتنی میری حاجتیں
الٰہی میرے دل کی ساری حسرتیں نکال تو
بڑھادے میری منزلت جوشش جہت میں اے خدا
عطا کر اپنے فضل سے وہ علم وعقل ومال تو

تمام آفتوں سے دے نجات اس کو اے خدا
ہر اک بلا سے برقؔ کو بچالے بال بال تو

نعت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

فخر کلیم و نازش آدم تمہیں تو ہو
چرخ ہدیٰ کے نیّر اعظم تمہیں تو ہو
پیش حرم جو کی تھی خدا کے خلیل نے
واللہ وہ دعائے مجسم تمہیں تو ہو
دنیا کو جس کی دی تھی بشارت مسیح نے
وہ آخری نبی مکرم تمہیں تو ہو
گھر گھر ہے جس کے فیض کا چرچا جہان میں
اے شاہ دیں وہ رحمت عالم تمہیں تو ہو
سارا جہاں ہے جس کی ہدایت کا معترف
وہ نور حق وہ محسن اعظم تمہیں تو ہو
تعلیم علم غیب خدا نے ہے دی تمہیں
راز حریم قدس کے محرم تمہیں تو ہو

جائے تمہارے در سے کہاں برقؔ بینوا
تسکین روح ودافع ہر غم تمہیں تو ہو

بناء عالم ایجاد خلقت ہے محمدؐ کی
مسلّم سارے عالم پر فضیلت ہے محمدؐ کی

مٹاڈالا جہاں سے فرق رنگ ونسل کا جس نے
وہ تعلیمِ مساوات واخوت ہے محمدؐ کی

جہاں پانی کا پانی دودھ کا دودھ آکے ہوتا ہے
وہ دربار محمدؐ وہ عدالت ہے محمدؐ کی

بتادوں آ تجھے میں احمد مختار کا مطلب
خدا کی کل خدائی پر حکومت ہے محمدؐ کی

محمدؐ سے بغاوت حق تعالیٰ سے بغاوت ہے
خدا کی حکم برداری اطاعت ہے محمدؐ کی

ستم سہکر دعا دشنام سن کر مسکرادینا
یہ شیوہ ہے محمدؐ کا یہ سیرت ہے محمدؐ کی

قوانیں اس کے برقؔ اغیار تک اپناتے جاتے ہیں
تعال اللہ وہ محکم شریعت ہے محمدؐ کی

اللہ اللہ شانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم
خلق پہ ہے احسانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

حصر نہیں کچھ کون ومکاں تک چھاکے رہے کیا جانے کہاں تک
رحمت بے پایانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آئی ہوائے کوئے مدینہ اڑنے لگی خوشبوئے مدینہ
بٹنے لگا فیضانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

مانتے ہیں جو نیک ہیں دونوں ازرہ معنیٰ ایک ہیں دونوں
حکم خدا فرمانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

سب نے جھکادی گردنِ طاعت چیخ اٹھی شعرا کی جماعت
معجزہ ہے قرآنِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ان سے ملی عرفان کی لذت ان سے ملی ایمان کی دولت
کیوں نہ ہو دل قربان محمد صلی اللہ علیہ وسلم

برقؔ یہ دلکش نعتِ پیمبرؐ سن کے عجب کیا وجد میں آکر
جھوم اٹھیں مستانِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

اے سرورِ دو عالم اے عزّ و شان والے
قرباں ہیں تیرے اوپر دونوں جہان والے
وہ کون ہے جہاں میں جس کا تری طرح سے
چلاّ کے پڑھ رہے ہوں کلمہ اذان والے
جن وبشر ملائک ہر لحظہ بھیجتے ہیں
لاکھوں درود تجھ پر اے آن بان والے
طیبہ میں سج رہی ہے بزمِ ملاءِ اعلیٰ
صدقے ہیں اس زمیں پر سب آسماں والے
قدرت کا معجزہ ہے ذاتِ نبیؐ امیؐ
ہیں گنگ جس کے آگے افصح زبان والے
وجہ وجودِ خلقت نور نبیؐ ہے یعنی
حق لامکاں ہے اور ہیں احمد مکان والے
رفرف کی گرد کو بھی پہنچے نہ برقؔ یوں تو
اڑتے ہیں کیسے کیسے راکٹ اڑان والے

دل ہے وہ دل کہ جس میں جلوا ہے مصطفیٰؐ کا
سر ہے وہ سر کہ جس میں سودا ہے مصطفیٰؐ کا
کیا اس سے بڑھ کے ہوگا محبوبیت کا درجہ
خلاقِ دو جہاں خود شیدا ہے مصطفیٰؐ کا
سارے جہاں کا قبلہ بیت الحرم ہے لیکن
بیت الحرم کا قبلہ روضا ہے مصطفیٰؐ کا
حق نے انہیں بنایا دونوں جہاں کا آقا
پس ہر خدا کا بندہ بندا ہے مصطفیٰؐ کا
جنت کے سب فرشتے کرتے ہیں فخر اس پر
خلد بریں سے افضل کوچا ہے مصطفیٰؐ کا
گر مصطفیٰؐ نہ ہوتے پیدا ہی کچھ نہ ہوتا
وجہ وجود عالم ہونا ہے مصطفیٰؐ کا
اے برقؔ سچ تو یہ ہے سارے جہان والے
جو کچھ ہیں کھاتے پیتے صدقا ہے مصطفیٰؐ کا

زمانے بھر میں جو پھیلی ہوئی معلوم ہوتی ہے
عرب کے چاند کی وہ چاندنی معلوم ہوتی ہے

مئے وحدت جو دنیا بھر میں تو نے بانٹ دی ساقی
مجھے اُس سے تری دریا دلی معلوم ہوتی ہے

چمکتا ہے ترے روضہ کے گنبد کا کلس ہر دم
چمک بجلی کی تو آئی گئی معلوم ہوتی ہے

خدا کا گھر سہی کعبہ مگر مولا ترے آگے
مجھے محراب کعبہ بھی جھکی معلوم ہوتی ہے

کرشمہ ہے یہ تیری بزمِ اقدس کے تصور کا
کہ تنہائی میں بھی محفل سجی معلوم ہوتی ہے

سبق لیتے رہیں گے اہل ایماں حشر تک جس سے
وہ تیری داستان زندگی معلوم ہوتی ہے

شہنشاہانِ دنیا برق جھکتے ہیں یہاں آکر
مدینے کی حکومت مرکزی معلوم ہوتی ہے

سلام بحضورِ

سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ واولیائے اُمتہٖ اجمعین

دین و دنیا کے سرور پہ لاکھوں سلام
کملی والے پیمبرؐ پہ لاکھوں سلام

شمعِ بزم ہدیٰ سید الانبیاءؐ
شافعِ روزِ محشر پہ لاکھوں سلام

مرکزِ چشم امید تشنہ لباں
ساقیِ حوضِ کوثر پہ لاکھوں سلام

جس کی زلفوں کی کھائی خدا نے قسم
اس کی زلفِ معنبر پہ لاکھوں سلام

جس کے صدقے میں ایماں کی دولت ملی
اس پہ اور اس کے گھر بھر پہ لاکھوں سلام

جس کا سایہ تھا گم کثرتِ نور میں
اس کے جسم منور پہ لاکھوں سلام

جس کی تصدیق کی سنگریزوں نے بھی
ایسے محبوبِ داور پہ لاکھوں سلام

شمعِ غار حرا مہر اوج صفا
زیبِ محراب و منبر پہ لاکھوں سلام

جس کو اے برقؔ معراج حاصل ہوئی
اس کے اوجِ مقدر پہ لاکھوں سلام

ثانی الاثنین فی الغار جس کی صفت — ایسے صدیق اکبر پہ لاکھوں سلام
بڑھ گئی جس کی شوکت سے تمکین دیں — اس عمرؓ عدل گستر پہ لاکھوں سلام
جس کی دولت سے دیں کو ملی تقویت — اس غنیؓ مخیّر پہ لاکھوں سلام
جمع قرآں کا حاصل ہے جس کو شرف — اس کی سعیٔ مکرر پہ لاکھوں سلام
ناز پروردۂ احمد مجتبیٰؐ — حیدرِ شیر صفدر پہ لاکھوں سلام
غازیٔ سر بکف شہریار نجف — فاتح جنگ خیبر پہ لاکھوں سلام
جس نے تنہا ہزاروں کو پسپا کیا — اس جری اُس دلاور پہ لاکھوں سلام

واقف رازہائے خفی وجلی
باب علمِ پیمبر پہ لاکھوں سلام

پیاری خاتونِ جنت پہ صدہا درود — پیارے شبیر و شبّر پہ لاکھوں سلام
چیر کر جس کا ہندہ جگر کھا گئی — اس شہیدوں کے افسر پہ لاکھوں سلام
پرتوِ ذوالمنن خالدؓ صف شکن — دین کے میر عسکر پہ لاکھوں سلام
طلحۃؓ الخیر کا جس نے پایا لقب — اس فدائے پیمبر پہ لاکھوں سلام
قلب و جانم فدا بر بلالِؓ نبیؐ — روح سلمانؓ و بوذرؓ پہ لاکھوں سلام
جو کہ بدر و اُحد صف آرا ہوا — اُس وفا کیش لشکر پہ لاکھوں سلام
جیتے جی جن کو جنت کا مژدہ ملا — ان فدایان سرور پہ لاکھوں سلام

جملہ اصحابِؓ سرور پہ لاکھوں درود
جملہ زوجاتِؓ سرور پہ لاکھوں سلام

سایۂ فضل رب غوث اعظمؒ لقب — محی دینِ پیمبرؐ پہ لاکھوں سلام
قبر گنج شکرؒ پر عقیدت کے پھول — روحِ اجمیریؒ سرور پہ لاکھوں سلام
مستیٔ حق سے سرشار سرتابہ پا — بوعلیؒ قلندر پہ لاکھوں سلام
آسمان تصوف کے مہر مبیں — الفؒ ثانیٔ اطہر پہ لاکھوں سلام
شیخ محبوب الٰہیؒ فرشتہ صفت — فخر ناموسِ اکبر پہ لاکھوں سلام

کاکیؒ نیک خو مظہرؒ نیک دل — خسروؒ نیک محضر پہ لاکھوں سلام
تارک تاج وتخت اشرف الاولیاء — اشرفؒ پاک و برتر پہ لاکھوں سلام
صوفیائے کرامؒ اولیائے عظامؒ — عاشقان پیمبرؐ پہ لاکھوں سلام
جملہ علمائے حق جملہ اقطاب دیں — جملہ صلحائے برتر پہ لاکھوں سلام
جو ازل سے ہوئے ہوں گے جو حشر تک — ہر مسلماں برادر پہ لاکھوں سلام
آل و اصحاب حضرت کا تو ذکر کیا — بلکہ ان کے سگِ در پہ لاکھوں سلام

برقؔ ہو میرے مرحوم والدؒ پہ اور
میری مرحومہؒ مادر پہ لاکھوں سلام

نعت سرور کائناتؐ

دل منور ہوگیا انوارِ یزداں دیکھ کر — مصحفِ روئے نبیؐ دیکھا جو قرآں دیکھ کر
روضۂ سرور کو یہ کہتا ہے رضواں دیکھ کر — میری جنت تو ہے اس جنت کو قرباں دیکھ کر
منظرِ معراج سردار رسولاں دیکھ کر — مرغ سدرہ دنگ تھا پرواز انساں دیکھ کر
انبیا دل سے فدا ہیں اولیا کا ذکر کیا — سرورِ عالم کو صدرِ بزم امکاں دیکھ کر
منہ رسول اللہ کا ہے بات ہے اللہ کی — صاف کھل جاتا ہے یہ آیات قرآں دیکھ کر
پشت پر مہرِ نبوت، رخ پہ تنویر خدا — کون کافر ہے نہ لائیگا جو ایماں دیکھ کر
سبز گنبد دیکھ کر خم چرخ نیلی فام ہے — کالی کملی ہے غلاف کعبہ قرباں دیکھ کر
سچ تو ہے تیری ضیائے حسن کا پرتو ہوں میں — مہر فاراں کو یہ بولا ماہ کنعاں دیکھ کر
اکتساب نور سب کرتے رہیں گے حشر تک — تیری روشن کی ہوئی شمعیں فروزاں دیکھ کر
دل پہ اسرارِ حدیث من رانی کھل گئے — جلوۂ حق روئے احمدؐ سے نمایاں دیکھ کر
ذرہ ذرہ نورِ وحدت سے بساط خاک کا — جگمگا اٹھا ضیائے مہر فاراں دیکھ کر
گرمیٔ خورشید محشر کا ہمیں کھٹکا ہو کیوں — سایہ افگن رحمتِ عالم کا داماں دیکھ کر

آستاں پاک پر الفقر فخری کا سماں لرزہ براندام ہے کسریٰ کا ایواں دیکھ کر
کوئی عاصی کیوں بھلا رخ دوسری جانب کرے آپ کے دامن کو پردہ پوش عصیاں دیکھ کر
پھیرلیں آنکھیں نکیوں اے برقؔ دنیا بھر سے ہم
خاک اب دیکھیں کسی کو روئے جاناں دیکھ کر

○

آپ فرمائیں جو محشر میں شفاعت یارسولؐ جاگ اٹھے،ہم عاصیوں کی کیوں نہ قسمت یارسولؐ
جس زمیں پر آپ کا پائے مبارک پڑ گیا ہوگئی وہ مرتبہ میں عرش رفعت یا رسولؐ
تشنۂ تکمیل تھی توحید خالق کی دلیل آپ نے آکر کیا اِتمامِ حجت یا رسولؐ
جس کو اعزازِ یدالله فوق ایدیهم ملا کاش ان ہاتھوں کی حاصل ہو زیارت یارسولؐ
ہوگئے ہر رہروِ راہِ محبت کے لیے خارِ طیبہ روکشِ گلزارِ جنت یا رسولؐ
تابشِ خورشید محشر سے بچائے گا ہمیں آپ ہی کا سایۂ دامانِ رحمت یارسولؐ
سلسلہ جس اہل حق کا آپ تک ہو منتہی اس سے بیعت آپ سے گویا ہے بیعت یارسولؐ
اپنے روضے پر خدارا جلد تر بلوایئے درد دوری اب نہیں سہنے کی طاقت یارسولؐ
مژدۂ من زار قبری آپ نے دے کر ہمیں بخش دی ہے دوسرے معنوں میں جنت یارسولؐ
روضۂ اقدس کے زائر کو نہ کیوں جنت ملے آپ کا ہے قول اس بارے میں وجبت یارسولؐ
آپ کو حق نے کہا ہے رحمۃ للعالمین اس سے ثابت آپ کی سب پر ہے شفقت یارسولؐ
کیوں نہ ہر امت پہ لازم ہو اطاعت آپ کی ہر نبی نے آپ کی دی ہے بشارت یارسولؐ
سچ تو یہ ہے برقؔ کی نظروں میں دونوں ایک ہیں
آپ کا ذکر اور قرآں کی تلاوت یا رسول

○

عارض پہ تصدق ترے برگِ گل تر بھی آب دُرِ دنداں سے خجل آبِ گُہر بھی
اللہ غنی کیا ہے تری راہگزر بھی جلتے ہیں جہاں حضرت جبریلؑ کے پَر بھی

پا کر تری انگشتِ شہادت کا اشارا
دو ٹکڑے ہوا رعبِ جلالت سے قمر بھی

میں دور اسے قرب ہے مولا ترا حاصل
مجھ سے تو ہے بہتر کہیں تیرا سگِ در بھی

کیا کہیے ترے حسنِ خدا داد کا عالم
دیکھے رخِ پُر نور تو خیرہ ہو نظر بھی

شاید کہ یہ دونوں ہیں شہیدِ رخ و ابرو
پُر خوں ہے شفق چاک ہے دامانِ سحر بھی

پوچھا جو زمانہ ہے یہ کیوں آپ کا بسمل
فرمایا نظر ہی تو ہے پھر جائے جدھر بھی

ہے برقؔ دل افگار بھی محتاج ترحم
ہاں ایک نظر اے شہِ کونین ادھر بھی

○ |

اے رسول ہاشمیؐ وجہِ وجودِ کائنات
بیگماں بعدِ خدا ہے سب سے افضل تری ذات

مرکزِ دیں کہیے جن کو وہ ترے پائے ثبات
اور تفسیر ید اللہ سربسر ہیں تیرے ہات

لرزہ براندام کاخ شرک تیرے رو برو
سربسجدہ تیرے آگے سطوت عزیٰ ولات

نازشِ بزم ادب یعنی وہ شعرائے عرب
چیخ اٹھے یہ مردِ امّی اور یہ اسرار و نکات

روشنیٔ چشم تھی کون و مکاں کے آر پار
روک سکتے کیا پھر اس کو پردہ ہائے ممکنات

اک نظر میں جانے کیا کچھ کر دیا تو نے عطا
اک اشارے ہی میں تو نے کھول دی راہ نجات

پھوٹ نکلے چشمہ ہائے فیض وحدت چارسو
علم کے دریا بہائے بے قلم کاغذ دوات

ہوگئے سینے ضیائے نورِ حق سے منجلی
دل کے آئینے میں دیکھا آدمی نے عکس ذات

تیرے شاگردوں نے تجھ سے رمز باطن سیکھ کر
علم کے انوار پھیلائے درونِ شش جہات

دیکھ کر تیرے غلاموں کے غلاموں کا جلال
قیصر و کسریٰ کے رعب و تمکنت نے کھائی مات

علم و حکمت کا خزینہ ہے ترا اک ایک قول
عقل و دانش کا مرقع ہے تری اک ایک بات

سوچتا ہوں کچھ کہوں پھر سوچتا ہوں کیا کہوں
تیری مدحت میرا منھ میری زباں اور تیری بات

اپنی رحمت کے تصدق رحمت للعالمین
جانب برقؔ حزیں بھی ایک چشم التفات

○ |

جو پہنچا درِ احمد مجتبیٰ تک
تو مشکل نہیں پھر رسائی خدا تک
ہے دل جس کا عشق محمدؐ سے خالی
لگے گی نہ جنت کی اس کو ہوا تک
شہنشاہ دنیا و دیں تیرے صدقے
نہ تھا گھر میں اکثر ترے بوریا تک
ہوئے جان لینے پہ آمادہ دشمن
مگر پھر بھی تو نے نہ کی بد دعا تک
صحابہ نے محفوظ رکھی ہے تیری
حدیثوں کا کیا ذکر اک اک ادا تک
گئے پا برہنہ سرِ طور موسیٰ
سرِ عرش پہنچا ترا کفشِ پا تک

کروں برقؔ پلکوں سے میں خاکروبی
رسائی اگر نہ ہو درِ مصطفاؐ تک

یاد احمد مرسلؐ کی اس شان سے آئی ہے
دنیا میں تو ہوں لیکن دنیا سے جدائی ہے
سرکار کے آنے کی سُن گُن سی جو پائی ہے
تعظیم کو تربت کی مٹی ابھر آئی ہے
بیکار فرشتوں تم کہتے ہو ومن ھذا
شکل شہ والا تو آنکھوں میں سمائی ہے
اے نور نبیؐ تیری تنویر کا کیا کہنا
سمٹے تو محمدؐ ہے پھیلے تو خدائی ہے
جی چاہے جہاں جائیں جی چاہے جہاں گھومیں
شیران ِمعارف کو کونین ترائی ہے
عشاق نبیؐ کو ہے کس چیز کی محتاجی
ٹھوکر میں زمانہ ہے مٹھی میں خدائی ہے

ہیں ہیچ مہ وانجم برقؔ اس کی نگاہوں میں
شمع رخ احمدؐ سے لو جس نے لگائی ہے

دیر تک کوئی گیا کوئی حرم تک پہنچا — تیرا دیوانہ ترے نقش قدم تک پہنچا
اللہ اللہ مرے سرکار کی نورانیت — سایہ بے نام و نشاں ہو کے عدم تک پہنچا
فکر یوں معنیٔ واللیل میں کی شب میں نے — سلسلہ یہ تری زلفوں کی قسم تک پہنچا
شانہ صد چاک ہوا تیغ ادا سے پہلے — تب کہیں جا کے تری زلف کے خم تک پہنچا
دو قدم میں جو محبت سے تری سمت بڑھا — بڑھ کے تو میری طرف چار قدم تک پہنچا
ہاتھ میں اب تو ہے دامانِ شفیعِ محشر — سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا
برقؔ وہ رند خرابات نشیں ہے جس نے
پی کے جو پھینک دیا جام وہ جم تک پہنچا

کیا جس نے قبلہ درِ مصطفیٰؐ کو — خدا کی قسم پا گیا وہ خدا کو
شہہ دیں ترے عشق میں مرنے والے — سمجھتے ہیں راز فنا و بقا کو
شرف میں ہوا طور سینا کا ہمسر — شرف تو نے بخشا جو غارِ حرا کو
جو پائیں تو آنکھوں سے اپنی لگائیں — سب اہلِ بصیرت ترے نقشِ پا کو
ترا ذکر ہے موجبِ خیر و برکت — تری یاد کافی ہے ردِّ بلا کو
یقیں ہے تجھے حق جو پیدا نہ کرتا — تو پیدا ہی کرتا نہ ارض و سما کو
ہماری تمھاری حقیقت ہی کیا ہے — خدا چاہتا ہے شہہِ انبیاءؑ کو
خدا تک اگر چاہتے ہو رسائی — وسیلہ بناؤ رسولِ خدا کو
ادب سے کرو پیش اے برقؔ ہر دم
درود و سلام احمد مجتبیٰؐ کو

اللہ رے عشق شیفتۂ روئے مصطفےٰ
قبلہ کی سمت رخ ہے تو دل سوئے مصطفےٰ

جب طاعت خدا ہے اطاعت رسول کی
مقبولِ حق نہ کیوں ہو رضا جوئے مصطفےٰ

ان کے ہی دم سے باغِ جہاں کا وجود ہے
ہر گل میں ہے بسی ہوئی خوشبوئے مصطفےٰ

قد قامت الصلوٰۃ کی آواز جب سنی
یاد آگیا مجھے قدِ دلجوئے مصطفےٰ

صورت بھی بے مثال ہے سیرت بھی بے مثال
خُلقِ عظیم سے ہے ملی خوئے مصطفےٰ

محوِ خیالِ منزلِ حق سوچتا ہے کیا
وہ دیکھ سامنے ہے ترے کوئے مصطفےٰ

پل بھر میں کیا ہوا شب اسریٰ نہ پوچھئے
حدِ نظر کے پار تھا یا بوئے مصطفےٰ

ہم عاشقوں کی آنکھ کا واللہ نور ہے
رنگِ جمیلِ گنبد مینوئے مصطفےٰ

واللیل پڑھ کے لطف نہ زاہد نے کچھ لیا
سمجھا نہ استعارۂ گیسوئے مصطفےٰ

دوزخ کی آنچ اس پہ یقیناً حرام ہے
دیکھا ہے جس نے خواب میں بھی روئے مصطفےٰ

دوری نصیب میں ہوں حضوری نصیب وہ
بہتر ہے برقؔ مجھ سے سگِ کوئے مصطفےٰ

سرِ سدرہ پہنچ کر حضرت روح الامیں ٹھہرے
مگر عرش بریں تک جا کے ختم المرسلیں پہنچے

جب ان کی شان میں لولاک آیا ہے تو پھر کیا شک
محمدؐ وجہ تکوین دو عالم بالیقیں ٹھہرے

مقدم سب سے نور ان کا موخر سب سے ہے بعثت
بایں معنی امام الاولین و آخریں ٹھہرے

بری ہو حشر میں امت نہ کیونکر نارِ دوزخ سے
نگاہ حق میں جب سرور شفیع المذنبیں ٹھہرے

احد کے دل میں ہے یوں میم احمدؐ جلوہ گر جیسے
خدائی مہر کے اندر نبوت کا نگیں ٹھہرے

جھکا ہے از پئے تعظیم احمدؐ جوش الفت میں
زمیں پر کیوں نہ آکر پیر گردوں کی جبیں ٹھہرے

خدا جب لامکاں ہے تو نگاہِ اہل معنی میں
مکیں دونوں حرم کے یا رسول اللہ تمھیں ٹھہرے

ہے رب العالمین کی کل خدائی ان کے حلقے میں
محمد مصطفیٰؐ جب رحمت للعالمیں ٹھہرے

اسے للکار کر اے برقؔ کہہ دو دیکھ لے قرآں
نہ بھاگے منہ چھپا کر ہو جو ہمت نکتہ چیں ٹھہرے

نعت سرور کائناتؐ

یا رسول اللہ

رسولوں میں مشہور نام آپ کا ہے — پیام الٰہی پیام آپ کا ہے
یتیموں پہ شفقت غلاموں سے الفت — غریبوں کی امداد کام آپؐ کا ہے
نہیں کوئی تخصیص نسل و وطن کی — کرم شاہ دیں سب پہ عام آپ کا ہے
درود آپؐ پر بھیجتا ہے جو مومن — پہنچتا اسے بھی سلام آپؐ کا ہے
تمام انبیاء ہیں بلا شبہ برحق — مگر سب سے اونچا مقام آپؐ کا ہے
زہے اوجِ رفعت کہ معراج کی شب — رہا عرش پر بھی قیام آپؐ کا ہے
کہے قولِ حق کیوں نہ اس کو زمانہ — حقیقت پہ مبنی کلام آپ کا ہے
گہے یاد رخ ہے گہے یاد گیسو — تصور مجھے صبح و شام آپؐ کا ہے
بہر سو ہے توحید کا بول بالا — یہ فیض اے رسول انام آپؐ کا ہے

نہ ہوں کوثر آشام کیوں مستِ الفت پُر از بادۂ عشق جام آپؐ کا ہے
حضور اس پہ بھی ایک نگاہِ ترحم
کہ برقؔ حزیں بھی غلام آپؐ کا ہے

عیسیٰ ابن مریم پہ لاکھوں سلام داعیٔ امن عالم پہ لاکھوں سلام
داروئے درد عصیاں پہ لاکھوں درود دافع کلفت و غم پہ لاکھوں سلام
خاتم الانبیاء نے سراہا جسے ایسے ممدوحِ اعظم پہ لاکھوں سلام
جس کی تعریف آئی ہے قرآن میں اس نبی مکرم پہ لاکھوں سلام
جس سے لاکھوں مریضوں نے پائی شفا اس کے معجز نما دم پہ لاکھوں سلام
جس نے قم کہہ کہ مُردوں کو زندہ کیا اس مسیح معظم پہ لاکھوں سلام
ظلم سہہ کر دعا جس نے ظالم کو دی اس کے الطاف پیہم پہ لاکھوں سلام
جس نے اندھوں کی آنکھوں کو روشن کیا ایسے نورِ مجسم پہ لاکھوں سلام
جس کا احسان سارے زمانے پہ ہے
برقؔ اس فخر عالم پہ لاکھوں سلام

منقبت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین

چاند نبیؐ خلفا ہیں انجم رضی اللہ تعالیٰ عنہم
علم کے دریا حلم کے قلزم رضی اللہ تعالیٰ عنہم
بعد نبیؐ ہر ایک سے اکمل چاروں علی الترتیب ہیں افضل
اس میں نہیں کچھ جائے تو ہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

نیک نہاد و غیور ہیں چاروں چار طرف مشہور ہیں چاروں
اتر دکھن پورب پچھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

پیکر خلق و خصال محمد مظہر فضل و کمال محمدؐ
ماحی بغض و عناد و تظلم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

شمع نبوت کے پروانے لیلیٰ فطرت کے دیوانے
جلوہ حسن حقیقت میں گم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حوصلہ افزا شانِ کریمی تحفۂ خیر الطاف عمیمی
زلزلہ افگن زورِ تحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

تخت خلاف کے متمکن خاک نشیں بندوں کے معاون
اللہ اللہ شان ترحم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

تاج حکومت ہوتے ہوئے بھی نان جویں پر عمر بسر کی
فقر پسند بحال تنعم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

کتنے ہی دن کے کیوں نہ گزرے ہوں قبروں سے مُردے اٹھ کے کھڑے ہوں
مثل مسیحا کہہ دیں اگر قم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

حکم نبیؐ سے کبھی نہ چوکے سن کے کلام سخت عدو کے
دل میں دعا ہونٹوں پہ تبسم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

قاصد روم و شام آ آ کر پوچھتے تھے مسجد کے اندر
کون ہے صاحب امر و تحکم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

ڈھونڈھتے تھے وہ ٹھاٹ شہانا رتبہ کمل پوش نہ جانا
شکل جو دیکھی ہوش ہوئے گم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

تھے یہ دلاور دین کے غازی رن میں لگادی جان کی بازی
دشمن حق سے ہوا جو تصادم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

شاخ و شجر ہوں برگ و ثمر ہوں حور و ملک یا جن و بشر ہوں
مدح میں ہیں سب محو ترنم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

میکدۂ توحید میں قائم فیض سے ان کے رہیں گے دائم
شیشہ و ساغر و جام و مے و خم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

آیۂ وعد اللہ کو پڑھ کر کیوں نہ عدو اے برقؔ ہو ششدر
دال ہے ان پہ ضمیر منکم رضی اللہ تعالیٰ عنہم

منقبت خلیفہ اول

حضرت ابوبکر صدیقؓ

ہجرت کی رات ہی نہ فقط ہمسفر رہے
صدیقؓ ہمرکاب نبیؐ عمر بھر رہے

ایسا نہیں کہ صرف رہے زندگی میں ساتھ
اب بھی ہیں ساتھ ساتھ یہ مدِ نظر رہے

قرآن میں لکھا ہے انھیں جب رفیق غار
کیونکر نہ یہ وفا کی سند معتبر رہے

کہتے ہیں یار غار رفیقوں کو آج بھی
سن لے کہ تجھ کو یاد یہ اے بے خبر رہے

منزل سے ہو چکے تھے وہ الفت کی ہمکنار
اس وقت جب کہ لوگ سرِ رہگزر رہے

فتنوں کو بیخ و بُن سے مٹا ہی کے دم لیا
باطن میں ایک جان ہمیشہ مگر رہے

دونوں چراغ ایک تھے از روئے روشنی
اس روشنی میں جو بھی رہے حق نگر رہے

رکھتے انھیں عزیز نہ کیوں سید البشرؐ
حاضر وہ جان و مال سے جب سر بسر رہے

جب حق نے برقؔ ان کو رفیق نبیؐ کہا
کیوں دل فدا نہ حضرت صدیقؓ پر رہے

قصیدہ در منقبت امیرالمومنین

عمر ابن الخطابؓ

اے نبیؐ کے نائب عالی نشاں والا گہر
اے کہ تو فاروقِ اعظم نام نامیت عمرؓ

لرزہ براندام ہے باطل ترے اجلال سے
اے کہ تجھ سے کفر کی دنیا ہوئی زیر و زبر

تیرے اوجِ مرتبت پر عرش کو بھی ناز ہے
سونے والے گنبد خضرا میں فرشِ خاک پر

دشمنانِ دین حق بھی کر رہے ہیں اعتراف
یاد ہے اب تک ترا جاہ وجلال و کروفر

وعدہ تمکین دیں پورا کیا اللہ نے
تیرے ہاتھ اے جاں نثار صاحب شق القمر

تمکنت میں افتخار شوکت اسکندری
عدل میں غیرت دہ نوشیروانِ داد گر

حاصل مفہوم وحی آسمانی رائے نیک
کاشفِ اسرار پنہاں گفتگوئے پر اثر

دین کا سرتاج پیدل ہو سواری پر غلام
وجد میں ناموس اکبر ہے یہ عالم دیکھ کر

کھینچ کر نکلے ترے غازی جو تیغ بے نیام
لشکر کفار بولا الامان و الحذر

سیکھ کر تجھ سے مساوات و اخوت کا سبق
ذمی و مسلم ہوئے شیر و شکر باہم دگر

تیرے زریں کارنامے زیب تاریخِ جہاں
تیری دینی خدمتیں معجز نما عبرت اثر

لا کے تحفے پیش کرنا خدمت ایتام میں
بے تکلف پانی بھر آنا وہ بیواؤں کے گھر

حق پسندی یہ بھری محفل میں بڑھیا ٹوک دے
رعب و ادب ایسا لرز اٹھے زمین کفر و شر

خاکساری یہ کہ فرش خاک پر ہیں محوِ خواب
سربلندی یہ کہ عرش پاک ہے پیش نظر

سادگی ایسی کہ پہچانے نہ قاصد روم کا
طمطراق ایسا کہ کانپے ڈر سے قیصر کا جگر

بُعد منزل اور یہ اعجاز کرامت دیکھئے
مسجدِ جامع سے بولیں ساریہ ہوں باخبر

صدقے اس آواز پر دنیا کے لاکھوں ریڈیو
بھر دیا خالق نے جس میں تارِ برقی کا اثر

سن کے جس کا نام کانپ اٹھے زمین روم وشام
حیف ہوں کمل کے ٹکڑے اس کے جسم پاک پر

درج انجیل مقدس تھا جو حلیہ آپ کا
جھک گیا پاپائے اعظم روئے انور دیکھ کر

فیض اس بحر کرم کا نیل کی موجوں سے پوچھ
خشک ہوتا ہی نہیں تر ہوگیا کچھ اس قدر

نورِ ذات کبریائی ہو رہا ہے جلوہ گر
بوسہ گاہِ عاشقاں ہو کیوں نہ تیرا سنگ در

اللہ اللہ اس قدر ذوقِ رعایا پروری — گشت راتوں کو کیا کرتے تھے اٹھ کر در بدر
ناگہاں اک گھر سے کچھ بچوں کے رونے کی صدا — کان میں آئی تو ماں سے حال پوچھا سر بسر
بولی بھوکے ہیں یہ بچے رو رہے ہیں بھوک سے — ان کو بہلاتی ہوں رکھ کر خالی ہانڈی آگ پر
اتنا سننا تھا کہ دوڑے سوئے بیت المال آپ — لائے غلہ اور لکڑی اپنے فرق پاک پر
کھانا پکوایا کھلا کر سامنے اپنے ہٹے — اللہ اللہ یہ ترحم یہ عنایت کی نظر
مل کہاں سکتی ہے اس ایثار نفسی کی مثال — لاکھ ڈھونڈے لے کے گردوں مشعل شمس و قمر
السلام اے پیکر اخلاق و ایثار و وفا — السلام اے مضطر و غمگیں دلوں کے چارہ گر
حاجتیں لاکھوں کی بر آئیں توجہ سے تری — اپنی خوش خلقی کا صدقہ اس طرف بھی اک نظر

برقؔ یہ سمجھے کہ حاصل ہوگئی سیر بہشت
خوبیٔ قسمت سے ہو گر تیرے کوچہ میں گذر

منقبت خلیفہ دوم امیر المومنین

حضرت عمر فاروقؓ

صبا سے کہہ دو یہ اقصائے عالم میں پکار آئے — امیر المومنین فاروق اعظم نامدار آئے
خزاں چھائی ہوئی تھی اس سے پہلے گلشن دیں پر — عمرؓ آئے تو اپنے ساتھ میں لے کر بہار آئے
رسول پاکؐ نے جن کو خدا سے مانگ کر پایا — وہ عادل، وہ جری، وہ منتظم وہ پختہ کار آئے
وہ جس کی تمکنت سے لرزہ براندام ہو کسریٰ — وہ جس کے نام کی ہیبت سے قیصر کو بخار آئے
وہ جس کا قول حق تھا ہر اسیر بدر کے حق میں — وہ جس کی رائے کے بالمثل وحی کردگار آئے
وہ جس کی دھاک بیٹھی ہے دل اہل سیاست پر — وہ جس سے دین کی عظمت ہے اب تک برقرار آئے
وہ مومن جس کی ذات پاکؐ پر ایماں ہو خود نازاں — وہ محسن جس کے دم سے بیقراروں کو قرار آئے

وہ جس کو دیکھ کر پاپائے اعظم نے شہادت دی
صحیفوں میں بیاں جن کا ہے وہ عالی تبار آئے
مساوات و اخوت کا دیا عملی ثبوت ایسا
کبھی خادم کبھی آقا صفت ناقہ سوار آئے
پھٹے کمبل میں پہچانے نہ جس کو روم کا قاصد
بتانے پر بڑی مشکل سے اس کو اعتبار آئے
بھری تاریخ اسلامی ہے جس کے کارناموں سے
وہ جس کی خدمت دینی ہے عالم آشکار آئے
رسول پاک کے قدموں سے وابستہ ہیں جواب بھی
وہ عاشق وہ فدائی وہ نبیؐ کے جاں نثار آئے
وہ مستحکم حکومت بخش دی آئندہ نسلوں کو
کہ جس پر جب سے اب تک جانے کتنے تاجدار آئے
توجہ دین و دنیا کے ہر اک گوشہ پہ تھی جن کی
وہ عارف، وہ مفکر، وہ ولیؑ ذی وقار آئے

رہی باقی نہ پھر وہ شان اسلامی حکومت کی
عمرؓ جیسا نہ برقؔ آیا کوئی یوں تو ہزار آئے

منقبت امیر المومنین حضرت

عثمان بن عفانؓ

بدن سے جس طرح افضل ہے تیری جان کا رتبہ
یوں ہی افضل ہے تجھ سے حضرت عثمانؓ کا رتبہ

خدا نے اس لیے لی ان سے خدمت جمع قرآں کی
سمجھتے تھے وہ خوب اچھی طرح قرآن کا رتبہ

لقب ان کے سوا حاصل ہے ذوالنورین کا کسکو
ملا ہے کس کو اب تک دہر میں اس شان کا رتبہ

ملا ہو جس کو دنیا ہی میں مژدہ باغ جنت کا
فرشتوں سے نہ کیوں افضل ہوں اس انسان کا رتبہ

کیا راہ خدا میں یوں نچھاور اپنی دولت کو
دوبالا ہوگیا دین نبیؐ کی شان کا رتبہ

یقین کو جس کے ہو عین الیقیں کا مرتبہ حاصل
کوئی کیا جانے ایسے شخص کے ایمان کا رتبہ

نبیؐ کی جانشینی کا شرف پانے سے رکھتا ہے
نبیؐ کے حکم کا پایہ ترے فرمان کا رتبہ

سبب ہو بیعت رضواں کا جس کے قتل کی شہرت
کوئی کیا جانے اس کی بیش قیمت جان کا رتبہ

خدائی بھر میں ہے اظہر من الشمس آپ کی خدمت
زمانہ جانتا ہے ہے حضرت عثمان کا رتبہ

علی مرتضیٰ نے کی ہے جن کے ہاتھ پر بیعت
سمجھ لے اے مسلماں اس جلیل الشان کا رتبہ

نگاہ برقؔ میں عثمانؓ وہ مقبول بندہ ہے
سراسر جس سے ظاہر ہے خدا کی شان کا رتبہ

رباعیات در منقبت اسد اللہ الغالب سیدنا

علیؓ ابن ابی طالب

چیر دے کفر کے سینے کو وہ حیدر تو ہے
ناز ہے جس پہ شجاعت کو وہ صفدر تو ہے
جس کی جرأت کا ہے ممنون فروغ اسلام
لشکر دیں کا وہ بے مثل دلاور تو ہے

شیر حق لشکر اسلام کا افسر تو ہے
بخدا قوتِ بازوئے پیمبر تو ہے
غرقِ طوفانِ حوادث ہوں مسلماں کیونکر
یا علیؓ کشتی اسلام کا لنگر تو ہے

☆☆☆

دن بھر تو ترے ہاتھ میں خنجر پایا
مشغول عبادت تجھے شب بھر پایا
میداں میں تجھے مردِ دلاور پایا
مسجد میں تجھے زینتِ منبر پایا

قطعات

بتقریب جشن ولادتِ شیر بیشۂ شجاعت اسد اللہ الغالب سیدنا

علی ابن ابی طالبؓ

یا علیؑ تجھ پہ بار بار درود
یا علیؑ تجھ پہ بار بار سلام
یا علیؑ تجھ پہ بے شمار درود
یا علیؑ تجھ پہ بے شمار سلام

اس وفاداری کی ہے کوئی مثال
بے جھجک سرور کا کہنا مان کر
جانتے تھے جاں کا خطرہ ہے مگر
سوگئے بستر پہ چادر تان کر

چاند جس نے کیا ہے دو ٹکڑے
اس کی آغوش میں پلا تو ہے
بابِ خیبر نہ کیوں اکھڑ جاتا
زور بازوئے مصطفیٰ تو ہے

تو نے شربت دیا ہے قاتل کو
کیوں سخاوت نہ تجھ پہ ہو واری
دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ با دشمناں نظر داری

منقبت

حضرت امام حسین علیہ السلام

کہہ رہا ہے کربلا کا ذرہ ذرہ آج تک
ابن حیدر سورما تجھ سا نہ دیکھا آج تک
مٹ گئی حرف غلط کی طرح نسل اشقیا
مانتے ہیں سب تری جرأت کا لوہا آج تک

باغ عالم میں کوئی گُل سرخ رو تجھ سا نہیں
کہہ رہا ہے غنچہ غنچہ بوٹا بوٹا آج تک

گرد کو پہنچا نہ تیرے شہسواروں کی کبھی
خاک اڑاتا ہے بیاباں میں بگولا آج تک

سبطِ احمدؐ سچ تو ہے تیری شجاعت کے طفیل
سرخ رو تاریخ کا ہے صفحا صفحا آج تک

نخل بندِ گلشن اسلام تیری طرح سے
باغِ دین مصطفےٰؐ کو کس نے سینچا آج تک

برچھیوں کی زد پہ تلواروں کے سایے کے تلے
کوئی ساجد کر سکا تجھ سا نہ سجدہ آج تک

تیری شان بندگی پر خود خدا کو ناز ہے
چشم عالم نے نہ دیکھا ایسا بندہ آج تک

جس کو تیری ناخدائی پر ذرا بھی شک ہوا
اس طرح ڈوبا کہ پھر ہرگز نہ ابھرا آج تک

کہہ رہی یہ زبان حال سے چشم حباب
پھوٹ کر روتا ہے تیرے غم میں دریا آج تک

غالباً اے دوست ہجر حضرت شبیر میں
پی کہاں کی رٹ لگائے ہے پپیہا آج تک

مدحت سبط نبیؐ کا برقؔ جب موقع ملا
ملتے آئے ہیں گلے سنّی و شیعا آج تک

قطعہ در منقبت حضرت

امام حسین علیہ السلام

وہ کیا گھڑی تھی وہ کیسا سماں تھا عبرت خیز
رہِ رضا میں قدم جب جمادیئے تو نے

ترے پدر نے اکھاڑا تھا باب خیبر کو
ستونِ عرش معلیٰ ہلا دیئے تو نے

مقام تھا وہ بڑی سخت آزمائش کا
چراغ خیموں کے جس دم بجھا دیئے تو نے

نبی کے دیں کی حفاظت جو تھی تجھے منظور
علیؑ کی تیغ کے جوہر دکھا دیئے تو نے

وغا میں صرف بہتر نفوس کو لے کر
عظیم فوج کے چھکے چھڑا دیئے تو نے

مثال حرف غلط صفحہ زمانہ سے
نقوش ہستی اعدا مٹا دیئے تو نے

زمانہ بیچ کے دل جن کو جمع کرتا ہے
مرے سخی وہ خزانے لٹا دیئے تو نے

چنے تھے جتنے عقیدت کے پھول دامن میں
مزار مرسل حق پر چڑھا دیئے تو نے
ہے سچ تو یہ کہ ہدایت کے نور سے مولا
قلوب اہل ولا جگمگا دیئے تو نے
مہک رہا ہے ابھی تک ریاض دین نبیؐ
شمیم عزم کے وہ گل کھلا دیئے تو نے
فزوں فرات کے پانی سے ہوگئے ہوں گے
جو اشک چشم جہاں سے بہا دیئے تو نے
یہ تیری شان کریمی پہ کیوں نہ ہو قرباں
گناہ برقؔ کے سب بخشوا دیئے تو نے

منقبت حضرت خواجہ غریب نواز

معین الدین چشتی اجمیریؒ

فخر کون و مکاں خواجہ خواجگاں، تیرے نورانی روضہ کی کیا بات ہے
جگمگاتے ہوئے بام و در دیکھ کر نور افشانی کہکشاں مات ہے
مسجد شہجہانی کی رعنائیاں دیکھ کر دنگ ہے مجمع عارفاں
حوض کے گرد لوگوں کا جمگھٹ ہے یا حوض کوثر پہ رندوں کی بارات ہے
لیکے پھولوں کی چادر ہے آیا کوئی بھیجتا ہے درودوں کا تحفہ کوئی
کوئی فرط ادب سے مودب کھڑا پیش کرتا ہے سلاموں کی سوغات ہے
جورِ گردونِ دون کے ستائے ہوئے کھنچکے سارے جہاں سے ہیں آئے ہوئے
ہاتھ اٹھائے ہوئے سر جھکائے ہوئے دیکھئے جس کو محو مناجات ہے
پڑگئی جس پہ تیری نگاہ کرم ہوگیا دور اس کا ہر اک رنج و غم
اے میں قرباں تری ذات عالی ہمم نیر آسمان کمالات ہے
بوئے الفت ہے تیری چمن در چمن خاک در ہے تری رشک مشک ختن
تو ہے مہر رسالت کی نوری کرن، تجھ سے روشن جہان کرامات ہے

جنتی خلقت سمٹ کر ہے آئی ہوئی خلد تک گویا سب کی رسائی ہوئی
رحمتوں کی گھٹائیں ہیں چھائی ہوئی جوش پر نور یزداں کی برسات ہے

قید ملت بھی حائل نہیں درمیاں، متفق ہے ولایت پہ تیری جہاں
کوئی ہندو ہو مسلم ہو یا پارسی سب کی اس ضمن میں ایک ہی بات ہے

دیکھ کر تیری چوکھٹ کا جاہ و حشم گردن صدر ہندوستان بھی ہے خم
کیوں نہ ہو ہند کی کل ولایت ترے تابع حلقہ اختیارات ہے

دور تیری سخاوت کا چلتا رہا لاکھ کروٹ زمانہ بدلتا رہا
جانے کتنوں کا پیٹ اس سے پلتا رہا تیرے لنگر سے بٹتی جو خیرات ہے

السلام اے شہ ملک ہندوستاں، نازش اولیا و مسیح زماں
اک نگاہ کرم برق پر بھی کہ اب اس کی آنکھوں میں تکلیف دن رات ہے

نذرانہ عقیدت در بارگاہ سلطان الاولیا حضرت امیر کبیر سلطان مخدوم

سید اشرف جہانگیر سمنانی السامانیؒ

سلام شوق میرا تجھ کو اے مخدوم سمنانی
فقیری پر کیا تو نے تصدق تاج سلطانی

کہے دیتی ہے یہ روضہ کی تیرے نور افشانی
کہ ہے ہندوستاں میں مصر کا اک یوسف ثانی

جہانگیر اس لئے کہتے ہیں سب تجھ کو عقیدت سے
کہ عالمگیر ہے اے شاہ تیرا فض روحانی

ترے کوچے میں آ کر مشکلیں آسان ہوتی ہیں
تری چوکھٹ سے ملتی ہیں مرادیں سب کی من مانی

جو تیری خاک در ہے غیرت خاک شفا مولا
تو ہے آب بقا سے بڑھ کے تیرے نیر کا پانی

ہوئے پنڈت کمال آ کر تری آغوش میں کامل
تصوف کے قدم پر جوگ نے رکھ دی جو پیشانی

یہ اک ادنیٰ کرشمہ تھا تری چشم تصرف کا
کہ بلی تک میں پیدا ہو گیا ایثار انسانی

تھے جتنے لوگ آتے اتنی ہی آواز دیتی تھی
کیا کرتی تھی مہمانوں کی دلجوئی و نگرانی

ابلتی کھیر میں جب سانپ گر کر مرگیا اس نے
بچالی جان مہمانوں کی دے کر اپنی قربانی

ترے مرقد کی صورت تیری بلّی کی بھی تربت پر
قیامت تک کریں گے لوگ آکر فاتحہ خوانی

اسے کہتے ہیں اے اہل ولا انعام قدرت کا
اشارہ جس کی جانب کرتی ہیں آیات قرآنی

چلے آتے ہیں کھنچ کھنچ کر جہاں کے گوشہ گوشہ سے
قوافل جوق در جوق از برائے فاتحہ خوانی

یہ ہے تفسیر انعمت علیہم کھول کر آنکھیں
ادھر آ دیکھ لے اے مبتلائے وہم و نادانی

تعجب ہے اگر یہ راز اب تک تو نہیں سمجھا
قبور اولیا میں مطلع انوار یزدانی

یہاں پر ہوتی رہتی ہے تجلی نور یزداں کی
ہوا کرتے ہیں نشر اس جا سے پیغامات روحانی

یہ وہ محسن ہیں جن پر عصمت اسلام نازاں ہے
یہ وہ مومن ہیں جن سے ضوفگن ہے نور ایمانی

ملا ہے اولیا کا سلسلہ بزم رسالت سے
یہاں سے جو صدا اٹھی وہاں پہنچی بہ آسانی

یہاں زنجیر در کھڑکی وہاں تک ہل گئیں کڑیاں
یہاں روئے وہاں بحر کرم میں آئی طغیانی

یہاں لب سے دعا نکلی وہاں آمین فرمایا
قبولیت کا دروازہ کھلا از فضلِ ربانی

خدا نے برقؔ ان کو فضل سے اپنے نوازا ہے
دعاؤں سے نہ ہو کیوں ان کی ہر مشکل میں آسانی

منقبت عارف باللہ حضرت شاہ

فتح قلندر رحمتہ اللہ علیہ

ترا زہد زہدِ ابوذری ترا فقر فقرِ پیمبری
تو شمیم گلشن حیدری تو بہار باغِ قلندری

تری فاقہ مستی پہ ہے فدا ہمہ شان و شوکتِ اغن
ترے پائے فقر پہ جبہہ سا ہے شکوہ سطوتِ قیصر

وہ حریص مملکت جہاں تو دلوں پہ خلق کے حکمراں
تری ٹھوکروں پہ نثار کیوں نہ ہو تخت و تاج سکندری

تو نسیم رحمتِ ایزدی تو قسیم دولت سرمدی
تو نقیب شرع محمدیؐ تو امین اسوۂ حیدری

ترے دم سے دیں کا وقار ہے ترا فیض ابر بہار ہے
جو چمن چمن پہ نکھار ہے تو کلی کلی ہے ہری بھری

تری چشم لطف کے فیض سے کوئی غوث ہے تو کوئی ولی
کوئی بدر چرخِ قلندری کوئی صدر محفل سروری

تری بزم بزم سرور ہے تری قبر مطلع نور ہے
ترے آستاں پہ برس رہی ہے فلک سے رحمتِ داوری

تو کلیم طور فلک نشاں تو حریم راز کا رازداں
تو نبیؐ کے دین کا پاسبان تو علیؓ کی فوج کا لشکری

تو چراغ جادۂ معرفت تو نشانِ منزل منزلت
تجھے شیر حق سے مناسبت تری ذات مظہر حیدری

جو مچائیں اس نے تباہیاں تو دلوں کو اس سے ملی اماں
تھی وہ شان فتح سکندری یہ ہے شان فتح قلندری

ہے اسیر گردشِ آسماں دل برقؔ مضطر و ناتواں
نذرے کن اے شہہ مہرباں کہ شود زرنج و الم بری

فلسفہ سلام و قیام

فضول تجھ کو اپنے زہد ظاہری پہ ناز ہے
جو عشق مصطفیٰؐ نہیں تو بے اثر نماز ہے

جسے نہ تو سمجھ سکا یہی تو ایک راز ہے
تجھے خدا پہ اور خدا کو مصطفیٰؐ پہ ناز ہے

خدا درود بھیجتا ہے مصطفیٰؐ پہ خود مگر
تجھے سلام باقیام سے بھی احتراز ہے

محبت نبیؐ ہے اولیں اساس دین کی
جو یہ نہیں تو دین ہی کب اے زمانہ ساز ہے

جو دین ہی نہیں تو فیض روزہ و نماز کیا
حقیقت اصل شے ہے فرع پردہ مجاز ہے

قیام سے نفور تو سلام سے نفور تو
پھر اس پہ ناز یہ کہ نیک نفس و پاکباز ہے

جو تیرے دل میں کھوٹ کچھ نہیں تو یہ بتا مجھے
کہ آخر اس سے کس لئے تجھے پھر احتراز ہے

بضد ہے تو قعود پر مصر ہوں میں قیام پر
وہ اک ادائے ناز ہے یہ صورتِ نیاز ہے

مقام عاشقی میں بوالہوس خبر بھی ہے تجھے
نیاز لاکھ درجہ بہتر از غرورِ ناز ہے

بڑا ہی فرق ہے تصورِ نیاز و ناز میں
تمیز کر اگر تجھے شعور امتیاز ہے

اسی لئے سلام ِ باقیام بر شہِ رسلؐ
طریقِ جملہ اولیائے محرمانِ راز ہے

قبول ہو اگر تجھے تو برقؔ کا ہے مشورہ
کہ اب بھی ضد سے باز آ درِ قبول باز ہے

غزلیات

رباعیات

قطعات

مکالمات

سرِ آغاز

لکھنے کا شوق جبکہ مجھے حمد حق ہوا
سینہ قلم کا رعب جلالت سے شق ہوا

نعت رسول پاکؐ کا جس دم ہوا خیال
رنگ عروس فکر خجالت سے فق ہوا

سوءِ ادب کے خوف سے لرزہ تھا جسم میں
چہرہ وفور عجز سے غرقِ عرق ہوا

عہدہ برآ ہوا نہ کسی ایک سے بھی جب
میں کیا بتاؤں دل کو جو میرے قلق ہوا

ناگاہ برقِ ہاتفِ غیبی نے دی ندا
اظہار عاجزی ترا مقبولِ حق ہوا

○

عہد رواں میں خیر کو شر کہہ دیا گیا عیبوں کو رنگ دے کے ہنر کہہ دیا گیا
شیرانِ پُر جلال کو خر کہہ دیا گیا اور گیدڑوں کو شیر ببر کہہ دیا گیا
چھوٹوں کا کچھ لحاظ بڑوں کا نہ کچھ ادب آیا جو منھ میں ہو کے نڈر کہہ دیا گیا
بینا دلوں کو ہیچ سمجھتے ہیں اب مگر تیرہ دلوں کو اہل نظر کہہ دیا گیا
جھگڑے میں ملک و مال کے جو پھنس کے مر گیا اُس بدنصیب کو بھی اَمر کہہ دیا گیا
منھ جیسا ان کا ہے انھیں معلوم ہے مگر خوش ہو گئے جو رشکِ قمر کہہ دیا گیا
خونِ جگر کلیجے سے جب آ کے آنکھ تک مثلِ گُہر ہوا تو صِفر کہہ دیا گیا
نارد مُنی کے مکر کی تعریف کی گئی گوتم کے مشوروں کو لچر کہہ دیا گیا
کیا اعتبار جان کا یہ جانتے ہوئے نازاں ہیں اُن کو جان اگر کہہ دیا گیا
بکتا رہا جو جھوٹ تو سمجھے فراخ دل سچ کہہ دیا تو تنگ نظر کہہ دیا گیا
کم ظرف آدمی کو حقیقت میں آدمی کہنا نہ چاہتے تھے مگر کہہ دیا گیا
سوجھا نہ کوئی فرق جنھیں نظم و نثر میں اُن شاعروں کو اہلِ ہنر کہہ دیا گیا
اپنی تمیز ہے نہ جسے غیر کی تمیز اس بے خبر کو اہل خبر کہہ دیا گیا
رہنا ہے جس میں حشر تک اس کو لحد کہا دو دن جہاں رہے اسے گھر کہہ دیا گیا
بھولا ہے برقؔ اپنی حقیقت کو آدمی
اس مُشت خاک کو جو بشر کہہ دیا گیا

○

رسائی غیر کی دشوار تھی کل شب جہاں میں تھا وہ محفل محفلِ اسرار تھی کل شب جہاں میں تھا
محبت ہی کا گلشن تھا محبت ہی کے گُل ہر سو محبت ہی گلے کا ہار تھی کل شب جہاں میں تھا
جہاں کے ذرے ذرے پر خمار خواب تھا طاری مری قسمت مگر بیدار تھی کل شب جہاں میں تھا
ہجوم حسرت و امید میں تارِ رگِ جاں پر نفس کی آمد و شد بار تھی کل شب جہاں میں تھا

مرا حال زبوں تھا بے کہے خود آئینہ اُن پر
خموشی حاصل گفتار تھی کل شب جہاں میں تھا
یہ عالم تھا کہ عالم سے نرالا تھا مرا عالم
مری دنیا بہشت آثار تھی کل شب جہاں میں تھا
جنونِ اِنتہائے شوق تھا خضرِ رہِ منزل
خرد گردِ پسِ رفتار تھی کل شب جہاں میں تھا
نگاہیں ہو رہی تھیں کثرت انوار سے خیرہ
تجلی مانع دیدار تھی کل شب جہاں میں تھا
حجاب اٹھنے کی نوبت آتے آتے برقؔ کیا کہیے
خود اپنی ہی نظر بیکار تھی کل شب جہاں میں تھا

○

پُختہ طبعوں کو حوادث کا الم کیا ہوتا
خُوگرِ غم ہوں مجھے صدمۂ غم کیا ہوتا
جزر و مدزیست کا ہے مایۂ صد لطف حیات
بڑھنے پاتا نہ اگر درد تو کم کیا ہوتا
کچھ نہ ہونا بھی تو موقوف ہے کچھ ہونے پر
کچھ جو موجود نہ ہوتا تو عدم کیا ہوتا
پائے جاناں سے اُٹھانے کی کسے تھی فرصت
سر ہمارا درِ اغیار پہ خم کیا ہوتا
پردۂ راز سے آ جاتے اگر وہ باہر
یہ زیارت کدۂ دیر و حرم کیا ہوتا
آج آئے ہو تم اے جان تسلی دینے
مر گئے ہوتے جو کل ہجر میں ہم کیا ہوتا
مر گیا لذت گفتار کی شیرینی پر
مجھ سے عاشق کے لئے شربت سم کیا ہوتا
جرم ہی پر تو ہے موقوف ظہورِ رحمت
ہم گنہ گار نہ ہوتے تو کرم کیا ہوتا
برقؔ ہر چیز کی پہچان ہے اس کی ضد سے
مہر ہوتی نہ تو احساس ستم کیا ہوتا

○

گجرا پہن کے میرے گریباں کے تار کا
دیوانے منہ چڑھاتے ہیں فصل بہار کا
پوچھا جو کس کا باغ میں روندا گیا ہے سر
سبزہ نے عاجزی سے کہا خاکسار کا
ہر گل کا ہر کلی کا ہے جامہ لہو لہان
گلچین یہ کس نے خون کیا ہے بہار کا

میرے ہر ایک شعر کا مضمون جانفزا — باغِ سخن کے حق میں ہے مژدہ بہار کا
ناآشنائے حال ہے بیچارہ کیا لکھے — ساکت قلم ہے میرے سوانح نگار کا
گلشن سے بوئے گُل جو گریزاں ہوئی تو پھر — دوشِ صبا پہ ہے وہ جنازہ بہار کا
سورج کا رعب اُڑ کے ملاتا ہے خاک میں — اللہ رے حوصلہ مرے مُشتِ غبار کا
شبنم سے پوچھ باد صبا جا کے یہ ذرا — کیوں رو رہی ہے باغ میں رونا بہار کا

اہلِ نظر کے واسطے یہ صفحۂ جہاں
دفتر ہے برقؔ معرفتِ کرد گار کا

اللہ رے جذب نقشِ کف پائے یار کا — پھر اُٹھ سکا نہ سر دلِ سجدہ گزار کا
دیکھیں نہ دیکھیں اگلے برس منھ بہار کا — کیا اعتبار ہستی ناپایدار کا
پوچھا کسی نے حال جو اس بیقرار کا — دل بول اُٹھا کہ شکر ہے پروردگار کا
رحمت نے اس کی مجھ کو گلے سے لگا لیا — دیکھا جو رُخ مری نگہہ شرمسار کا
مثلِ خلیل ہو جو خدا پر تجھے یقین — آتش دکھائے اب بھی تماشا بہار کا
صدیقؓ باصفا نے یہ قائم مثال کی — ضرب المثل ہے اب بھی لقب یارِ غار کا
فتویٰ کے بعد حضرت شبلیؒ یہ چیخ اُٹھے — منصور تیرا سر ہے ثمر نخلِ دار کا
سربارِ دوش رہ نہ سکا بزم ناز میں — منزل پہ لازمی تھا اُترنا سوار کا
کوئی نہیں ہے سیر گدا ہو کہ تاجور — بھوکا ہے یہ غذا کا تو وہ اقتدار کا

کہتے ہیں برقؔ موت جسے عرف عام میں
دراصل نام ہے وہ مکمل قرار کا

کوئی بڑھ کے جذب دامن نہ کرے اُسے خدارا — ہے سرِ مژہ جو آنسو مری آنکھ کا ہے تارا
جہاں عشق کے جنوں نے دیا عقل کو سہارا — وہیں چرخ منزلت کا ہوا آدمی ستارا

کبھی مُڑ کے بھی نہ دیکھا سوئے جام اس نے ساقی
تری چشم نازنیں کا جو سمجھ گیا اشارا
رہے تا بہ دورِ آخر یہ خدا کرے سلامت
ترا ذوق جستجو ہے مری زیست کا سہارا
غم عاشقی کا دریا تو وہ بحر بیکراں ہے
نہ کہیں پہ جس کی حد ہے نہ کہیں پہ ہے کنارا
نہ خفا ہو میرے پیارے نہ کروں گا میں شکایت
ہے اسی میں خوش اگر تو مجھے ہر الم گوارا
مریں فکرِ عیش میں وہ نہیں روشناس غم جو
انہیں خواہشِ خوشی کیا ترا غم ہے جن کو پیارا
کسی رنج و غم کا مطلق نہ رہا خیال باقی
دمِ بیکسی لیا جب تری یاد کا سہارا

ہے عجیب کشمکش میں مری جان برقؔ اب تو
نہ ہے طاقتِ جُدائی نہ ہے طاقتِ نظارا

تمہارے ذکر کا جس کو شرف حاصل نہیں ہوتا
کسی صورت سے ہرگز مطمئن وہ دل نہیں ہوتا
مرے ساقی کے میخانے میں جو داخل نہیں ہوتا
اسے جام شراب معرفت حاصل نہیں ہوتا
خرد راہ وفا میں دو قدم بھی چل نہیں سکتی
جنونِ عشق جب تک رہبرِ منزل نہیں ہوتا
گذر جائے نہ جب تک زندگی میں موت کی حد سے
حریم راز میں ہرگز کوئی داخل نہیں ہوتا
حجابات خودی جس وقت اٹھ جاتے ہیں انساں کے
کوئی پردہ پھر اسکی راہ میں حائل نہیں ہوتا
خدا شاہد ہے سرکار دو عالمؐ کے طریقوں پر
جو دل عامل نہیں ہوتا کبھی کامل نہیں ہوتا
ملا کرتا ہے یہ اعزاز سچے سرفروشوں کو
لگا کر خوں شہیدوں میں کوئی شامل نہیں ہوتا
یہ دنیا کُلفت و آلام کا گھر ہے یہاں رہکر
مبارک ہے جو اس کی یاد سے غافل نہیں ہوتا
پسند آتی ہے غواصی اسے بحرِ حقیقت کی
سفینہ عشق کا منت کشِ ساحل نہیں ہوتا
کلید عشق نے کھولا جہاں قفلِ درِ وحدت
تو پھر پیش نظر حق کے سوا باطل نہیں ہوتا
مصائب عشق کے جو کر چکا انگیز پھر اس کو
کوئی مشکل سے مشکل کام بھی مشکل نہیں ہوتا
قفس سے جسم کے پا کر رہائی تا دمِ محشر
یہ مرغ روح پھر پابند آب و گِل نہیں ہوتا

سب اعضائے بدن اے برقؔ رہ جاتے ہیں شل ہو کر
دیار عشق میں کوئی حریف دل نہیں ہوتا

قائم جو مرا ذوق کلیمانہ رہیگا — بیتاب تجلی رُخِ جانانہ رہے گا
وہ رند ہوں تا حشر سرِ محفل رنداں — چرچا مرا میخانہ بہ میخانہ رہے گا
یہ کہہ کے نکالا مجھے اس بزم سے اسنے — اپناؤں تو اپنے سے بھی بیگانہ رہے گا
غم دے رہ الفت میں مجھے تو کہ خوشی دے — ہر گام پہ اک سجدۂ شکرانہ رہے گا
پیتا ہے تری مست نگاہوں سے جو ساقی — کیوں منتظر گردشِ پیمانہ رہے گا
بھولے ہیں نہ بھولیں گے مجھے اہلِ محبت — قصہ مرا افسانہ در افسانہ رہے گا
شایانِ مئے عشق نہیں ظرف ضوابط — ہشیارا گر ہے تو وہ دیوانہ رہے گا
نورِ رخِ محبوب کے اعجاز سے روشن — ہر آنکھ کی پُتلی کا سیہ خانہ رہے گا

اے برقؔ قدم چومے گی اک دن ترا منزل
بڑھتا جو تو باہمتِ مردانہ رہے گا

ہر ادا میں مری ایک رنگ آ گیا — عشق میں مرنے جینے کا ڈھنگ آ گیا
نالہ زن کیوں یہ ناقوس ہے دیر میں — کیا تبوں کے مظالم سے تنگ آ گیا
واہ یہ جذب الفت مرے ہاتھ میں — انکا خط اُڑ کے مثلِ پتنگ آ گیا
بزم جاناں میں کیا کام تھا غیر کا — رنگ میں ڈالنے کیوں یہ بھنگ آ گیا
اشک شوئی کو دامن بڑھا آپکا — یا سفینہ لب جوئے گنگ آ گیا
زخم انگور بھر لائے تھے قلب کے — اُس نے دیکھا تو کچھ اور رنگ آ گیا
غیرت حسن برہم ہوئی عشق میں — جب کبھی ذکر ناموس و ننگ آ گیا
روئی جب یہ تو پھولوں نے ہنس کر کہا — کب سے شبنم کو رونے کا ڈھنگ آ گیا
اُن کے کوچہ میں پاگل مجھے جان کر — لیکے جھولی میں ہر طفل سنگ آ گیا

گردنِ کفر ثابت نہ رہتی مگر — تیری شمشیرِ ایماں پہ زنگ آگیا
برقؔ نے گنگنائی غزل جس گھڑی
نغمہ سنجِ ازل لیکے چنگ آگیا

دل اُنکی یاد سے جو بہلتا چلا گیا — غم آپ اپنی آگ میں جلتا چلا گیا
تو لامکاں ہے تو مری منزل بھی بے نشاں — تیرے لئے چلا تو میں چلتا چلا گیا
کانٹے جہاں جہاں پہ ملے راہ عشق میں — دامن بچا بچا کے نکلتا چلا گیا
ناکامیوں سے کم نہ ہوا حوصلہ مرا — ٹھوکر لگی تو اور سنبھلتا چلا گیا
موجوں کے رُخ کو پھیر دیا میں نے بارہا — طوفان کا سر اٹھا تو کچلتا چلا گیا
یہ جانکر کہ غم ہے تری یاد کا سبب — میں ہر خوشی کو غم سے بدلتا چلا گیا
اہل زمانہ گرد کو میری نہ پا سکے — ہر قافلے سے دور نکلتا چلا گیا
اشیاء ہیں برقؔ سلسلۂ وحدت الوجود
سو سو طرح سے نام بدلتا چلا گیا

کُھل کے جب سامنے حسنِ یار آگیا — عشق کو یاد پروردگار آگیا
ڈالے گردن میں پھولوں کا ہار آگیا — بن کے کوئی مجسم بہار آگیا
دیکھ کر زلف و عارض کا ان کے سماں — یاد نیرنگِ لیل و نہار آگیا
پیشِ مژگانِ جاناں تھا یہ حالِ دل — تیر کی زد پہ جیسے شکار آگیا
دل کے آنے کی تفصیل بتلاؤں کیا — بس سمجھ لو کہ بے اختیار آگیا
لطف آجائیگا اُن کے وعدے کا دن — گنتے گنتے جو روز شمار آگیا
چرخ ہفتم کی رفعت ہے اس کی زمیں — کس بلندی پہ میرا غبار آگیا

خانۂ دل میں مہماں رہا اِک نہ اِک بیقراری گئی تو قرار آگیا
برقؔ آنے لگیں نزع میں ہچکیاں
یاد کا اُن کی جسوقت تار آگیا

○

دیکھتے دیکھتے کیا سے کیا ہو گیا تیغِ ابرو اٹھی سر جُدا ہو گیا
جو حسیں دیکھا بس مبتلا ہو گیا اے مرے دل بتا تجھکو کیا ہو گیا
میرا کچھ بھی نہیں دل ہو یا ہو جگر آیا جو سامنے آپ کا ہو گیا
جب نظر آیا فوراً جبیں جھک گئی جائے سجدہ ترا نقشِ پا ہو گیا
آئینہ دیکھکر بولے کس ناز سے میرا ثانی یہ کب دوسرا ہو گیا
موج در موج کشتی کنارے لگی جوش طوفاں مرا ناخدا ہو گیا
جب کہا آپ نے مار ڈالا ہمیں بولے ہاں مار ڈالا تو کیا ہو گیا
خود ہی مرتا ہے حوران جنت پہ یہ کب سے واعظ بڑا پارسا ہو گیا
جاں نکلتے ہی سب کلفتیں مٹ گئیں درد حد سے بڑا تو دوا ہو گیا
حق ہی حق کہتے منصور تو خوب تھا کفر آثار لفظِ انا ہو گیا
پارسائی کی وقعت ہی کیا رہگئی
برقؔ سارند اگر پارسا ہو گیا

○

کُن کہا اور نقشۂ کون و مکاں بنتا گیا یہ زمیں بنتی گئی یہ آسماں بنتا گیا
میں نے اس انداز سے چھیڑا بیانِ حالِ دل ایک اک حرف تمنا داستاں بنتا گیا
مرحبا تیرِ نگاہ ناز کی گلکاریاں میرا ہر زخم جگر جنت نشاں بنتا گیا
بحرِ غم میں یاد جاناں کے تصدق ہر نفس ناخدائے کشتی عمر رواں بنتا گیا

فضل حق سے موجبِ تعمیر تھی تخریب بھی — بجلیوں کی روشنی میں آشیاں بنتا گیا
حمد حق کا شوق جب فصلِ بہاراں میں بڑھا — پتہ پتہ باغ عالم کا زباں بنتا گیا
برقؔ راہ عشق میں کوئی نہ تھا جب ہمسفر
شوقؔ منزل اپنا میرِ کارواں بنتا گیا

○

جس در پہ ترا نقشِ کفِ پا نہ رہے گا — رندوں کیلیۓ قابلِ سجدا نہ رہے گا
جاتا تو ہے اس جلوہ گہہِ ناز میں اے دل — کیا ہوگا اگر ضبط کا یارا نہ رہے گا
پروانے کو پھونکا ہے تو اے شمع سمجھ لے — تیرا بھی کلیجہ کبھی ٹھنڈا نہ رہے گا
دیوانے کو زنجیر سے گہرا ہے تعلق — کیوں اس کو تری زلف کا سودا نہ رہے گا
پروردۂ طوفاں ہے مرے دل کا سفینہ — ساحل کی طرح یہ لبِ دریا نہ رہے گا
جھنجھلا کے کہا اس نے یہ آئینہ پٹک کر — منھ اس میں جو دیکھے گا وہ یکتا نہ رہے گا
مرنے کی اداؤں سے نہیں برقؔ جو واقف
رہتے ہوئے زندہ بھی وہ زندا نہ رہیگا

○

نہ خود آیئے گا نہ بلوایئے گا — تو کیا پھر یونہیں مجھکو تڑپایئے گا
ارے یہ ستم جھوٹ کہہ کر ہمیں سے — ہمارے ہی سر کی قسم کھایئے گا
اٹھا کر مجھے اس نے محفل سے اپنی — کہا کیا یہاں چھاؤنی چھایئے گا
بہت جلد ڈھل جائیگی یاد رکھۓ — جوانی یہ ہرگز نہ اترایئے گا
مۓ وانگبیں شیخ حاضر ہیں دونوں — اسے بیجیۓ گا کہ یہ کھایئے گا
جو آہی گۓ ہیں تو کیا بے تواضع — یونہیں میکدے سے چلے جایئے گا
کرینگے نہ شکوہ ہم اہلِ محبت — کیۓ پر خود آپ اپنے پچھتایئے گا

سرِ قبر روتے ہوئے آیئے گا
غضب ہے ہمارا بھی جذب محبت
پھڑک جائیں گے سن کے سب اہل الفت
غزل برقؔ صاحب کی جب گایئے گا

جو کی جلد بازی تو پچھتایئے گا
سمجھ بوجھکر عشق فرمایئے گا
نگاہوں سے چھپ کر کہا جایئے گا
تصور میں جھک مار کر آیئے گا
نصیحت سر آنکھوں پہ اے شیخ، لیکن
سمجھ لیجئے گا تو سمجھایئے گا
کلیم آپ اتنا مصر ہو رہے ہیں
جھلک دیکھتے ہی تو غش کھایئے گا
محبت بھرا دل تو دیتے ہیں مجھکو
زمانے میں رسوا نہ کروایئے گا
ہے وہم و گماں سے پرے انکی منزل
کہاں تک خیال آپ دوڑایئے گا
کہاں طالب دید کو صبر اتنا
قیامت کا وعدہ نہ فرمایئے گا
کہیں اور جانے کی کیا ہے ضرورت
انہیں آپ اپنے ہی میں پایئے گا
رسائی جو منظور ہو برقؔ اُن تک
تو دیر و حرم سے گزر جایئے گا

فکر اس کی اے دلِ ناکام کیا
عشق میں پروائے ننگ و نام کیا؟
زلف و رخ دونوں پہ ہم تو ہیں فدا
عاشقی میں کفر کیا اسلام کیا؟
ہوتی ہیں رندوں میں چہ میگوئیاں
میکدے میں شیخ جی کا کام کیا؟
دیدۂ مخمور ساقی دیکھئے
اس کے آگے ذکرِ دور جام کیا؟
زیبِ آغوش تصور ہیں وہ جب
احتیاج نامہ و پیغام کیا؟
جز محبت کچھ نہیں میں جانتا
طعن کیا تشنیع کیا الزام کیا؟

غیر کا شکوہ کروں میں کس لئے　　آپ دیدینگے مجھے انعام کیا؟
انگلیاں اٹھتی ہیں مجھپر خلق کی　　کہیے میں کچھ ہو گیا بدنام کیا؟
پارسا کہتی ہے دنیا برقؔ کو
آپ کیا اور آپ کا الزام کیا

خوشی سے جانب دارالمحن کوئی کہاں آیا　　جسے بھی دیکھیے بانالہ و آہ و فغاں آیا
تعجب کیا اسیری کیوں پسند آئی اسے آخر　　قفس میں جسم کے کیوں طائرِ روح رواں آیا
تمام افکارِ دوراں کی دوا بس یاد ہے ان کو　　ہوئے سب غم غلط دل میں خیال ان کا جہاں آیا
تذبذب میں نہ ہو، کوئی خیال ایسا نہ تھا لیکن　　خیال عاشقی بے خطرۂ سود و زیاں آیا
سرِ منزل پہنچ کر سجدہ شکرانہ لازم ہے　　جبینِ شوق سجدہ کر کہ ان کا آستاں آیا
حقیقت چھپ نہیں سکتی نگاہِ اہل باطن سے　　خدا یاد آگیا جب سامنے حسنِ بتاں آیا
رفیق زندگی کوئی کسی کا ہو تو ایسا ہو　　مری قسمت بھی پیچھے پیچھے آئی میرے میں جہاں آیا
جنھوں نے اُف نہ کی منھ سے وہ ہم اہل محبت ہیں　　جرس فریاد کرتا کارواں در کارواں آیا
حباب بحر سے ہے ملتا جلتا میرا افسانہ　　کوئی دم کو سنانے زندگی کی داستاں آیا
مٹا کر آ غرورِ ناز کو وادیٔ الف میں　　وہی پہنچا یہاں جو ہو کے بے نام ونشاں آیا
امانت کیوں نہ سمجھوں اپنے دل کو برقؔ میں اس کی
بلیٰ کہہ کر ازل ہی میں جسے دے کر زباں آیا

رندی کا دے نہ طعنہ زاہد مجھے خدارا　　من خوب می شناسم پیرانِ پارسارا
پروردگار عالم تیرے کرم کے صدقے　　تسکین دی اسی نے ٹوٹا جو ہر سہارا

دنیائے آرزو ہے روشن اسی کے دم سے — اشک سر مژہ ہے یا آنکھ کا ہے تارا
منظور ہو جو محکم بنیاد قصر الفت — تیار کرلو پہلے خون جگر کا گارا
ہونٹوں پہ حرف مطلب لانے کی کیا ضرورت ہے — سب حال دل ہے میرا خود ان پہ آشکارا
لازم ہے چپکے چپکے ذکر شراب ساقی — چڑھ جائے محتسب کا سن کر کہیں نہ پارا

پروردۂ تلاطم ہستی ہے برقؔ جس کی
موجوں سے کیوں کرے وہ طوفاں میں کنارا

چہرۂ یار زیر نقاب آگیا — یا گہن میں رخِ ماہتاب آگیا
چشم ساقی سے آنکھیں ہوئیں چار جب — سامنے جیسے جامِ شراب آگیا
یوں معطر ہوئی میرے گھر کی فضا — جیسے کوئی چھڑکتا گلاب آگیا
خاک لکھتے فرشتے مری داستاں — لکھتے ہی لکھتے یوم حساب آگیا
ان پہ روشن ہوا یوں مرا حال دل — خط کے لکھنے سے پہلے جواب آگیا
حسن جاناں سمٹ کر بنا خال رخ — ایک نقطے میں لب لباب آگیا
رہ گیا فاش ہونے سے راز دروں — میں تو میں ان کو خود بھی حجاب آگیا
اللہ اللہ معراج اہل فنا — عرش دریا کے اوپر حباب آگیا
زندۂ بوالہوس غرق ہوکر رہا — فانی عشق بالائے آب آگیا
اہل ظاہر حضوری کو تڑپا کیے — بارہا ہو کے میں بار یاب آگیا
پڑھتے پڑھتے خرد کی زباں رک گئی — سامنے جب محبت کا باب آگیا
باغ عالم میں پتوں کا ہر ہر ورق — کھول کر معرفت کی کتاب آگیا
عشق کے دل کی دنیا ہے زیر و زبر — ”آپ کیا آگئے انقلاب آگیا“
مردِ کامل کو دیکھا تو بولے ملک — نسخۂ دہر کا انتخاب آگیا

برقؔ نے چھیڑ دی ایسی رنگیں غزل
وجد میں سن کے ہر شیخ و شاب آگیا

مر کے حاصل بوسۂ لب ہائے جاناں نہ ہوا — جب ہماری خاک سے تیار پیمانہ ہوا
جوشِ وحشت میں کسی کی کون لیتا ہے خبر — "کب شریک حال* دیوانے کا دیوانہ ہوا"
کس سے پوچھے کوئی اس جانِ جہاں کا ماجرا — جس نے دیکھا اک نظر اپنے سے بیگانہ ہوا
زندگی بھر تو کسی نے بات تک پوچھی نہیں — بعد مرنے کے مرا مشہور افسانہ ہوا
حمدِ حق چھیڑی عنادل نے کچھ اس انداز سے — غنچہ غنچہ باغ کا تسبیح کا دانہ ہوا
رات دن یادِ بتاں ذکرِ بتاں فکرِ بتاں — کعبۂ دل کیا ہوا میرا کہ بت خانہ ہوا
ہمنشیں شمع رخِ جاناں پہ مرنا شرط ہے — پر نکل آئے تو کیا مچھر بھی پروانہ ہوا
دیکھتا ہوں ایک ہی جلوہ ہر اک تصویر میں — ذرہ ذرہ اب تو مجھ کو آئینہ خانہ ہوا

دیر و کعبہ میں ازل سے برقؔ جو تفریق تھی
ہوگئی نابود' وا جب بابِ میخانہ ہوا

سوئے کعبہ کوئی کوئی سوئے بت خانہ چلا — تیری جانب در حقیقت تیرا دیوانہ چلا
شیخ مسجد سے کہا مستِ مئے عرفاں نے یہ — تم یہیں بیٹھے رہو میں سوئے میخانہ چلا
عشق میں کام آکے پائی یوں حیاتِ جاوداں — جب نہ میں باقی رہا تو میرا افسانہ چلا
جان اپنی لے کے بھاگی دوسری جانب مگس — شمع کی جانب چلا تو صرف پروانہ چلا
گرد ہو کے اڑ گئے فوراً خیالاتِ دوئی — میکدے میں جب مئے وحدت کا پیمانہ چلا
جتنے پردے تھے وہ سب تھے دوسروں کے واسطے — جانبِ عشاق خود وہ بے حجابانہ چلا

برقؔ نااہلوں کی صحبت میں نہ بیٹھے ہم کبھی
مل گئے ہم جنس تو جی بھر کے یارانہ چلا

پریشاں کرنے والوں کو پریشاں کون دیکھے گا
ہمارے بعد یہ رنگِ گلستاں کون دیکھے گا

بجز میرے یہ دلچسپی کا ساماں کون دیکھے گا
جلا کر دل کے داغوں کو چراغاں کون دیکھے گا

کسے گلشن سے اتنا عشق ہے میری طرح گلچیں
قفس میں رکھ کے تصویرِ گلستاں کون دیکھے گا

اسے رنگیں اِسے صد چاک ہونا چاہیے ورنہ
ترا دامن مرا چاکِ گریباں کون دیکھے گا

بجائے ساغرِ مے تیرے میخانے میں اے ساقی
چلیں جب بوتلیں ہر دم خمستاں کون دیکھے گا

چمن خود باغباں پامال کرتا ہے تو حیرت کیا
چمن تو اس نے دیکھا ہے بیاباں کون دیکھے گا

حکیم وقت ہوں میں ہی اگر گلشن سے اٹھ جاؤں
تو پھر اے باغباں نبضِ بہاراں کون دیکھے گا

بچا کر اس کو رکھا ہے کلیجے میں کہ پھر تجھ کو
جو چشم آبلہ پھوٹی پشیماں کون دیکھے گا

دعائیں کیوں نہ دوں ہر دم نگاہِ نازِ قاتل کو
جو یہ نشتر نہ ہو سوئے رگِ جاں کون دیکھے گا

غنیمت یہ بھی ہے اس دور میں پھر ورنہ اے ہمدم
جناب برقؔ صاحب سا سخنداں کون دیکھے گا

ابتدا سبزہ و گل میں ہے نمایاں ہونا
انتہا حُسن عناصر کی ہے انساں ہونا

بوئے گلزار ہوں میں اس لیے سب کو میرا
وجہ جمعیت خاطر ہے پریشاں ہونا

ہمنشیں بحر محبت کا وہ قطرہ ہوں میں
جس کی قسمت میں تھا پروردۂ طوفاں ہونا

اے مری خوبیٔ تقدیر مبارک تجھ کو
پیرو ساقیٔ خمخانہ عرفان ہونا

سنگ بنیاد خمستاں ہے مری خشت لحد
یوں مقدر میں تھا سرحلقۂ رنداں ہونا

مصحف رخ کی مجھے یاد ہے اک اک آیت
اور کہتے ہیں کسے حافظ قرآں ہونا

نغمہ سنجانِ چمن نے ہے چمن میں سیکھا
میرے نالوں کے وسیلے سے غزلخواں ہونا

چارہ گر فکر دوائے دل ناشاد نہ کر
ہے مرے درد کی تقدیر میں درماں ہونا

آدمیت بھی غنیمت ہے مگر اے ہمدم　　آدمیت کی ہے معراج مسلماں ہونا

کفر کافر کو مبارک رہے دیندار کو دیں
برقؔ کو عشق کے افلاک پہ جولاں ہونا

ظلم کے ساتھ جو ہو ضبط کا ساماں پیدا　　ظلم کا ہو نہیں سکتا کبھی امکاں پیدا
حیف اس فصل بہاراں پہ چمن میں جس سے　　جائے گلبرگ ہوئے خار مغیلاں پیدا
مفلسی دیکھ کے فطرت نے چڑھائی چادر　　یعنی سبزہ ہوا برگور غریباں پیدا
ستر پوشی تو گنا ہوں کے سبب ہے لازم　　بےگنا ہی میں ہر انساں ہوا عریاں پیدا
پھر سے مُردوں کو وہی زندہ کرے گا جس نے　　لفظ کُن سے کیا کل عالم امکاں پیدا
تجربہ کر کے یہ نمرود نے تسلیم لیا　　آگ کرسکتی ہے انداز گلستاں پیدا

جائے عبرت ہے جو اُس برقؔ کا دیواں نہ چھپے
جس نے کتنے ہی کئے صاحب دیواں پیدا

میرا ذمہ نہیں پھر آپ کی رسوائی کا　　چھٹ گیا ہاتھ سے دامن جو شکیبائی کا
یاد رکھ اے مجھے دیوانہ بنانے والے　　میری رسوائی ہے موجب تری رسوائی کا
مرگیا صدمۂ دوری سے مریض اُلفت　　کیا ہوا آپ کا دعویٰ وہ مسیحائی کا
ان کی تصویر تصور سے مری سرگوشی　　کتنا پُرکیف سماں تھا شب تنہائی کا
گل نچھاور ہوئے کانٹوں نے بھی پابوسی کی　　رنگ دیکھا جو مری بادیہ پیمائی کا
ماجرائے دل پُردرد سنانے سے رہا　　میں سمجھتا ہوں اشارہ تری انگڑائی کا

سر نہ اس در سے اٹھے برقؔ دم آخر تک
یہ تقاضا ہے مرے ذوق جبیں سائی کا

خیالِ دلربا دل سے اگر کافور ہو جاتا ۔ برہمن دیر سے واعظ حرم سے دور ہو جاتا

حفاظت سے جو ہم رکھتے نہ اس کو اپنے سینے میں ۔ ذرا سی ٹھیس لگتی شیشۂ دل چور ہو جاتا

ہزار اپنا لیا تم نے مگر یہ کیسے ممکن تھا ۔ کہ میرا دل تمھارے نام سے مشہور ہو جاتا

ترا تیر نظر پہلو میں چبھتا کاش یوں آکر ۔ جگر میں زخم پڑتا زخم سے ناسور ہو جاتا

لگاتا لو نہ یہ ہر دم جو شمع روئے جاناں سے ۔ چراغ چشم بینا بالیقیں بے نور ہو جاتا

تری رحمت کے بل بوتے پہ جو چاہے کرے ورنہ ۔ مجال انسان کی کیا تھی کہ وہ مغرور ہو جاتا

تمناؤں کو غش آتا مثالِ حضرت موسیٰ
ہمارا داغ دل گر مثل برق طور ہو جاتا

سیاہی پتلیوں کی کرتی ہے نور نظر پیدا ۔ شبِ تاریک کے دامن سے ہوتی ہے سحر پیدا

نگاہ مست ساقی نے کیا جس دم اثر پیدا ۔ ہوئی رندوں میں کیا کیا وسعت قلب ونظر پیدا

نہیں گنجایشِ تکفیر ہم رندوں کی محفل میں ۔ یہ جھگڑا شیخ صاحب کیجیے گا اپنے گھر پیدا

قیامت تک رہے باقی نہ ان کا نام نامی کیوں ۔ شہیدانِ وفا دراصل ہوتے ہیں امر پیدا

بھڑکتا ہے چراغ صبح جب بجھنے کو ہوتا ہے ۔ قضا آتی ہے جب چیونٹی کے ہو جاتے ہیں پر پیدا

ترے سینے کو اک دن چاک کروائے گا یہ ظالم ۔ صدف نازاں نہ ہو اس پر ہوا تجھ میں گہر پیدا

شہنشاہی کی مانگے بھیک کوئی ہم فقیروں سے ۔ کیے اک کملی والے نے ہزاروں تاجور پیدا

یہ دنیا چار دن کی چاندنی ہے دیکھ اے غافل ۔ ہوئے ناپید ہو کر کیسے کیسے نامور پیدا

غلام نوحؑ مجھکو جان کر اے برق طوفاں میں
مری کشتی سے کوسوں دور ہوتی ہے بھنور پیدا

کھو کے اپنی ہستی کو کیا بتائیں کیا پایا — کچھ نہ جز خدا دیکھا کچھ نہ جز خدا پایا
سر جھکا دیا جس دم مل گیا سمندر سے — سر اٹھا کے قطرے نے خود کو بلبلا پایا
دامن توکّل میں جب جگہ ملی دل کو — فیض سے قناعت کے حرص کو ہوا پایا
گریۂ ندامت سے حشر میں فرشتوں نے — میری فرد عصیاں کا سب لکھا مٹا پایا
دیکھ کر انہیں ہر جا کہہ سکے نہ کچھ منہ سے — وہ کھلے تو اپنا ہی بند ناطقہ پایا
صدقے اس کی رحمت کے جھٹ اٹھا لیا مجھ کو — تھک کے راہ الفت میں جب کہیں پڑا پایا
جس کی جیسی فطرت تھی ویسا ہی مجھے پایا — آئینہ میں اپنا ہی عکس رونما پایا
عشق ہے علاج اپنا خود ہے لا دوا لیکن — درد کی دوا پائی درد لا دوا پایا
بحرِ غم میں ساتھی جب دوسرا نہ تھا کوئی
ناخدا کے پردے میں برقؔ نے خدا پایا

مٹ گئی تمنا جب زیست کا مزا پایا — ترک مدعا کرکے ہمنے مدعا پایا
موج اٹھی سمندر سے مل گئی سمندر میں — اپنی ابتدا ہی کو اپنی انتہا پایا
چل دیئے اعزّہ سب دفن کرکے مٹی میں — عمر بھر کی الفت کا ہم نے یہ صلا پایا
میکدے میں عرفاں کے بادۂ حقیقت سے — دُھل گئی کدورت جب دل کو آئینا پایا
غور سے جو دیکھا تو ساتھ ساتھ دونوں تھے — نور کو نہ سایہ سے ایک پل جُدا پایا
خو نیازمندی کی راس آگئی ہم کو — خاک پر جبیں رکھ کر ان کا نقشِ پا پایا
پارسائی کا دعویٰ کرتے تھے بہت حضرت — شیخ کو مگر ہم نے پارسا نما پایا
مٹ گئے مصائب سب موت آگئی جس دم — درد کی دوا پائی دردِ لادوا پایا
جوششِ مسرت سے جھوم اٹھے غالبؔ بھی
برقؔ کو سرِ محفل جب غزل سرا پایا

شیوۂ طعنہ و الزام بدلنا ہوگا
یہ طریقہ بت خود کام بدلنا ہوگا
تو نے اپنوں ہی میں ابتک جو چلا رکھا ہے
اب وہ دورِ مئے گلفام بدلنا ہوگا
آج تو وضع بدلنے کے لیے کہتے ہو
کل کہوگے کہ تمہیں نام بدلنا ہوگا
دین فطرت میں بدلنے کی کہاں گنجایش
خود تجھے دشمن اسلام بدلنا ہوگا
کر چکی خلق میں اندھیر بہت اب تجھکو
صبح امید سے اے شام بدلنا ہوگا
دام گیسو میں دوبارہ نہ پھنسے گا کوئی
اب پھنسانا ہے تو یہ دام بدلنا ہوگا
وہ طریقہ تجھے اب اے بت قاتل جس سے
بزم الفت میں ہے کہرام بدلنا ہوگا
بلبل اُس گُل کے لیے اپنا رویہ تجھکو
دیکھ کر باغ کا انجام بدلنا ہوگا
اب وہ دن دور نہیں فیض سے سائنس کے جب
نقشۂ نامہ و پیغام بدلنا ہوگا
جدت فن کا تقاضا ہے کہ اس دور میں اب
جو طریقہ ہے بہت عام بدلنا ہوگا
مے پرستی پہ تو ہوں گے نہ کبھی ہم راضی
شیشۂ دل سے اگر جام بدلنا ہوگا
جن کی منزل کا نہیں برقؔ تعین کوئی
راستہ ان کو بہرگام بدلنا ہوگا

بھروسہ کیا کرے کوئی کسی سے کچھ بھلائی کا
نہیں اس عہد میں غمخوار جب بھائی ہے بھائی کا
نہ ہو بیخوف کوئی گردشِ گردونِ گرداں سے
لُٹاتا تھا جو کل دولت وہ ہے محتاج پائی کا
ہوئے کنگال وہ جو درحقیقت مال والے تھے
بنے ہیں سیٹھ وہ ٹکڑا جو کھاتے تھے گدائی کا

کماتے ہیں جو کچھ پردیس ہم چاکری کر کے
تو آدھا اس میں دھوبی کا ہے اور آدھا ہے نائی کا
غرض ہے برقؔ کی ان ٹوٹی پھوٹی باتوں سے اتنی
کرو ہرگز نہ کام اے دوستو تم جگ ہنسائی کا

○

تری فرقت میں جل کر لذتِ سوزِ جگر جانا
وہ لطف آیا کہ اب تو کھیل ہم سمجھے ہیں مرجانا
شبِ غم میں نہ جانا یہ کہ ہوتی ہے ہنسی کیسی
کلیجہ تھام کر ہاں بیٹھنا دو دو پہر جانا
یہ بے انصافیاں دیکھیں ہیں ہم نے بزم خوباں میں
کسی دشمن کی گستاخی کسی بیکس کے سر جانا
تماشے کا تماشہ بھی تھا اور عبرت کی عبرت بھی
مرا تیر نظر کھا کر قضا کے گھاٹ اُتر جانا
جو گذرے وہ اِدھر تو اے صبا اس بت سے کہہ دینا
ترے بیمار کی حالت بری ہے دیکھ کر جانا
سوا اس کے بھلا کیا فائدہ ہے اور الفت میں
تڑپنا، آہ بھرنا، تلملانا غم سے مرجانا
اڑا دیں گے ستمگر باتوں ہی باتوں میں برقؔ اس کو
حریم عشق میں ہرگز نہ لے کر اپنا سر جانا

○

تلخیٔ غم کا جو ہے مکمل جواب لا
یعنی شراب لا مرے ساقی شراب لا
مٹ جائیں جس سے گردشِ دوراں کی تلخیاں
وہ جامِ خوشگوار ملا کر گلاب لا
وہ مے کہ جس سے ہر غم و اندوہ و یاس کا
ہو جائے حشر تک کے لیے سدِ باب لا
پی کس قدر پیوں گا ابھی کس قدر نہ پوچھ
دے پہلے اس کا بعد کو لینا حساب لا
کالی گھٹا کی تجھ کو قسم جانِ میکدہ
تاخیر کر نہ بہرِ خدا لا شتاب لا
وہ دیکھ سر پہ چادرِ رحمت ہے ضوفگن
چھائی ہے میکدہ پہ ردائے سحاب لا
رازِ حیات و موت کا عُقدہ جو کھول دے
مل جائے جس سے خواب میں تعبیرِ خواب لا
ایسی نہ ہو کہ پی کے بنوں اور مُتّہم
باطل شکن ہو جو وہ حقیقت مآب لا
ساقی غرض یہ تجھ سے گزارش ہے برقؔ کی
آنکھوں سے جو اٹھا دے دوئی کا حجاب لا

○

ب

جتنے دنیا میں حسیں ہیں بے وفا ہیں سب کے سب
اُن کی الفت کا نتیجہ ہے فقط رنج و تعب

بے قراری کیوں نہ ہو دل ہی نہیں قابو میں جب
حضرت ناصح تمھیں بتلاؤ مجھ کو کوئی ڈھب

اے فلک کرتا ہے کیوں تو اپنی رفعت پر گھمنڈ
میرے نالے تیرے سر پر چڑھ کے ڈھادیں گے غضب

لاکھ دشمن ہوں جہاں میں تو ہمیں کچھ غم نہیں
سایہ گستر جب کہ ہے سر پر ہمارے فضلِ رب

گردشِ گردونِ گرداں تیرے صدقے جاؤں میں
مجھ کو دکھلادے اگر تو روضۂ شاہ عرب

خود پسندی ہے جہاں میں باعثِ رنج و ملال
صاف بتلاتی ہے ہم کو داستانِ بو لہب

یاد کر اللہ کی اے دل جو بخشے فائدہ
اِن بتوں کے حسن پر کیوں مر رہا ہے بے سبب

اے خدا روزی رساں تجھ سا کوئی ہرگز نہیں
تو دیا کرتا ہے بندوں کو ہمیشہ بے طلب

برقؔ تو نے جب کمر باندھی ہے لکھنے کے لیے
فیض سے سالکؔ کے ہو دیوان پورا کیا عجب

قطعہ

ہستیِ مومن پہ جب اے برقؔ میں نے کی نظر — تو کھلا مجھ پر کہ یہ ہے سر بسر مقبول رب
بعدِ پیدائش اذاں ہے بعدِ رحلت ہے نماز — درمیانی عمر ہے گویا عبادت اس کی سب

کس نے الٹ دی رخ سے نقاب　　اڑگیا رنگ رُخِ مہتاب
کچھ نہیں جز اک نقش برآب　　ہستی ہے مانندِ حباب
سمجھا ہے تو جس زیست کو زیست　　وہ تو ہے اک کیفیتِ خواب
نیند کے ماتے آنکھیں کھول　　کرنا ہے جو کرلے شتاب
موت کرے گی سب کو زیر　　رستم ہویا ہو سہراب
تجھ ہی میں ہے تیرا محبوب　　جیسے گلاب میں بوئے گلاب
الا اللہ کی سُن آواز　　لا کی لگا دل پر مضراب
اللہ اللہ عشق کا جوش　　ہوش و خرد ہیں پا بہ رکاب
پڑتی ہے جن چیزوں پہ نگاہ
برقؔ ہیں وہ دراصل حجاب

ہر دم اُن کے نام کی جاپ　　لب پہ ہے جاری آپ سے آپ
ہم ہیں کہ ہیں محوِ فریاد　　وہ ہیں کہ سنتے ہیں چپ چاپ
بہہ نکلا آنکھوں کی راہ　　خون جگر کا ہوکر بھاپ
سرحد عقل کے ہوگئی پار　　توسنِ عشق کی ایک ہی ٹاپ
رکھتا ہے قاتل سے لگاؤ　　دل ہے خود اپنا دشمن آپ
مل جل کر دنیا میں گذار　　دو دن کا ہے میل ملاپ
آپ کے ابرو کی شمشیر　　گردن دے نہ کسی کی ناپ
سہہ نہ سکے گا عشق کی آنچ　　دیوانے یہ آگ نہ تاپ
ڈر ہے کہ ڈر جائیں گے لوگ
برقؔ نہ اپنا راگ الاپ

سنئے سنائیں آپ کو اک دل لگی کی بات
اب شیخ جی بھی کرنے لگے میکشی کی بات

وعدے پہ آپ آئے بڑا ہی کرم کیا
کیا اس سے بڑھکے اب کوئی ہوگی خوشی کی بات

کرنے لگی بہار کے آتے ہی بوئے گل
موج نسیم صبح سے آوارگی کی بات

شبنم کو باغ دہر میں رونا اسی کا ہے
دارِفنا میں کرتے ہیں کیوں گل ہنسی کی بات

ناصح خدا کے واسطے منہ بند کیجئے
ہر وقت کیا سنا کریں ہم آپ ہی کی بات

گل فرط شوق سے ہمہ تن گوش ہوگئے
چھیڑی کسی کلی نے جو دلبستگی کی بات

دیوانے قہقہہ نہ لگائیں تو کیا کریں
سُن سُن کے اہل عقل سے دیوانگی کی بات

پیش مریض یہ اسے ہرگز نہیں روا
کیوں چارہ گر کرے کوئی بیچارگی کی بات

روشن خیال کیوں نہ وہ ہوجائے جو سنے
پنہاں کلامِ برقؔ میں ہے روشنی کی بات

ملنے کا ذکر ہے نہ ملانے کی بات چیت
چھیڑی ہے اس نے میرے ستانے کی بات چیت

پانی پلا کے مست بنانے کی بات چیت
ساقی یہ ہے مذاق اڑانے کی بات چیت

غلے کی اس گرانی میں کھانے کی بات چیت
اُڑ مرغِ دل کہ ہے یہ پھنسانے کی بات چیت

گلچیں سے دیکھ بلبلِ آزاد ہوشیار
لاسہ کہیں کرے نہ لگانے کی بات چیت

میں چپ ہوں اور آپ اڑاتے ہیں بے نقط
یہ تو ہے صاف بات بڑھانے کی بات چیت

بڑھ بڑھ کے بولئے نہ بہت ہم سے اے حضور
ورنہ کریں گے ہم بھی ٹھکانے کی بات چیت

کچھ بیٹھتی ہے دل پہ تو بس آپ ہی کی بات
سنتا ہوں یوں تو سارے زمانے کی بات چیت

اے شیخ پہلے ان کی زباں سیکھ لیجئے
پھر کیجئے گا دل کے لگانے کی بات چیت

وعدے کے بعد اُس بتِ کافر کو دیکھنا
کیسی کرے گا حیلے بہانے کی بات چیت

میں صفحۂ زمانہ پہ حرفِ غلط نہیں
کرتے ہیں کیوں وہ میرے مٹانے کی بات چیت

دل توڑتے نہیں ہیں یہ اندازِ دل شکن — کعبہ ہی کر رہے ہیں وہ ڈھانے کی بات چیت

ہوتا شریک بزمِ ادب برقؔ بھی ضرور
ہوتی اگر وہاں پہ نہ گانے کی بات چیت

○

اُف دریائے عشق کا پاٹ — ہے ملاّح نہ ناؤ نہ گھاٹ
رحم کے قابل اپنا بھیس — دید کے قابل ان کا ٹھاٹ
اب تو نبھے جس طرح نباہ — اب تو کٹے جس طرح سے کاٹ
صبر کی بوتل ہے لبریز — خطرے میں ہے ضبط کی ڈاٹ
جس سے محبت تولی جائے — ہے ایسا بھی کوئی باٹ
سب سے غنی ہے تیرا فقیر — ہیچ گورنر ہیچ ہے لاٹ
لے لوں میں ان کا نام اے دوست — سنکے اگر تو ہونٹ نہ چاٹ
ہائے وہ نازک نازک دوش — زلف جو بکھری پڑ گئی ساٹ
آگئی جس دم موت کی نیند — کیسی مسہری کیسی کھاٹ
چاند سے دوں اس رخ کی مثال — ریشم میں کیا جوڑ دوں ٹاٹ

برق کے نالوں سے کل رات
ہوگئی سب کی نیند اچاٹ

○

اور مجھ ناشاد کو ناشاد کرتے ہیں عبث — آ کے تُربت پر مری فریاد کرتے ہیں عبث
بیوفا اغیار کو کہتے تو تھی اک بات بھی — میری نسبت آپ یہ ارشاد کرتے ہیں عبث
ظلم و جورِ ناروا کے تم نہیں عادی تو کیا — لوگ تم سے شکوۂ بیداد کرتے ہیں عبث
فصلِ گل رخصت ہوئی گلشن میں آپہنچی بہار — قید سے بلبل کو اب آزاد کرتے ہیں عبث

ہو چکا برباد تو برباد رہنے دیں اسے — دل کے ویرانے کو وہ آباد کرتے ہیں عبث
شاعری ہے ختم اُن پر لوگ علم شعر میں — ہمسری سالکؔ وشمشاد کرتے ہیں عبث
اپنے چلتوں خود ذلیل خوار ہیں اے برقؔ ہم
شکوۂ چرخِ ستم ایجاد کرتے ہیں عبث

کھینچ لایا دل میں جذب عشق ان کا نور آج — اڑگیا رنگ سیاہی شب دیجور آج
عشق رکھا ہے ہوس کا نام اب احباب نے — رسم الفت کا نہیں پہلا سادہ دستور آج
کل جنہیں خیل وخدم جاہ وحشم پر ناز تھا — فاتحہ کو ہوگئے محتاج وہ مغرور آج
دیکھئے تیرنگاہ ناز جاناں کا کمال — دل میں پیدا ہوگئے ناسور ہی ناسور آج
تھی ابھی کل تک جنوں میں جو مرے زیرِ قدم — ہائے ہوش آتے ہی منزل ہوگئی وہ دور آج
سر سے پا تک زخم ہیں مرہم لگائیں تا کجا — وہ چھڑکتے ہیں کفن پر اس لیے کافور آج
زندگی بھر جو اٹھائے تھا تمھارا بار ناز — حیف صد حیف اٹھ گیا دنیا سے وہ مزدور آج
فیصلہ دو ٹوک ہو قاتل حیات و موت کا — تیغ ابرو کا لگا اک وار وہ بھرپور آج
جب یہ پوچھا کل کا وعدہ کیجئے گا کب وفا
ہنس کے فرمایا ابھی ہے برقؔ دلّی دور آج

سب سے مشکل کام ہے یہ اے دلِ ناکام سوچ — عشق کرنا ہے تو پہلے عشق کا انجام سوچ
جاہ دنیا کی تمنا مالِ دنیا کی ہوس — خود سمجھ جائے گا تو یہ ہے خیال خام سوچ
چارو ناچار اک نہ اک دن مر ہی جانا ہے تجھے — کام کی یہ بات ہے یہ بات صبح وشام سوچ
کیا سریر کے میں ہے کس کام کا ہے جامِ جم — ایک دن پینا پڑے گا جب فنا کا جام سوچ
جس نے پھندے میں پھنسا کر زندگی برباد کی — حرص تھی تیری وہ اے مرغِ اسیرِ دام سوچ

اے ستانے والے میری قبر پر روتا ہے کیا
کیا یہاں بھی اب نہ لینے دیگا تو آرام سوچ

جو یہاں آیا اسے اک روز جانا ہے ضرور
زندگی دیتی ہے تجھ کو موت کا پیغام سوچ

روز مرتے دیکھتا ہے مرنے والوں کو تو پھر
کس لیے اب تک ہے تو محوِ خیالِ خام سوچ

قلب جس سے مطمئن ہو کوئی ایسا ذکر کر
روح کو ہو چین جس سے کوئی ایسا کام سوچ

ہے تلاش منزلِ مقصود میں جو چیز ہے
بے سبب غافل ہے کب یہ گردش ایام سوچ

برقؔ تجھکو کیوں کمندِ فکر پر ہے اپنی ناز
تو کہاں ہے اور حقیقت کا کہاں ہے بام سوچ

خانۂ تن سے نکل کر پھر کہاں آئے گی روح
اپنی منزل کی طرف بڑھتی چلی جائے گی روح

جسم قائم روح سے تھا روح تھی یا جسم سے
خود سمجھ جائے گا تو جس دم نکل جائے گی روح

تجھے جو یکجا آج وہ چاروں عناصر ہیں کہاں
یہ معمہ بعد مُردن خود ہی سمجھائے گی روح

جسم خاکی ہو رہے گا ایک دن پیوند خاک
اور نکل کر باغ جنت کی ہوا کھائے گی روح

چار دن کی زندگی میں نفس کا پیرو تھا جو
دیکھ کر اس جسم کی حالت کو شرمائے گی روح

طائرِ آزاد ہے یہ جسم خاکی ہے قفس
قید میں جب تک رہے گی کیوں نہ گھبرائے گی روح

کالے کالے بال ہو جائیں گے اُجلے برقؔ سب
جب ضعیفی میں سپیدی اُن پہ کروائے گی روح

سرخی گلوں کی ہے کہ یہ جلتی ہے شاخ شاخ
یا اوس کھا کے لعل اگلتی ہے شاخ شاخ

رخصت ہوئی چمن سے خزاں آگئی بہار
فیضِ نمو سے پھولتی پھلتی ہے شاخ شاخ

گرمی سے ہے جو پھولوں کا چہرہ عرق عرق
پنکھا بڑے تپاک سے جھلتی ہے شاخ شاخ

بہروپیے کا بھیس بناکر بہار میں
سو سو طرح کے روپ بدلتی ہے شاخ شاخ
موجِ نسیمِ صبح نے کیا جانے کیا کہا
فرطِ خوشی سے آج اُچھلتی ہے شاخ شاخ
نکھرے ہوئے ہیں پھول چمن ہے نکھار پر
سانچے میں حُسنِ یار کے ڈھلتی ہے شاخ شاخ
چڑیوں کے چہچہوں میں ہے کیفیتِ سماع
رقصاں ہے پتہ پتہ مچلتی ہے شاخ شاخ
کھلتے ہیں بار بار جو گلہائے رنگ رنگ
کپڑے طرح طرح کے بدلتی ہے شاخ شاخ
دیتی ہے دم بہ دم جو جھکولے نسیمِ صبح
ہر بار لڑکھڑا کے سنبھلتی ہے شاخ شاخ
خوشبو ہے بھینی بھینی جو ذراتِ گرد میں
غازہ سمجھ کے شوق سے ملتی ہے شاخ شاخ
بے وجہ رو رہی ہے چمن میں جو برقؔ یہ
شبنم کو دیکھ دیکھ کے جلتی ہے شاخ شاخ

○

کبھی رہے ترے سایہ میں ہم نہ خرم و شاد
یہ کیا ستم ہے ارے چرخ خانماں برباد
جگر میں اٹھتی ہے ہُوک اور لب پہ ہے فریاد
بتوں کے عشق میں ہم کو ملا ہے یہ پرساد
رکو رکو ابھی جلدی ہے کون جانے کی
سنو سنو مرے دردِ فراق کی روداد
پھنسے جو آپ کی زلفوں میں وہ خدا کی قسم
حوادثات زمانہ سے ہوگئے آزاد
عمل نہیں ہے تو کچھ علم سے نہیں حاصل
ہے یوں تو علم میں شیطاں فرشتوں کا استاد
چھری کی طرح سے کرتی ہے دل کو یہ زخمی
تری زبان ہے ناصح کہ خنجر فولاد
کمالِ عشق میں مرمر کے تھا جیے جانا
رموز عشق سے واقف نہ تھا مگر فرہاد
وہ پختہ کار جنوں ہوں کہ راہ الفت میں
جو قیس دیکھ لے مجھ کو تو مان لے استاد
غضب تھا اس بت مہوش کے حسن کا عالم
پکار اٹھا یہ مرا دل کہ عشق زندہ باد
وہ قبر پر تو اڑاتے ہیں خاک رو رو کر
مگر ہے دل میں کہ مٹی بھی ہو مری برباد
زبان حال سے کہتا ہے برقؔ یہ ناقوس
بتوں کے عشق کا حاصل ہے نالہ و فریاد

○

دب گئیں موجیں یکا یک جوش میں آنے کے بعد
مٹ گئی طوفاں کی ہستی مجھ سے ٹکرانے کے بعد

سختیاں میرے لیے آسانیاں بنتی گئیں
شہسوار کربلا کی یاد آجانے کے بعد

دیکھ لی چشم جہاں نے قوت مظلومیت
ڈھہ گئے خود ظالموں کے گھر ستم ڈھانے کے بعد

سعیِ حق میں میرے ماتھے کا پسینہ دیکھ کر
پانی پانی ہوگئیں موجیں بھی لہرانے کے بعد

تھی مرے آنے سے پہلے ہر طرف چھائی خزاں
صحنِ گلشن میں بہار آئی مرے آنے کے بعد

داستان غیر میں کوئی حقیقت تھی اگر
گرد ہوکر اڑگئی کیوں میرے افسانے کے بعد

چھوڑ کر طرز فغاں محوِ رجز خوانی ہوئے
نغمہ سنجانِ چمن میری غزلِ گانے کے بعد

تیرا شعلہ پھونک سکتا ہے اسے مانا مگر
سوچ لے اے شمع اپنا حشر پروانے کے بعد

مجھ کو آتی ہے ہنسی ناصح تری اس بات پر
تو سمجھتا ہے کہ میں سمجھوں گا سمجھانے کے بعد

خاک اڑائی یوں بگولوں نے کہ پردہ پڑگیا
''کون جانے کیا ہوا صحرا میں دیوانے کے بعد''

آشیانہ جل گیا ظلم وجفا وجور کا
میری آہ آتشیں کے برقؔ بن جانے کے بعد

زاہد کو اپنے زہد و عبادت پہ ہے گھمنڈ
مجھکو خدائے پاک کی رحمت پہ ہے گھمنڈ

محشر میں مصطفیٰؐ کی شفاعت کی ہے امید
محشر میں مصطفیٰؐ کی شفاعت پہ ہے گھمنڈ

اس کالی کملی والے کے صدقے نہ جاؤں کیوں
اس کالی کملی والے کی شفقت پہ ہے گھمنڈ

تم کو جو ظلم و جور پہ ہے ناز اے بتو
ہم کو خدا کی شان عدالت پہ ہے گھمنڈ

امت میں مصطفیٰؐ کی ہوں ہاں اس پہ ناز ہے
اے برقؔ سچ ہے یہ مجھے قسمت پہ ہے گھمنڈ

زہد پر اپنے نہ ہے اپنی عبادت پر گھمنڈ — مجھ کو اے اللہ ہے بس تیری رحمت پر گھمنڈ
کیسے کیسے ذی حشم دنیائے دوں سے اٹھ گئے — لوگ کیوں کرتے ہیں اپنی شان وشوکت پر گھمنڈ
چار دن میں چاندنی کی طرح سے ڈھل جائے گی — ماہرو کرتے ہیں ناحق اپنی صورت پر گھمنڈ
مدتوں تک ہجر میں صحرانوردی میں نے کی — قیس اور فرہاد کو ہے میری وحشت پر گھمنڈ
میں نے اے حاتم دیا ہے نقد دل اک شوخ کو — سامنے میرے نہ کر اپنی سخاوت پر گھمنڈ
کون کہتا ہے جوانی میں کوئی مرتا نہیں — نوجوانوں کو ہے ناحق اپنی طاقت پر گھمنڈ

امت شاہِ اُمم ہوں خادمِ خیر البشر
کیوں نہ ہو اے برقؔ مجھ کو اپنی قسمت پر گھمنڈ

دل سے اس بُت کے ملا دے جو مرا دل تعویذ — کاش اس طرح کا ہوتا کہیں حاصل تعویذ
کچھ دکھائی نہ کسی نے بھی تو اپنی تاثیر — کر کے دیکھے ہیں بہت میں نے حمائل تعویذ
کبھی پھونکا کبھی گاڑا تو کبھی لٹکایا — کبھی دریا میں بہایا لبِ ساحل تعویذ
نہ ملا پر نہ ملا وہ بتِ بے درد مجھے — میرے حق میں تو نہ نکلا کسی قابل تعویذ
کامیابی جو کبھی وصل میں ہوتی اس سے — جان بھی لے کے نہ لکھتا کبھی عامل تعویذ
نکلنے دے گی نہ تڑپتے ہوئے دل کی دھڑکن — دل پہ ٹھہرے کسی عاشق کے ہے مشکل تعویذ

ہائے اتنا بھی جنوں میں نہیں اے برقؔ خیال
دے رہا ہے مجھے عالم کی یہ جاہل تعویذ

رنج و الم منائیں کہو اپنی جاں کی خیر
آئی ہے ان کی یاد غم دو جہاں کی خیر

شمس و قمر کی خیر ستاروں کی جاں کی خیر
نکلی ہے دل سے آہ مرے آسماں کی خیر

سرخی گل لگا دے چمن میں کہیں نہ آگ
بلبل بہت چہک نہ منا گلستاں کی خیر

کچھ ہو نہ ہو ضرور ہے آخر یہ آج کیوں
بجلی منا رہی ہے مرے آشیاں کی خیر

یارب قدم قدم پہ ہزاروں ہیں راہزن
رستے میں لٹ نہ جائے کہیں کارواں کی خیر

برسا کچھ ایسا جھوم کے میخانہ بہہ گیا
وہ تو کہو کہ ہو گئی پیرِ مغاں کی خیر

نکلا ہے سیل بن کے مرا اشک خونچکاں
سرخی اگر یہی ہے تو پھر داستاں کی خیر

پھر مفسدانِ دہر ہیں مصروف ساز باز
اے منتظم جہان کے امن و اماں کی خیر

گھِس کر لپٹ نہ جائے جبینِ نیاز میں
سجدے اگر یہی ہیں تو پھر آستاں کی خیر

ٹکرا رہی ہے موجِ حوادث سے بار بار
اللہ میری کشتیٔ عمرِ رواں کی خیر

اس کا بھی پردہ فاش ہے اُس کا بھی پردہ فاش
اب راز ہی کی خیر نہ ہے رازداں کی خیر

ہُوک اٹھ رہی ہے عالم امکاں نہ بیٹھ جائے
کون و مکاں کی خیر زمین و زماں کی خیر

ڈر ہے کہ اُن کی یاد کا دم دل میں گھُٹ نہ جائے
نازک ہے اے خدا ہو مرے میہماں کی خیر

وہ منھ بنا نہ لیں کہیں کچھ میں بھی کہہ نہ دوں
اُن کے دہن کی خیر ہو میری زباں کی خیر

اے برقؔ تم بھی کہہ دو ہے بھگوان کی دَیا
ہندی میں پوچھتے ہیں وہ اردو زباں کی خیر

اسپ خامہ یوں اُڑا مضموں کا میداں دیکھ کر
چوکڑی جیسے بھرے آہو بیاباں دیکھ کر

بڑھ گیا جوشِ جنوں فصلِ بہاراں دیکھ کر
زلفِ جاناں یاد آئی سنبلستاں دیکھ کر

یہ سُبکسارانِ ساحل کیا سمجھتے ہیں مجھے
میری کشتی موج میں آتی ہے طوفاں دیکھ کر

میرے پائے عزم نے منزل کی دُھن میں بارہا
روند ڈالا راہ میں خارِ مغیلاں دیکھ کر

پست حالی میں بھی ہے ہم کو بلندی کا یقیں
چاہِ کنعاں سے طلوعِ ماہِ کنعاں دیکھ کر

چاک کر کے دامنِ یوسف پشیماں ہوگئی
خود زلیخا اپنی رسوائی کا ساماں دیکھ کر

سرخ ٹیکا صاف کہتا ہے کہ قاتل آپ ہیں
نفسِ مضموں ہم سمجھ لیتے ہیں عنواں دیکھ کر

میکشوں نے مسکرا کر میکدے کی راہ لی
دیر و کعبہ کو بہم دست و گریباں دیکھ کر

دھو دیا ایسا میرے اشکِ ندامت نے اسے
جھک گئے خود ہی فرشتے فردِ عصیاں دیکھ کر

رشکِ گل تھا قالبِ خاکی بھی اس دھوکے میں اُف
''ہم قفس میں آگئے رنگِ گلستاں دیکھ کر''

ہے یقیں مجھ کو جو آئینے میں دل کے دیکھئے
آپ اپنا حسن خود ہوجائیں حیراں دیکھ کر

نحن اقرب کی صدا آئی ہے جب سے کان میں
دیکھ لیتے ہیں انھیں سوئے رگِ جاں دیکھ کر

برقؔ یہ سرخی کہاں سے اس میں آئی ہو نہ ہو
رنگ لائی ہے شفق خونِ شہیداں دیکھ کر

میرے کمالِ ضبط کا معیار دیکھ کر
شرمندہ خود ہے اپنا وہ کردار دیکھ کر

رویا نہ میں خدا کی قسم غم سے چارہ گر
آنسو نکل پڑے تجھے غمخوار دیکھ کر

کتنے میں کس حسیں نے خریدا خبر نہیں
بس بک گیا میں گرمیٔ بازار دیکھ کر

دامانِ مغفرت میں خدائے کریم نے
مجھ کو چھپا لیا ہے گنہ گار دیکھ کر

محوِ خرامِ ناز خدارا سنبھل کے چل
فتنے نہ اُٹھ کھڑے ہوں یہ رفتار دیکھ کر

کعبہ میں ہوں کہ دیر میں بتلاؤں کیا تجھے
اتنی خبر کسے ہے رخِ یار دیکھ کر

ساقی پلا نہ اتنی کہ بدمست سب کہیں
''دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھ کر''

نکلا حضور ہی کا مکاں یہ تو کیا کروں
بیٹھا تھا میں تو سایۂ دیوار دیکھ کر

پہچانتا ہوں برقؔ میں ان کی نگاہ کو
دیکھا ہے مجھ کو جانبِ اغیار دیکھ کر

اجل کرتی ہے قبضہ اس کی جاں پر
نکل آتے ہیں چیونٹی کے جہاں پر

عطیہ ہیں یہ گل بوٹے اسی کے
بہاریں خندہ زن کیوں ہیں خزاں پر

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
دھواں کیوں چھا رہا ہے گلستاں پر

پکڑ کر نوچ ڈالے باغباں نے
ہمارے بازوؤں میں اب کہاں پَر

زمیں پر آگ بھڑکی ہے کچھ ایسی
"گئے ہیں جس کے شعلے آسماں پر"

لدا ہے بارِ آلام و مصائب
ہماری کشتیٔ عمر رواں پر

سمجھتا کیا ہے تو اے زخشِ دوراں
ہمارا ہاتھ ہے تیری عناں پر

تن و توش اور ہے عقل اور شے ہے
ہوا کب فیل غالب فیلباں پر

پہنچتا ہے کہاں تک تیر کوئی
یہ ہے موقوف بس زورِ کماں پر

جسے دیکھو وہ ہے محکوم اس کا
محبت حکمراں ہے کُل جہاں پر

کلامِ برقؔ اپنی خوبیوں سے
چڑھا ہے بچے بچے کی زباں پر

جھکی ہے کس کے سنگِ آستاں پر
جبیں میری ہے گویا آسماں پر

مری منزل کہیں ہے اُس سے آگے
فرشتوں کے بھی جلتے ہیں جہاں پَر

حقیقت جس نے آنکھوں سے نہ دیکھی
یقیں موقوف ہے اس کا گماں پر

گیا ہے عرش تک انسان خاکی
زمیں پہنچی ہے اُڑ کر آسماں پر

خوشی سے مل گئے لب دونوں باہم
الٰہی کس کا نام آیا زباں پر

خدا کا شکر ہے مرتا ہوں تم پر
جناب شیخ حورانِ جناں پر

کیا مُردہ دلوں کو جس نے زندہ
میں قرباں اُس مسیحائے زماں پر

قفس میں جسم کے غمگیں ہے بیٹھا
گرائے طائرِ روحِ رواں پر

اُڑے خاکِ شہیداں کے جو ذرّے　ستارے بن گئے وہ آسماں پر
پروں پر ہی نہیں موقوف اڑنا　کہ ہیں مرغِ تخیل کے کہاں پر
خدا کی سلطنت سے کب ہے باہر　زمیں پر ہو کوئی یا آسماں پر
سمندر سے ملا جس وقت قطرہ　انا البحر آگیا اس کی زباں پر
سخن فہمی پہ میں اے برقؔ ان کی
وہ خوش ہیں میرے اندازِ بیاں پر

○

دنیا بھر سے ناتا توڑ　رشتہ بس اللہ سے جوڑ
عشق کی مے آنکھوں سے پی　جام پٹک ساغر کو پھوڑ
دشتِ جنوں کی بھی کر سیر　اسپ خرد کی باگ کو موڑ
مار سکے تو نفس کو مار　چھوڑ سکے تو حرص کو چھوڑ
کھا مظلوم کی آہ سے خوف　ظالم کا دے ہاتھ مروڑ
اہلِ وفا کے پاؤں کو چوم　اہلِ جفا سے ہاتھ نہ جوڑ
خود بھی سنبھل اوروں کو سنبھال
برقؔ کی باتوں کا ہے نچوڑ

○

ہو نہ اس طرح شبِ غم تو پریشاں ہرگز　اس سے حاصل نہیں کچھ اے دلِ ناداں ہرگز
بارِ سر سے جو سبکدوش کیا ہے مجھ کو　میں نہ بھولوں گا تری تیغ کا احساں ہرگز
حرص و بخل و حسد و کینہ رہیں گے جس میں　اُس کے دل میں نہ رہے گا کبھی ایماں ہرگز
صاف کہہ دو جو تمھیں وصل نہیں ہے منظور　جھوٹا وعدہ نہ کرو مجھ سے مری جاں ہرگز
فیض اٹھاتا نہ اگر سالکِ ذی ہوش سے کچھ
برقؔ ہوتا نہ کبھی صاحبِ دیواں ہرگز

نور کی کرنیں نمایاں ہیں حریم دل کے پاس
لیلیٰ فطرت ہے کیا اس پردۂ محمل کے پاس

عاشقوں کا جذبۂ شوق شہادت دیکھیے
سر ہتھیلی پر لیے جاتے ہیں خود قاتل کے پاس

جو کنارے سے لگادے مرحبا اس موج کو
حیف اس کشتی پہ ڈوبے آکے جو ساحل کے پاس

بحر ایک قطرہ ہے میری چشم تر کے روبرو
کوہ اک ذرہ ہے میری پتلیوں کے تِل کے پاس

گھر سے نکلے تھے تلاشِ منزلِ حق میں مگر
کھو گئے خود ہی پہنچ کر حیف ہم منزل کے پاس

شام کو اس نے کہا ہے آج کی رات آئیں گے
حال میرا اس طرح پہنچا ہے مستقبل کے پاس

ایک جانِ زار ہے جو آپ ہی پر ہے فدا
اور کیا اس کے سوا رکھا ہے مجھ بیدل کے پاس

کرلیا طے میں نے کب کا جادۂ راہِ فنا
خضر ابھی جھک مارتے ہیں زیست کی منزل کے پاس

اب سرشکِ شوق بن کر آگئیں پلکوں پہ وہ
خون کی بوندیں جمی تھیں جو ہمارے دل کے پاس

سچ جو پوچھو زندگی کا ماحصل تھی وہ گھڑی
جس کا اک لمحہ بھی گزرا مرشد کامل کے پاس

پیرِ مشکل کشاؑ ہوں برقؔ وقتِ ابتلا
لوگ کیوں آئیں نہ مجھ سرکردۂ مشکل کے پاس

جنگل جنگل کیوں ہے باس
جوگی وہ ہیں تیرے پاس

نزع میں بھی آنکھیں نہیں بند
ہے کس کے دیدار کی آس

ہوگیا اس کا بیڑا پار
جس کو محبت آگئی راس

خیر تو ہے کیسا ہے مزاج
چہرہ کیوں ہے آج اُداس

جسم کثیف میں روح لطیف
مٹی میں ہے پھول کی باس

بیٹھیں ہم آخر کیوں مایوس
جب تک سانس ہے تب تک آس

وردِ زباں رہے ان کا نام
اِس کے سوا سب ہے بکواس

نخش غزل اور فکر لطیف   کیا میں ہرن پر لاد دوں گھاس

ڈر تو خدا سے ڈر اے برقؔ
کیوں ہے بتوں سے خوف و ہراس

○

ہر بنا کو فطرتاً رہتی ہے بانی کی تلاش   ہے مری تصویر کو اک رشکِ مانی کی تلاش
ذرے خشکی پر فدا قطرے سمندر پر فدا   مٹی کو مٹی کی ہے پانی کو پانی کی تلاش
یہ نہ پوچھو کب ملے گا اور ملے گا وہ کہاں   دل کو ہے اک لا زمانی لا مکانی کی تلاش
جھک کے چلتے ہیں ضعیفی میں یہ کیوں سب لوگ کیا   مل گئی مٹی میں جو ہے اُس جوانی کی تلاش
وہ بلاکش ہوں کہ میری خاک سوئے آسماں   کرتی ہے اُڑکر بلائے آسمانی کی تلاش
یوں تو ڈھونڈے سے زمانہ بھر میں مل سکتا نہیں   آئینہ دیکھو اگر ہے اپنے ثانی کی تلاش

برقؔ کی نظموں کو پڑھیے اور سمجھئے غور سے
آپ کو کچھ ہے اگر جادو بیانی کی تلاش

○

عشق میں کرتے ہیں کب بیٹھ کے آرام خواص   صبح کرتے ہیں کہیں اور کہیں شام خواص
دھیرے دھیرے کیے جاتے ہیں جو ہے کام خواص   چپکے چپکے لیے جاتے ہیں ترا نام خواص
کس کے ہاتھوں میں ہے مضبوط کمند ہمت   کون پہنچے گا جو پہنچیں نہ لبِ بام خواص
جو ملا درد اسے سمجھے کہ دوا ہے دل کی   جو ملا غم اسے سمجھے کہ ہے انعام خواص
دامنِ صبر نہ چھوڑا کبھی مرتے دم تک   شکر ہے باز نہ آئے تہہِ صمصام خواص
جامۂ فقر پہن کر نہ اُتارا ہرگز   کھولتے ہیں کہاں پھر باندھ کے احرام خواص

زال دنیا نے بہت جال بچھایا لیکن
برقؔ آئے کبھی ہرگز نہ تہہ دام خواص

○

مجھ کو ہے اُن سے غرض ان کو مرے دل سے غرض
خود غرض دونوں ہیں پوری ہوگی مشکل سے غرض

حق کا رستہ اور ہے باطل کا رستہ اور ہے
حق پسندوں کو ہو کیوں پھر اہلِ باطل سے غرض

بیخودی نے کر دیا یوں بے نیازِ رسم و راہ
اب نہ رہبر کی تمنا ہے نہ منزل سے غرض

نحن اقرب کا اشارہ جس نے سمجھا ہے اسے
کوہ و صحرا میں ہو کیوں قطع منازل سے غرض

آنکھ ہی کھولی ہو جس نے گود میں گرداب کی
کیوں ہو اُس پروردۂ طوفاں کو ساحل سے غرض

خال رخ کو دیکھ کر میں ہو گیا یوں محوِ دید
وہ یہ سمجھے اِس کو ہے شاید اسی تِل سے غرض

تشنۂ جام فنا کو جام مے سے کام کیا
اِس کو ہے آبِ دمِ شمشیر قاتل سے غرض

موت کے خطرے سے جس کی زندگی دشوار ہو
کام کوئی بھی نہ ہوگا ایسے بزدل سے غرض

چھپتا ہے کون دیکھیں آئینہ کو دیکھ کر
سامنا ہے آج اک مدِ مقابل سے غرض

زلف جاناں میں جو ہو خود ہی گرفتار اے جنوں
ایسے دیوانے کو کیا طوق و سلاسل سے غرض

نیمِ جاں کرتا ہے قاتل قتل کرنے کے بجائے
برقؔ شاید ہے اسے بس رقص بسمل سے غرض

تو ہی بتا یہ اے بت قاتل ہے کیا غلط
شکوہ مرا غلط ہے کہ وعدہ ترا غلط

کس سے ہو اور کس سے نہ ہو یہ رہے خیال
کہتا ہے کون یہ کہ ہے شرم وحیا غلط

فکر علاج عشق ہے اے چارہ گر فضول
کیا خاک فائدہ ہو کہ جب ہے دوا غلط

الفت میں چاہیے کہ خیال دوئی نہ ہو
اس میں ہے امتیاز ہما و شما غلط

سمجھوں نہ کیوں کہ ہے کوئی در پردہ اور بھی
سوچی جو بات میں نے ہوئی بارہا غلط

قلب و جگر کو اپنے بچاؤں میں کس طرح
پڑتی نہیں کبھی تری تیغ ادا غلط

مرنے سے پہلے موت کے معنی سمجھ کہ ہے
افسانۂ سکندر و آب بقا غلط

جوش جنوں ہے عشق میں عاشق کا خضر راہ
اے عقل تو بنی ہے یہاں رہنما غلط

پوچھا جو میں نے تم سا ہے کوئی حسیں بھی اور — بولے نہ پوچھ یہ کہ ہے یہ پوچھنا غلط
ہوتی ہے بے دلیل محبت کی چھیڑ چھاڑ — میری ہر ایک بات پہ اس نے کہا غلط
منزل تک اپنی برقؔ رسائی ہو کس طرح
جوشِ جنوں میں جب کہ قدم ہی اٹھا غلط

○

جب اٹھ چکا تو اپنے قدم کا ہی کر لحاظ — وعدے کا گر نہیں تو قسم کا ہی کر لحاظ
پروردگار میرے گناہوں پہ تو نہ جا — تو ہے کریم اپنے کرم کا ہی کر لحاظ
زلفوں کے پیچ کا نہیں تجھ کو اگر خیال — ابروئے پُرجلال کے خم کا ہی کر لحاظ
آ میرے گھر نہیں تو بلا اپنے گھر مجھے — میرا نہیں تو کچھ مرے غم کا ہی کر لحاظ
لازم ہے احترام در دوست کچھ نہ کچھ — بت خانے کا نہیں تو حرم کا ہی کر لحاظ
کھاتا نہیں تو بھوک کے ماروں ہی کو کھلا — اپنے نہیں تو ان کے شکم کا ہی کر لحاظ
میرا نہیں تو اپنی وفا کا ہی رکھ خیال — موجود کا ہے نہیں تو عدم کا ہی کر لحاظ
بدنام ہوگی یہ جو مرا سر نہ اڑ سکا — سفاک اپنی تیغ دو دم کا ہی کر لحاظ
اوروں کی طرح فحش مضامین نہ کر رقم
اے برقؔ اپنے پاک قلم کا ہی کر لحاظ

○

فصلِ جنوں پھر آ گئی اے ہوش الوداع — جا اور جا کے ہو کہیں روپوش الوداع
جب تو سہی کہ قبر تک آنا پڑے تجھے — اچھا تو آج عہد فراموش الوداع
بالیں پہ جب وہ آئے مریض غم فراق — بس اتنا کہہ کے ہوگیا خاموش الوداع
کس نے لگایا ہاتھ کہ کھلتے ہی کاگ کے — بوتل سے بول اٹھی مئے سرجوش الوداع
جب آئے وہ تو دیکھ کے میں نے انھیں کہا — سونپا خدا کو جا تجھے اے ہوش الوداع

مے نوش کہہ رہا ہے کہ اے خم خوش آمدید	خُم ہنس کے کہہ رہا ہے ہے کہ مینوش الوداع

ابرو کی تیغ برقؔ بس اٹھنے کی دیر تھی
سر نے کہا یہ دوش سے اے دوش الوداع

دل میں ہے اپنے عشق کا داغ	یا روشن ہے کوئی چراغ
ان کی یاد میں ہے واللہ	دنیا بھر کے غم سے فراغ
اہل جنوں کی ہے جاگیر	صحرا ہو یا ہو وہ باغ
گم ہوئے ان کی کھوج میں یوں	پھر نہ ملا کچھ اپنا سراغ
شمع جمال اللہ اللہ	بجھ گئے سب محفل کے چراغ
عیب و ہنر کی گر نہ ہو قید	کوئل سے با وزن ہے زاغ
لینا دینا تھا کیا خوب	لے گئے دل اور دے گئے داغ
ان کا ہی گن گاتے ہیں طیور	گلشن گلشن باغ بہ باغ

برقؔ کا بتلائیں کیا حال
عرش پہ اب رہتا ہے دماغ

آپ ہی ہیں تو ہوچکا انصاف	چلئے دیکھا ہے آپ کا انصاف
ہوچکی اب بتوں کے ظلم کی حد	جلد فرما مرے خدا انصاف
غیر نے کی خطا مجھے کوسا	یہ کیا آپ نے بڑا انصاف
دل مرا لے کے مجھ کو دَم دینا	خود ہی کہیے ہے کونسا انصاف
بخش میرے گناہ کو کہ نہ بخش	وہ کرم ہوگا یہ ترا انصاف

مارتے ہیں کہ جلد مرجائے — ظلم میں ہے ملا جلا انصاف

بادشاہوں سے برقؔ جو نہ ہوا
کر گئے اہل بوریا انصاف

حسن میں ہیں جو وہ یگانہ و طاق — عشق میں ہم ہیں شہرۂ آفاق
ذکرِ سوز فراق تھا جس میں — جل گئے اُس کتاب کے اوراق
سامنے ہر گھڑی ہے آئینہ — کیا خود اپنے وہ ہوگئے مشتاق
دور کرتا ہے دل سے کبر وغرور — عشق تو ہے معلّم اخلاق
تیغ ابروئے یار کیا کہیے — سراڑانے میں ہے بڑی مشاق
نور کے دو ستون ہیں گویا — اللہ اللہ وہ بلوریں ساق
کوہکن نے پہاڑ تو کاٹا — اور کاٹے کٹی نہ شام فراق
وعظ کی پند کی نصیحت کی — گزری ہر بات میرے دل پر شاق

یوں ہے اے برقؔ دل میں عشق کا سوز
آتش اندوز جس طرح چقماق

جُدائی میں ہیں آنکھیں مثلِ شبنم اشکبار اب تک — نہ وہ آئے نہ آئی دل کے گلشن میں بہار اب تک
تعجب ہے ازل ہی سے چراغ ماہ وخور لے کر — یہ کس کو ڈھونڈھتی ہے گردشِ لیل ونہار اب تک
زمانہ ہوگیا دل پر نظر ڈالی تھی جب اُس نے — دھڑکتا ہے کلیجہ کیوں الٰہی بار بار اب تک
خرد نے ڈال دی راہ محبت میں سپر لیکن — جنون آرزو تھک کر نہ بیٹھا زینہار اب تک
گرفتار فریب رنگ وبو ہے تو عبث بلبل — قبائے گل ہے خود اس گل کے غم میں تار تار اب تک

شہیدوں نے تو اک چشم زدن میں جیت لی جنت
رگڑتا رہ گیا سر زاہد شب زندہ دار اب تک

یقیناً طالبِ دیدار جاناں ہے تو بس یہ ہے
نہ جھپکی آنکھ نرگس کی چمن میں زینہار اب تک

سبکدوشی ہوئی حاصل نہ سر دے کر بھی الفت میں
کہ ہے قاتل کے احساں کا مری گردن پہ بار اب تک

قدم چومے تھے شاید رہنوردان محبت کے
جبھی تو مثل گُل کے سرخرو ہے نوکِ خار اب تک

تعال اللہ یہ ضوباریاں شمعِ رسالت کی
نہ جانے کتنے پروانے ہوئے ہونگے نثار اب تک

رفاقت ہوگئی ضرب المثل صدیقؓ اکبر کی
کہا کرتے ہیں قلبی دوستوں کو یار غار اب تک

عنادل نے لگایا گُل سے دل گُل نے عنادل سے
چمن میں مثل سبزہ ہم رہے بیگانہ وار اب تک

ازل میں کُن کہا اور ہوگئے پردے میں وہ پنہاں
خدا رکھے مگر جلوہ ہے عالم آشکار اب تک

کوئی دیکھے تو یہ رفعت تمہارے پایمالوں کی
کیا کرتا ہے باتیں چرخ سے جن کا غبار اب تک

انہیں مردہ کہے جو درحقیقت خود ہی مردہ ہے
زیارتگاہ عالم برقؔ ہے جن کا مزار اب تک

اب دستِ جنوں اے دل پہنچا حدِ امکاں تک
لے صاف ہوا مطلع دامن سے گریباں تک

اے ذوقِ طلب تو ہی لے چل درِ جاناں تک
وحشت نے تو چھوڑا ہے پہنچا کے بیاباں تک

یاد ان کی اگر آئے کس طرح یہ ممکن ہے
چونکے نہ رگِ دل تک پھڑ کے نہ رگِ جاں تک

کلیوں کے تبسم پر روتی ہی رہی شبنم
آغازِ بہاراں سے انجام بہاراں تک

جمعیت خاطر میں اے برقؔ یہ کیا ہوتے
ہیں رشک گہر تیرے افکارِ پریشاں تک

آندھی چمن سے کیوں ہے اٹھی بھر کے منھ میں خاک
جھونکے گی کیا بہار کے منظر کے منھ میں خاک

ساحل پہ ڈال دے تو تلاطم کو آفریں
کشتی اگر ڈبودے تو لنگر کے منھ میں خاک

لڑتا ہوا مرے تو مجاہد کو مرحبا
میداں سے بھاگ جائے تو لشکر کے منہ میں خاک
ہم ہیں ازل سے خوگرِ آلام روزگار
کتنا ستم کرے گا ستمگر کے منہ میں خاک
صرصر چمن میں آکے مکدر ہوئی ہے خود
بھرنے چلی تھی بلبل بے پر کے منہ میں خاک
لکڑی جلی تو آگ میں تبدیل ہوگئی
جل کر بجھی تو بن گئی مجمر کے منہ میں خاک
حاصل لڑائیوں کا یہی دیکھئے کہ ہے
دارا کے منہ میں خاک سکندر کے منہ میں خاک
کرتا ہے بند اہلِ گلستاں کے چہچہے
بدذوق باغباں ترے گھر بھر کے منہ میں خاک
کس رند کے غبار نے تلچھٹ کی شکل میں
بھردی ہے یہ شرابِ مقطر کے منہ میں خاک
آخر سراب ریگ بیاباں نے جھونک دی
دریائے تشنگی کے شناور کے منہ میں خاک
بیٹھا ہے نزد یار پس پشت غیر بھی
ہے کوئی جو کہ بھردے موخر کے منہ میں خاک
پیغمبری تو ذاتِ محمدؐ پہ ختم ہے
کاذبِ مسیلمہ سے پیمبر کے منہ میں خاک
برسات کی ہوا سے اسے کیا مناسبت
ہے آب اس کے منہ میں تو صرصر کے منہ میں خاک
ہم ہیں ادیب ہم کو سیاست سے کام کیا
جھونکیں گے آشتی سے ہر اک شر کے منہ میں خاک
نشۂ نے خود پٹک کے سرِ راہ بارہا
بھردی شرابِ ناب کے خوگر کے منہ میں خاک
مفلس کی مفلسی پہ نہ آئے جسے ترس
اے برقؔ اس بخیل تونگر کے منہ میں خاک

○

کہتے ہیں ساکنان لحد بھر کے منہ میں خاک
بھرلیگی ساری خلق یونہی مر کے منہ میں خاک
مرنے کے بعد الفت احباب دیکھئے
لائے مزار تک تو گئے بھر کے منہ میں خاک
اڑ کر مرا غبار جو چاہے تو جھونک دے
اوج فلک پہ خسروِ خاور کے منہ میں خاک
دونوں کا ایک حال ہے کنج مزار میں
کسریٰ کے منہ میں خاک ہے قیصر کے منہ میں خاک
سوز دروں سے حسرت وارماں کا ہے یہ حال
اڑتی ہے اب تو دل سے بھرے گھر کے منہ میں خاک
شاید کہ میرے بعد ہو اے پیر میکدہ
مینا و جام و شیشہ و ساغر کے منہ میں خاک
عقدہ کھلا یہ کان جواہر کو دیکھ کر
جوہر ہے منہ میں خاک کے جوہر کے منہ میں خاک

نادم ہو کیوں نہ کشتۂ الفت کے سامنے
چلنے کے ساتھ بھر گئی خنجر کے منہ میں خاک

یوسف سے مہ جبیں کو کنوئیں میں جو ڈال دے
ایسے سیاہ قلب برادر کے منہ میں خاک

ماتھا رگڑ رگڑ کے بناتا ہے داغ شیخ
یا بھر رہا ہے اپنے مقدر کے منہ میں خاک

موجوں کی سرکشی کا نتیجہ تو دیکھئے
ساحل نے ٹھونس دی ہے سمندر کے منہ میں خاک

نقشہ ہے بے ثباتیٔ عالم کا آشکار
عبرت کا آئینہ ہے سکندر کے منہ میں خاک

مدفن میں برقؔ ایک سماں ہے ہر ایک کا
کمسن کے منہ میں خاک معمر کے منہ میں خاک

سنکر ان ابروؤں سے کہ خنجر کے منہ میں خاک
نوکِ مژہ بھی کہتی ہے نشتر کے منہ میں خاک

سنتے ہیں جب وہ میری زبانی مرا بیاں
کیوں اُس سے نامہ بھیجوں کبوتر کے منہ میں خاک

ہم عاشقوں کے سامنے دندانِ یار کے
جوہر کی بات کیجئے گوہر کے منہ میں خاک

آب حیات پا کے یہ پیتا نہیں تو پھر
بھر دیں کہیں خضر نہ سکندر کے منہ میں خاک

کھولے گا راز عشق اگر یہ کھلا رہا
بولے مرے مزار کے وہ بھر کے منہ میں خاک

جاتا ہے سیر وادیٔ دل چھوڑ کر کہاں
ناآشنائے کوچہ دلبر کے منہ میں خاک

کیا حشر باغباں کا ہو اب دیکھنا ہے یہ
بجلی تو آشیاں سے گئی بھر کے منہ میں خاک

مجنوں لحد سے گرد اڑاتا ہوا اٹھا
جھونکے کہیں نہ مجمع محشر کے منہ میں خاک

افشاں نہیں ہے اس نے یہ مرگ رقیب پر
ڈالی ہے اپنی زلف معنبر کے منہ میں خاک

جب آسکی نہ شیخ کے عقد نکاح میں
جھنجھلا کے بولے تاک کی دختر کے منہ میں خاک

دیوانہ کارواں سے جو آگے نکل گیا
پڑتی ہے اس کے پاؤں کی رہبر کے منہ میں خاک

بے وجہ گاڑتے نہیں سونا زمین میں
در پردہ ڈالتے ہیں یہ سب زر کے منہ میں خاک

محو خرام ناز اسے دیکھ لے جو تو
چلا اٹھے کہ فتنہ محشر کے منہ میں خاک

دعوائے ہمسری ہے تجھے چشم یار سے
اے نرگس چمن ترے تیور کے منہ میں خاک

کرنا ہے برقؔ مجھ کو طوافِ درِ حبیب
اے کاش کوئی بھر دے سگِ در کے منہ میں خاک

لازم ہے حسنِ یار کے ہمسر کے منہ میں خاک
جھونکے کہیں صبا نہ گُلِ تر کے منہ میں خاک

خال رخ حبیب کی دیکھی جو آب وتاب
اڑنے لگی ہے انجم و اختر کے منہ میں خاک

زینت تو وہ کرے ہو کمی جس میں حُسن کی
ہو آپ سا حسین تو زیور کے منہ میں خاک

ہے جو کہ میری آہ شرر بار میں نہاں
اس میں کہاں وہ سوز ہے اخگر کے منہ میں خاک

سب زہر اس کی زلف کی ناگن میں ہے بھرا
افعی کے منہ میں خاک ہے اژدر کے منہ میں خاک

پڑھنے کے بعد ڈر ہے وہ ایسا نہ ہو مرے
خط کو جلا کے بھر دے کبوتر کے منہ میں خاک

منحوس ہے تو سلک مضامیں میں باندھ کر
جب کہیے جھونک دوں میں سنیچر کے منہ میں خاک

بھولے سے اس کے قد کو جو تشبیہ اس سے دی
بولا وہ سرو قد کہ صنوبر کے منہ میں خاک

حیراں بہت ہوں کونسا دوں ان کو اب لقب
کہتا ہوں بت تو کہتے ہیں پتھر کے منہ میں خاک

تولا جواہرات میں جاتا تھا یہ کبھی
اڑتی ہے اب تو ہائے سخنور کے منہ میں خاک

کیسا یہ انقلاب زمانے میں ہے بتا
اے گردشِ فلک ترے چکر کے منہ میں خاک

اردو زباں سے آنکھ ملاتی ہے وہ زباں
بھر لی ہے جس نے پیش ادب مر کے منہ میں خاک

زندہ ہوں میں خبر مرے مرنے کی چھاپ دی
جی چاہتا ہے بھر دوں اڈیٹر کے منہ میں خاک

بزم ادب کی شان انھیں موتیوں سے ہے
جوہر سخن کا دیکھئے گوہر کے منہ میں خاک

دھبہ سا آ رہا ہے نظر برقؔ ہو نہ ہو
ڈالی کسی نے ماہ منور کے منہ میں خاک

پیاسا کیا شہید ستمگر کے منہ میں خاک
تیر آزمائے گردنِ اصغرؑ کے منہ میں خاک

عباس نامدارؑ کے گھوڑے کی ٹاپ سے
اڑ کر پڑی یزید کے لشکر کے منہ میں خاک

ناموس مصطفےٰؐ کا نہ کچھ بھی کیا لحاظ
غارت گرانِ خیمہ و چادر کے منہ میں خاک

آخر چلی اک ایسی ہوا جس نے جھونک دی
اعدائے آلِ پاک پیمبرؐ کے منہ میں خاک

پیاسا پکڑ کے قاتل شبیرؑ کو علیؑ بھر دیں نہ پاس چشمہ کوثر کے منھ میں خاک
شیر خدا نے رن میں پچھاڑا کچھ اس طرح مرحب کے منھ میں خاک تھی عنتر کے منھ میں خاک
پھینکا جو بوتراب نے پھاٹک اکھاڑ کر اڑنے لگی تھی قلعہ خیبر کے منھ میں خاک
عُمر ابن عبدود جو بہت ڈینگنے لگا بھر دی علیؑ نے قتل اسے کر کے منھ میں خاک
فرعون اس طرح سے ہوا غرق نیل میں
اے برقؔ زیر آب تھی خودسر کے منھ میں خاک

عشق کا لپکا آگ ہے آگ جان کے لوبھی چل، ہٹ بھاگ
اسپِ خرد اور عشق کی راہ چھوٹ نہ جائے ہاتھ سے باگ
اب تو سوائے یادِ حبیب دل میں ہے کوئی روگ نہ راگ
کیسا گریباں کیسی جیب توڑ کے پھینکا اک اک تاگ
خنجر ابرو اور دلِ زار جیسے چھری کی باڑھ پہ ساگ
نوکِ مژہ ہے یا سوفار زلفیں ہیں یا کالے ناگ
مل کر چھوٹا ان کا ساتھ اُف رے مقدر ہائے رے بھاگ
حور کی خواہش حُسن سے بَیر واعظ بھی ہے پرانا گھاگ
ایک جوانی صد آفات ایک محبت سو کھڑاگ
حُسن کا دریا موج ہی موج عشق کے منہ میں جھاگ ہی جھاگ
دل ہے یونہیں زخموں سے چور ناصح تو نہ سپاری پاگ
سازِ نفس میں ہے مستور نغمہ ہی نغمہ راگ ہی راگ
جوششِ مے اللہ اللہ بوتل سے اُڑ جائے نہ کاگ
دیکھ وہ سورج دیکھ وہ دھوپ سونے والے اب بھی جاگ
عرض طلب پر چیں بہ جبیں حُسن کو شاید آ گئی لاگ

ہے بین العشاق رقیب یا ہنسوں میں کوئی کاگ
برقؔ اسے کہتے ہیں شہید
خون سے جس نے کھیلا پھاگ

○

بتلاؤں کیا جو عشق میں حالت ہے آج کل
ناگفتہ بہ مزاج کی صورت ہے آج کل
عنقا صفت ہے طاقتِ صبر و قرارِ دل
خواب وخیال عشرت وراحت ہے آج کل
پژمردگی ہے چھائی ہوئی قلب وروح پر
چہرہ نڈھال اُداس طبیعت ہے آج کل
جو شام ہے وہ شام غریباں کی ہے مثال
جو صبح ہے وہ صبح قیامت ہے آج کل
واعظ سے اور مجھ سے ہے صورت بگاڑ کی
ناصح سے اور مجھ سے عداوت ہے آج کل
سنتا ہے کون ناصحِ مشفق تمہاری بات
اُس گُل کی یاد سے کسے فرصت ہے آج کل
رگ رگ میں برقؔ آگ کی صورت ہے شعلہ زن
آمادہ دشمنی پہ محبت ہے آج کل

○

مرمٹے ہجر میں سوزِ غم فرقت کی قسم
جانِ لیلیٰ کی قسم قیس کی تربت کی قسم
شب کو سوتا ہوں تو کروٹ نہیں بدلی جاتی
ناتوانی کی قسم دردِ محبت کی قسم
ضعف سے تاب نہیں پاؤں اٹھانے کی رہی
خار صحرا کی قسم وادئ وحشت کی قسم
آرزوئے دلِ ناشاد نہ برآئی کبھی
جان شیریں کی قسم شوق شہادت کی قسم
برقؔ دشمن کو بھی اللہ نہ دے درد فراق
قلب مضطر کی قسم شومئ قسمت کی قسم

○

مرکزِ عرفاں ہے زاہد میرے میخانے کا نام
چشم ساقی کو دیا ہے میں نے پیمانے کا نام

روشنی کا جب یہ عالم ہے تو رکھنا چاہیے
مطلعِ انوار پتلی کے سیہ خانے کا نام

یہ نہ جلتی تو وہ ہوتا کس طرح اس پر نثار
شمع نے روشن کیا ہے جل کے پروانے کا نام

کیجئے قدرِ جوانی یہ ہے مہمان عزیز
جب بڑھاپا آئے گا لے گا نہ پھر جانے کا نام

پہلے اے شانہ ترا صد چاک ہونا شرط ہے
بعد کو لینا پھر ان کی زلف سلجھانے کا نام

دیکھتے ہیں آپ جس کو آئینہ میں غور سے
کیا ہے کہیے تو سہی اُس جانے پہچانے کا نام

یہ جو مٹ جائیں تو پھر کعبہ کی ہو پہچان کیا
یعنی بت خانوں سے قائم ہے خدا خانے کا نام

کیا عجب کہتے ہوں یہ شہرِ خموشاں کے مکیں
ایسی آبادی کو کیوں دیتے ہو ویرانے کا نام

مختصر سی عمر میں ہم جان سے بیزار ہیں
خضر لیتے ہی نہیں جینے سے اُکتانے کا نام

جو حقیقت ہے نہ ہوگی وہ کبھی ہرگز فنا
کچھ دنوں کے بعد مٹ جائے گا افسانے کا نام

حضرت ناصح پہ مجھ کو برقؔ آتا ہے ترس
جب وہ بے سمجھے ہوئے لیتے ہیں سمجھانے کا نام

کیوں نہ ہم یاد کسی کو سحر و شام کریں
ہو نہ اِتنا بھی محبت میں تو کیا کام کریں

ہائے تربت پہ مری ناز سے کہنا ان کا
آپ لیٹے ہوئے اب حشر تک آرام کریں

اس زمانے میں ترے بادیہ پیما بھی عجب
جم کے بیٹھیں جو کہیں مثل نگیں نام کریں

کعبہ و دیر کا مٹ جائے جہاں سے جھگڑا
جلوۂ حسن حقیقت وہ اگر عام کریں

شیخ جی یہ بھی کوئی بات ہے میخانے میں
آپ روزہ رہیں ہم شغل مئے وجام کریں

مفت خوری کا طریقہ نہیں اچھا صاحب
ہم بھی کچھ کام کریں آپ بھی کچھ کام کریں

آج ہی کیوں نہ گلے مل لیں کسے کل معلوم
ہم کہاں صبح کریں آپ کہاں شام کریں

آپ کا نقش قدم پیش نظر ہے جن کے
سجدۂ شوق نہ کیونکر وہ بہ ہر گام کریں

ہنس کے فرماتے ہیں مجھ عاشق گمنام سے وہ
آپ بدنام جو ہوجائیں بڑا نام کریں

سچ تو ہے اپنی ہی غفلت نے ہے روندا ہم کو
کس لیے ہم گلہ گردش ایام کریں

مل کے گلچیں سے یہ صیاد نے کی ہے سازش
پھونک کر صحن چمن برقؔ کو بدنام کریں

○

بہاریں ہے خزاں ہے اور میں ہوں
گلستان جہاں ہے اور میں ہوں

جبیں سجدہ کناں ہے اور میں ہوں
کسی کا آستاں ہے اور میں ہوں

محبت حکمراں ہے اور میں ہوں
کسی کی ہاں میں ہاں ہے اور میں ہوں

زمیں پر پاؤں پڑتے ہیں کسی کے
فراز آسماں ہے اور میں ہوں

نشیمن باغباں نے پھونک ڈالا
ہر اک جانب دھواں ہے اور میں ہوں

بشانِ منفرد بزم ادب میں
مرا طرز بیاں ہے اور میں ہوں

تماشائی سمجھئے برقؔ مجھ کو
تماشائے جہاں ہے اور میں ہوں

○

کہا تھا بزم الست میں جو اسی کی تکمیل کررہا ہوں
میں تا بمقدور قول قالو بلیٰ کی تعمیل کررہا ہوں

سمجھ میں آئے نہ آئے سنتا ہوں وہ ہے وہم وگماں سے باہر
دماغ یکسو کیے ہوئے دل کو وقف تخئیل کررہا ہوں

انھیں تصور میں خوب جی بھر کے چھیڑتا ہوں شب جدائی
اسی بہانے میں اپنے غم کو خوشی میں تبدیل کررہا ہوں

مرے خیالات کی بلندی کا بام سدرہ ہے ایک زینہ
زمین پر بیٹھے بیٹھے سیر مقام جبریل کر رہا ہوں

نظر لڑی دوستی ہوئی عشق ہوگیا برقؔ اب جنوں ہے
وہ گویا اجمالی کیفیت تھی یہ اس کی تفصیل کر رہا ہوں

○

دل چھوڑ کے ہر راہ گزر ڈھونڈھ رہا ہوں
بیٹھے ہیں کہاں وہ میں کدھر ڈھونڈھ رہا ہوں
وہ پیشِ نظر ہیں تو نظر کیوں نہیں آتے
کیا میرا قصور اس میں اگر ڈھونڈھ رہا ہوں
باریک نگاری کی تمنا تو ہے لیکن
ملتا نہیں مضمونِ کمر دیکھ ڈھونڈھ رہا ہوں
پھونکوں گا نشیمن کی طرح اپنے اُسے بھی
اِس واسطے صیاد کا گھر ڈھونڈھ رہا ہوں
کہتے ہیں جسے عُرف میں سب صبحِ بہاراں
اُس شام جدائی کی سحر ڈھونڈھ رہا ہوں
جمتا ہی نہیں نوکِ مژہ پر کوئی آنسو
کانٹے پہ تُلے جو وہ گُہر ڈھونڈھ رہا ہوں
یہ جان کے اُس بُت کا ہے پتھر کا کلیجہ
اے برقؔ میں لوہے کا جگر ڈھونڈھ رہا ہوں

○

باقی رہے تو کہنا اک تار پیرہن میں
جانا سنبھل کے واعظ رندوں کی انجمن میں
حیراں ہے چشم نرگس کھلتا نہیں یہ عقدہ
زلفیں ہیں ان کے رخ پر یا چاند ہے گہن میں
ساقی کی دل لگی پر آئے ہنسی نہ کیونکر
تلچھٹ ہے اور وہ بھی پیمانۂ کہن میں
پیشِ نظر بھی رہ کر نظروں سے ہے وہ غائب
اک شمع جل رہی ہے اندھوں کی انجمن میں
قطرہ ہے ایک لیکن صحبت کا یہ اثر ہے
موتی بنا صدف میں مُشک آہوئے ختن میں
جی چاہتا ہے فوراً بڑھ کر گلے لگالوں
وہ دلکشی ہے تیغِ ابروئے صف شکن میں
لاکھوں برس کا سِن ہے بوڑھی ہے زال دنیا
مرتا ہے اے جواں کیوں تو حبِّ پیر زن میں

جانا ہے اس نے جب سے رازِ فنائے گلشن بیگانہ وار سبزہ رہنے لگا چمن میں
سن سن کر اہلِ محفل سب مست ہو رہے ہیں
ہے برقؔ اک طرح کا جادو ترے سخن میں

کس زلف کا سودا یہ سمایا مرے سر میں آرام اقامت میں نہ راحت ہے سفر میں
خوشبو جو اڑی گل سے تو گل ہنس کے یہ بولا دیوانے کبھی چین سے رہتے نہیں گھر میں
آئینۂ اسرارِ حقیقت ہے زمانہ خود نور نہیں دیدۂ آئینہ نگر میں
سورج سے نکلتا ہوا ہر تار شعاعی کرتا ہے رفو چاک گریبان سحر میں
اب رحمتِ یزداں مجھے خود ڈھونڈھ رہی ہے میرے لیے یعنی مری منزل ہے سفر میں
کیوں دل سے حسینوں کا تصور نہیں جاتا کیوں بُت یہ گُھسے آتے ہیں اللہ کے گھر میں
نکلا مرے اشکوں کا نہ کوئی بھی نتیجہ جوڑا کیا تا عمر صِفر یونہیں صفر میں
اے سیپ کرائے گا ترا چاک یہ سینہ گوہر یہ نہیں دشمن جاں ہے ترے گھر میں
کھلتا نہیں یہ راز کہ اے برقؔ تمہارے
نالے تو ہیں پُرزور کمی کیوں ہے اثر میں

اُس سے جُدا نہیں ہے کچھ عرصۂ کائنات میں تیر رہے ہیں بُلبُلے بحرِ عماء ذات میں
رُوح فنا سے ہے بری جسم میں ہو کہ بے جسد فرق دراصل کچھ نہیں موت میں اور حیات میں
ذات ہے یونہی منعکس آئینۂ صفات میں شمس ہے جیسے اک جگہ نور ہے شش جہات میں
شرحِ رموزِ عشق میں لفظ و بیاں کی قید کیا بند تھے لب زباں تھی چُپ آنکھ لگی تھی بات میں
دیکھ سکے اسے بھلا کوئی نگاہ کس طرح چہرۂ یار گم ہے خود اپنی تجلیات میں
مَردمکِ سیاہ کو نورِ تمیز بخش کر اُس نے دکھا دیا ہمیں دن کو چُھپا کے رات میں

لذتِ عشق ہمنشیں مل نہ سکے گی عمر بھر — نفس اگر دخیل ہے دل کے معاملات میں
میں ہی بدل گیا ہوں یا میری نظر بدل گئی — موت کا دیکھتا ہوں منہ آئینۂ حیات میں
ایسے ادیب اب کہاں بزم ادب میں ہمنشیں — روح کی مِل سکے غذا جن کی نگارشات میں
اہل کمال خاک ہوں اپنے وطن میں سرخرو — قدر جواہرات کیا کانِ جواہرات میں
اہل نظر کی آنکھ نے دیکھ لیا سمجھ لیا — چھپ کے بھی بچ سکے نہ وہ پردہ مُمکنات میں
عقل سلیم سے سمجھ میرا کلام ہمنشیں — رمز ہے لفظ لفظ میں بات ہے بات بات میں

راہِ فنا کے پیچ وخم برقؔ اسی سے پوچھئے
موت کی راہ کی ہو طے جس نے اسی حیات میں

رازِ ہستی حیف غفلت میں کہاں سمجھا تھا میں — جسم خاکی کے قفس کو آشیاں سمجھا تھا میں
عشق میں اس کی زمیں کو آسماں سمجھا تھا میں — منتشر داغوں کو دل کے کہکشاں سمجھا تھا میں
غور سے دیکھا تو نکلا محرم راز خدا — جس بشر کو ایک مشتِ استخواں سمجھا تھا میں
ساری دنیا کے سمجھتے ہیں نہ سمجھا آپ کو — درحقیقت جو سمجھنا تھا کہاں سمجھا تھا میں
دی شہادت میرے دست وپا نے خود میرے خلاف — اپنی ناسمجھی سے جن کو بے زباں سمجھا تھا میں
اپنی خوش فہمی پہ اب آتی ہے خود مجھ کو ہنسی — کیوں حماقت سے نہیں کو ان کی ہاں سمجھا تھا میں
خاک میں مل کر سمجھ میں آئیں اس کی سازشیں — دشمنِ جاں تھا وہ جس کو مہرباں سمجھا تھا میں
کیسے کیسے غنچہ وگل اس نے روندے پاؤں سے — باغ کا دشمن تھا جس کو باغباں سمجھا تھا میں
لٹ لٹا کر ہوش آیا اپنی بیہوشی کا اب — راہزن تھا جس کو میر کارواں سمجھا تھا میں
جل گئی کھیتی کہر سے جب تو یہ عقدہ کھلا — آگ تھی دراصل وہ جس کو دھواں سمجھا تھا میں
چاند پر اترا تو انساں نے تعجب سے کہا — وہ زمیں تھی جس کو اب تک آسماں سمجھا تھا میں
شاعری میں اک زمانہ وہ بھی گزرا مجھ پہ جب — تیرِ مژگاں کو تو ابرو کو کماں سمجھا تھا میں

حشر تک رہنا تھا جس میں برقؔ اس کو بھول کر
چار دن جس میں رہا اس کو مکاں سمجھا تھا میں

آئی ہے ان کی یاد غزل کہہ رہا ہوں میں
اے عشق زندہ باد غزل کہہ رہا ہوں میں

زحمت مشاعروں کی اٹھائے مری بلا
وہ دے رہے ہیں داد غزل کہہ رہا ہوں میں

روحِ عروض جھوم رہی ہے بصد خوشی
فن کر رہا ہے صاد غزل کہہ رہا ہوں میں

ناصح خدا کے واسطے اس دم نہ چھیڑ تو
اے بانیٔ فساد غزل کہہ رہا ہوں میں

اے حسنِ یار تیرے تصور کے فیض سے
عمرت دراز باد غزل کہہ رہا ہوں میں

واللہ تیرے عشق میں اے جانِ آرزو
ہر غم سے دل ہے شاد غزل کہہ رہا ہوں میں

ساقی نے بھر کے جام میں اے برقؔ ہاتھ پر
رکھ دی مری مراد غزل کہہ رہا ہوں میں

چلتا ہے دورِ جام غزل کہہ رہا ہوں میں
ہے میکدے کی شام غزل کہہ رہا ہوں میں

ساقیٔ نیک نام غزل کہہ رہا ہوں میں
اٹھ بھر دے میرا جام غزل کہہ رہا ہوں میں

لغزش نہ کھائیں گام غزل کہہ رہا ہوں میں
گرنے نہ پاؤں تھام غزل کہہ رہا ہوں میں

کوثر پہ روز حشر صلہ کی امید میں
اے رحمت تمام غزل کہہ رہا ہوں میں

لے لے کے تیرا نام بآوازۂ اذاں
مسجد کے زیر بام غزل کہہ رہا ہوں میں

پڑھیئے ذرا درود تو ساقی کے نام پر
سنئے بصد سلام غزل کہہ رہا ہوں میں

پھیلا کے دیکھ معنی واللیل کو ذرا
پیش سواد شام غزل کہہ رہا ہوں میں

چھیڑا ہے ان کا ذکر تو اب کان کھول کر
سُن تو بھی اے امام غزل کہہ رہا ہوں میں

اے زہد تجھ کو پیار تورع تجھے دعا
تقویٰ تجھے سلام غزل کہہ رہا ہوں میں

یاد حبیب آئی ہے بہر خدا ٹھہر
اے عمر تیزگام غزل کہہ رہا ہوں میں

پیش نظر ہے منزل قرب جناب حق
حیرت کا ہے مقام غزل کہہ رہا ہوں میں

دل کا مرے جھکاؤ تو اے برقؔ دیکھئے
در سجدۂ دوام غزل کہہ رہا ہوں میں

بیخودی سے جب کہ اپنے آپ میں آتا ہوں میں
ذرہ ذرہ میں انھیں کو جلوہ گر پاتا ہوں میں

سہمی سہمی مجھ سے اب رہتی ہیں سب دشواریاں
راستہ کی ٹھوکروں کو خود ہی ٹھکراتا ہوں میں

دیکھ کر میرے ارادے اب وہ فرماتے ہیں خود
تم وہیں بیٹھے رہو آتا ہوں میں آتا ہوں میں

مختصر تعریف میرے دل کی سن لے ہمنشیں
"ایک شیشہ ہے جو ہر پتھر سے ٹکراتا ہوں میں"

توڑ کر بیٹھا ہوں ان کی یاد میں جس دن سے پاؤں
وہ چلے آتے ہیں خود ہی اب کہاں جاتا ہوں میں

ہے عدم ہی سے گھرا سارے زمانے کا وجود
ہر گھڑی سب کو اسی کی گود میں پاتا ہوں میں

گریۂ شبنم سے قدرت اس کا کرتی ہے علاج
کوئی غنچہ جب یہ کہتا ہے کہ مرجھاتا ہوں میں

میری رندانہ روش پوچھے صراحی سے کوئی
ہچکیاں لیتی ہے اس کو یاد جب آتا ہوں میں

مجھ میں اور ناصح میں بس اے برقؔ اتنا فرق ہے
خود سمجھ لیتا ہوں تب اوروں کو سمجھاتا ہوں میں

کہا ایک فیلباں نے فیل سے یہ فیل خانے میں
رہی طاقت کے اوپر عقل غالب ہر زمانے میں

لگا کر چھپ کے آگ اور سامنے آکر بجھانے میں
کہیں ثانی نہیں رکھتے وہ اپنا اس زمانے میں

پئے انصاف ایسا ہو نہ ان کے پاس جانے میں
نمازیں بھی گلے پڑ جائیں روزے بخشوانے میں

یہ مانا ہم ہیں عاجز راہ پر لوگوں کو لانے میں
خضر کیا کر رہے ہیں اک زمانے سے زمانے میں

اِدھر ہے تاک میں گلچیں اُدھر ہے گھات میں بجلی
''کہو بلبل سے وہ غافل نہ بیٹھے آشیانے میں''

عمل اور کامیابی لازم و ملزوم ہیں دونوں
نہ ہو تدبیر سے غافل مقدر آزمانے میں

ہم ان کی چال کا رخ دور سے پہچان لیتے ہیں
ترے شطرنج کے جتنے ہیں مہرے خانے خانے میں

چمن میں دیکھ کر نرگس کو عبرت کیجئے حاصل
کہ خود ہی ہوگئی اندھی ہمیں آنکھیں دکھانے میں

اسیری سے کبھی ذوقِ رہائی دب نہیں سکتا
قفس ہم توڑ کر پہنچیں گے اک دن آشیانے میں

سوا اس کے کہوں کیا یا الٰہی صبر دے ان کو
جو مجھ کو قتل کرکے روتے پھرتے ہیں زمانے میں

جہاں جب چاہتا ہے کھینچ لے جاتا ہے یہ سب کو
نہ جانے برقؔ کیا ایسی کشش ہے آب ودانے میں

O

لطف تو آئے جب کہ محشر میں — شیخ گر جائیں حوضِ کوثر میں
جب سے سودائے عشق ہے سر میں — چین صحرا میں ہے نہ ہے گھر میں
نام روز ازل مرا اس نے — لکھ دیا عاشقوں کے دفتر میں
اس کے ہوتے کسی کی ہستی کیا — ذکر قطروں کا کیا سمندر میں
یادِ جاناں میں بھول بیٹھے سب — جو بھی سیکھا تھا زندگی بھر میں
فیض ساقی سے روح میخانہ — کھینچ لی میں نے دل کے ساغر میں

وہ بہرطور پیش آکے رہا
برقؔ لکھا تھا جو مقدر میں

میت پہ میری آکے وہ گریاں ہوئے تو ہیں
غافل رہے بلا سے پشیماں ہوئے تو ہیں

کیسے کہوں کہ ان کو مرا کچھ نہیں خیال
آثارِ غم جبیں سے نمایاں ہوئے تو ہیں

بربادیوں کے وقت بلا سے نہ لی خبر
رونق فزائے خانۂ ویراں ہوئے تو ہیں

آئے ہیں تعزیت کے لئے چند خوبرو
”محفل میں کچھ چراغ فروزاں ہوئے تو ہیں“

پروا نہیں جو مجھ کو ملایا ہے خاک میں
حالِ زبوں پہ سر بہ گریباں ہوئے تو ہیں

باطن میں غیر سے نہ ملے ہوں خدا کرے
ظاہر میں اس سے دست و گریباں ہوئے تو ہیں

کیا رہبرانِ قوم سے شکوہ کہ خیر سے
آساں پسند سب ہیں، تن آساں ہوئے تو ہیں

سمجھانے ہی بجھانے کی خاطر سہی مگر
واعظ شریکِ محفلِ رنداں ہوئے تو ہیں

دل میں جو کچھ تڑپ ہے تو بس صوفیوں کے ہے
طبلے کی تھاپ سنکے وہ رقصاں ہوئے تو ہیں

شعراء کسی سے فرض شناسی میں کب ہیں کم
محوِ ستایشِ لب و دنداں ہوئے تو ہیں

اہل جنوں بلا سے کسی کام کے نہیں
آباد ان سے کوہ و بیاباں ہوئے تو ہیں

اے شیخ یاد رکھئے کہ خندق ہے سامنے
راہِ سلف سے آپ گریزاں ہوئے تو ہیں

کہتی ہیں صاف ابروئے قاتل کی جنبشیں
خنجر زنی کی مشق کے ساماں ہوئے تو ہیں

مانا کسی زمانے میں بندر تھے ڈارون
فیضانِ ارتقا سے اب انساں ہوئے تو ہیں

آتی ہے برقؔ قبر شہیداں سے یہ صدا
ہم سب سے سرخرو ہیں کہ قرباں ہوئے تو ہیں

مٹا کر مجھ کو پچھتانے چلے ہیں
کرم اچھا وہ فرمانے چلے ہیں

چمن سے تو نکالا نوچ کر پَر
قفس میں پھینکنے دانے چلے ہیں

کوئی ناصح کو سمجھاؤ خدارا
کہ بے سمجھے وہ سمجھانے چلے ہیں

انھیں ہے شوق میری رہبری کا
خضر کو راہ دکھلانے چلے ہیں

خرد کی منزلِ آخر سے آگے
چلے ہیں کچھ تو دیوانے چلے ہیں
یہ راہِ میکدہ ہے شیخ صاحب
کہاں تکلیف فرمانے چلے ہیں
بخیر انجام ہو ان کا الٰہی
پرا باندھے جو پروانے چلے ہیں
سیاسی بھیڑیئے ہیں کُند دنداں
وہ کیا کھا کر مجھے کھانے چلے ہیں
جسارت کوئی شعلوں کی تو دیکھے
کہ مثلِ برقؔ لہرانے چلے ہیں

○

غضب ہے کور باطن روشنی کی بات کرتے ہیں
ستم ہے بوالہوس بھی عاشقی کی بات کرتے ہیں
گلوں کی چاک دامانی کا منظر دیکھ کر کانٹے
نئے انداز سے بخیہ گری کی بات کرتے ہیں
پرستارانِ الفت موت کا رونا نہیں روتے
شہیدانِ محبت زندگی کی بات کرتے ہیں
تصرف کر دیا ساقی نے کیا اک قطرۂ مے سے
کہ جتنے رند ہیں دریا دلی کی بات کرتے ہیں
سراسر دولت ایماں سے دل معمور ہے جن کا
میں ہنس دیتا ہوں جب وہ مفلسی کی بات کرتے ہیں
جو ہیں حسن بتانِ ماہوش کے مدح خواں ہردم
وہ ناداں چاردن کی چاندنی کی بات کرتے ہیں
جو کر دے بے نیاز ساتکین و شیشہ وساغر
جنابِ برقؔ اُس بادہ کشی کی بات کرتے ہیں

○

دل میں جا کرتے ہیں آنکھوں میں وہ گھر کرتے ہیں
اس کو اپناتے ہیں جس جس پہ نظر کرتے ہیں
لب تک اُن باتوں کو لانے سے زباں قاصر ہے
آنکھوں آنکھوں میں جوار بابِ نظر کرتے ہیں
سختیاں راہِ محبت کی الٰہی توبہ
پاؤں تھراتے ہیں جب عزمِ سفر کرتے ہیں
دل کو خوں کرتے ہیں فرقت میں تو خوں کو آنسو
پھر اسے ضبط فغاں کرکے گہر کرتے ہیں
چھیڑ غیروں سے ہے دراصل مخاطب میں ہو
اب توجہ وہ باندازِ دگر کرتے ہیں

جائے حیرت ہے کہ میں خود ہوں قفس میں لیکن سیر گلشن مرے ٹوٹے ہوئے پر کرتے ہیں

اپنے ہی نالوں سے نالاں ہوں میں اے برقؔ کہ اب
''نہ تو رکتے ہیں یہ کافر نہ اثر کرتے ہیں''

○

کچھ اس انداز سے ہم قصۂ میخانہ کہتے ہیں ٹپکتی ہے حقیقت اس سے جو افسانہ کہتے ہیں
نگاہ مست ساقی سے جو پیتے ہیں وہ کیا جانیں صراحی کس کو کہتے ہیں کسے پیمانہ کہتے ہیں
مبارک شیخ یہ جھگڑے تجھے ہم مست کیا جانیں کسے ہشیار کہتے ہیں کسے دیوانہ کہتے ہیں
تمھاری لغزشوں کو معصیت کہتے ہیں اے قبلہ ہماری لغزشوں کو لغزش مستانہ کہتے ہیں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا ہماری ناصح شفق تمھیں ہشیار ہو تو پھر کسے دیوانہ کہتے ہیں
ہماری چشم تر میں ایک ہی قطرہ سہی لیکن یہ وہ موتی ہے جس کو گوہر یکدانہ کہتے ہیں
خیال ماسوا ہرگز مرے دل میں نہیں آتا غلط کہتے ہیں اس کعبہ کو جو بت خانہ کہتے ہیں
حقیقت درد دل کہی جب سنی تو ہنس کے فرمایا بڑی اچھی طرح سے آپ یہ افسانہ کہتے ہیں

مجھے دیکھا تو اے برقؔ اس نے طنزاً غیر سے پوچھا
یہی وہ ہیں جنھیں روشنگر کاشانہ کہتے ہیں

○

نہ قرار ہو جسے ایک نفس وہ ہنسی وبال سے کم نہیں
نہ ثبات ہو جسے دو گھڑی وہ خوشی ملال سے کم نہیں

جسے دن کو چین نہ رات کو جو ترس رہا ہے حیات کو
وہ ہے بادشاہ تو کیا مگر کسی خستہ حال سے کم نہیں

ملے نانِ خشک تجھے اگر ہو قناعت اس پہ تجھے مگر
تری مفلسی ہے وہ گنجِ زر جو کسی کے مال سے کم نہیں

جو خودی سے چور کرے تجھے جو خدا سے دور کرے تجھے
وہ ترے عروج کی انتہا بہ قسم زوال سے کم نہیں

مری بیخودی کا مذاق اڑا نہ جہاں میں واعظِ خوش نوا
مرے ذوق و حال کی لذتیں تری قیل و قال سے کم نہیں

تجھے عکس ابروئے یار ہی پہ ہلال چرخ کا ہے گماں
مجھے عکسِ ناخنِ یار بھی بہ خدا ہلال سے کم نہیں

جسے نیک و بد کی تمیز ہے غم آخرت ہی عزیز ہے
غم دنیوی تو یہ اے جواں غم پیرزال سے کم نہیں

نہ سکوں ہو گر کسی حال میں تجھے فکرِ دولت و مال میں
تری زیست قید سے کم نہیں تری حرص جال سے کم نہیں

کبھی چھپ سکے گی نہ باغباں ترے ظلم و جور کی داستاں
کہ اب ایک برگ بھی باغ کا تو زبانِ حال سے کم نہیں

ہے زمانہ تیغ بکف تو کیا مرے دوست مجھ کو نہ تو ڈرا
مجھے اس کے فضل کا آسرا بہ قسم کی ڈھال سے کم نہیں

جو ستم کشوں کے ہر ایک غم میں چھپی ہیں برق مسرتیں
تو ستمگروں کی مسرتیں غم انفعال سے کم نہیں

فنا پذیر ہو کب اس کا اعتبار نہیں
بنائے ہستی موہوم پائدار نہیں

چلے جو چال سلامت روی کی گلشن میں
برنگِ نکہت گل وہ کسی پہ بار نہیں

چمن میں کس گل خوبی کے پاؤں چومے ہیں
کہ سرخرو کوئی اب مثل نوک خار نہیں

مرے گناہوں کی ہستی ہی کیا جب اے واعظ
خدا کے فضل و کرم کا کوئی شمار نہیں

ستم اٹھانے کے قابل بنا دیا مجھ کو
ہیں آپ تو مرے محسن ستم شعار نہیں

سوائے صبر کے چارہ ہی کیا ہے اے ہمدم ۔۔۔ نہ جبر کوئی سہوں میں یہ اختیار نہیں
ہیں بیقرار تو لاکھوں تری محبت میں
مثال برقؔ مگر کوئی بیقرار نہیں

کون سا لمحہ ہے جو صبر آزما ہوتا نہیں ۔۔۔ عشق میں جو کچھ ہو کم ہے اس میں کیا ہوتا نہیں
راز دانِ ہر ادا ہوں میں سمجھتا ہوں اسے ۔۔۔ یہ بھی خفگی ہے جو وہ مجھ سے خفا ہوتا نہیں
زندۂ جاوید ہوتے ہیں شہیدانِ وفا ۔۔۔ مٹ کے راہ عشق میں کوئی فنا ہوتا نہیں
ناخدا خود ایسے مظلوموں کا بنتا ہے خدا ۔۔۔ بحرِ غم میں جن کا کوئی ناخدا ہوتا نہیں
پیش آتا ہے وہی جو کچھ کہ پیشانی میں ہے ۔۔۔ کون کہتا ہے مقدر کا لکھا ہوتا نہیں
ان کی یاد ان کی محبت ان کی چاہت کے سوا ۔۔۔ مدعی عشق کا کچھ مدعا ہوتا نہیں
نور و سایہ کو ملاتی ہے بس اک فرضی لکیر ۔۔۔ درحقیقت ان میں کوئی فاصلہ ہوتا نہیں
کفر و دیں دونوں ہیں یکتا اپنے اپنے رنگ میں ۔۔۔ ایک کی موجودگی میں دوسرا ہوتا نہیں
کوئی اور اے برقؔ رکھ دیں آپ اس کافر کا نام
دل نہیں ہرگز وہ جو درد آشنا ہوتا نہیں

بغیر چون و چرا اس پہ جو نثار نہیں ۔۔۔ وہ قلب راز محبت کا راز دار نہیں
مرے سلوک محبت کی راہ میں حائل ۔۔۔ فریب فلسفۂ جبر و اختیار نہیں
ترے کرم پہ ہے امید مغفرت مبنی ۔۔۔ کسی کے زہد پہ بخشش کا انحصار نہیں
فلک نے جھک کے زمیں کی طرف کہا مجھ سے ۔۔۔ وہ سربلند نہیں ہے جو خاکسار نہیں
تجھی میں نورِ بصیرت کی ہے کمی ورنہ ۔۔۔ کب اس کا جلوہ کسی شئے سے آشکار نہیں
مجھے ضرورت جام و سبو ہو کیوں ساقی ۔۔۔ مئے الست کا اترا ابھی خمار نہیں

ریاضِ دہر میں ایسا ہے کون گل بوٹا — جو حسن صنعت صانع کا شاہکار نہیں
رہِ سلوک میں بے فیض مرشدِ کامل — کسی طرح بھی امید کشودِ کار نہیں
بضد ہیں آپ کہ بے پردہ اس کو دیکھیں گے — کلیمؑ کھیل کوئی برقؔ حسنِ یار نہیں
جو موت وجہ سکونِ ابد قرار نہیں — شہید راہِ محبت کو ساز گار نہیں
مرے وجود کا صدقہ ہے یہ بہار چمن — جو میں نہیں تو سمجھ لیجئے بہار نہیں
تمھارے وعدۂ فردا کے بعد کیا کہئے — خدا گواہ قیامت ہے انتظار نہیں
وفور عشق سے دونوں ہوئے ہیں بے قابو — انھیں نظر پہ مجھے دل پہ اختیار نہیں
بہار آئے تو کیا جانے مجھ پہ کیا گزرے — ابھی سے جیب و گریباں میں کوئی تار نہیں
خدا کی شان کہ سینچا تھا خون دل سے جسے — اسی چمن میں ہمارا کوئی شمار نہیں
بجھا سکے گی مرے داغِ دل کی شمع نہ تو — صبا یہ کوئی چراغ سر مزار نہیں
سمجھ کے پیس ذرا آسیائے چرخ اسے — یہ تیرے سر نہ چڑھا تو مرا غبار نہیں
بلا سے کشتۂ تیغ ستم ہوں میں قاتل — تری طرح مرا دامن تو داغدار نہیں
خوشی پہ ناز نہ کر غم سے بدحواس نہ ہو — کہ ایک حال پہ ان کو کبھی قرار نہیں

جناب برقؔ یہ اچھی طرح سمجھتے ہیں
کہ ایک ہاں میں ہے پنہاں تری ہزار نہیں

خزاں کے ظلم سے کب جوش اشتعال نہیں — وہ کون گل ہے جو فرطِ غضب سے لال نہیں
کسے سناتے ہو سنتا میں عرض حال نہیں — سنو کہ تم سے مرا بھی کوئی سوال نہیں
یہی تو وقت ہے ملتی ہے جب خدا کی مدد — خدا کا شکر کہ کوئی شریک حال نہیں
بہار آئی نہ تھی جب تو غم بہار کا تھا — بہار آئی تو بازو میں پر و بال نہیں
کسی کی وعدہ خلافی کا میں نہیں شاکی — خیال یہ ہے کہ شاید انھیں خیال نہیں
سمجھ کے پوچھ رہے ہو جو مدعا کیا ہے — جواب یہ ہے کہ میرا کوئی سوال نہیں
چمن کو خود ہی وہ پامال کر رہا ہے کیوں — اگر دماغ میں گلچیں کے اختلال نہیں

مری وفا پہ جفا کا ہے کیوں گمان اگر
تری نگاہ کے شیشے میں کوئی بال نہیں
یہ مانتا ہوں ستمگر نہیں ہیں آپ تو کیا
تغافل آپ کا طرز ستم پہ دال نہیں
دہانِ زخم دعا دے رہا ہے قاتل کو
ہے اسپہ شاد کہ محتاج اندمال نہیں
کڑی ہے سلسلۂ ارتقا کی تو ہمدم
ترا وجود بھی کب وجہ انتقال نہیں
صدف سے کہہ دو کہ نازاں نہ ہو وہ گوہر پر
یہ مال جان کا دشمن ہے اس کی' مال نہیں
مری مثال تو دنیا میں کیا ملے گی کوئی
مرے نشان انگوٹھا کی بھی مثال نہیں
پہنچ سکے گا بھلا کون کنہ باری تک
بشر تو کیا ہے فرشتوں کی بھی مجال نہیں
تمام کون ومکاں برقؔ ہے زوال پذیر
بجز خدا کے کوئی ذات لازوال نہیں

O

ہم کو منظور مانجھی کا احساں نہیں
یا تو کشتی نہیں یا تو طوفاں نہیں
زندگی نام اسی کا اگر ہے تو سن
ہم کو یوں زندہ رہنے کا ارماں نہیں
باغباں چہچہائیں گے سو بار ہم
گلستاں ہے یہ شہر خموشاں نہیں
قبر مظلوم پر جگنوؤں کی چمک
کیا ہے ظالم اگر یہ چراغاں نہیں
تیری عصمت کی دھجی ہے یہ ہاتھ میں
اے زلیخا یہ یوسف کا داماں نہیں
سخت جانی کا میری یہ دعویٰ ہے اب
یا تو نشتر نہیں یا رگ جاں نہیں
آسماں پر شفق بن کے چھا جائے گا
برقؔ چھپنے کا خون شہیداں نہیں

O

عشق ہے عشق یہ کار آساں نہیں
بوالہوس تجھ سے نبھنے کا امکاں نہیں
اپنی ہستی کا بھی جس کو عرفاں نہیں
چاہے جو کچھ ہو لیکن وہ انساں نہیں

تیرے دیوانے رہتے نہ ہوں جس جگہ — کوئی بھی ایسا کوہ وبیاباں نہیں
اے جنوں تو سلامت اگر ہے تو پھر — ہم کو پروائے جیب و گریباں نہیں
عرض مطلب پہ خاموش ہو کس لیے — کچھ تو بولو بتو منھ سے تو تم ہاں، نہیں
زندگی کیا جو ٹکر نہ لے موت سے — موت کیا زندگی کا جو عنواں نہیں
ان کے ہوتے کسی کی ضرورت ہی کیا
شکر ہے برقؔ کوئی جو پرساں نہیں

دیر و کعبہ میں ترا جلوہ کہاں ہوتا نہیں — ہے قصور اس آنکھ کا جس پر عیاں ہوتا نہیں
دونوں عالم روشنی میں اس کی ہو سکتے ہیں گم — دل اسیرِ حلقۂ کون و مکاں ہوتا نہیں
آتشِ سیال کی صورت ہے رگ رگ میں لہو — جل رہا ہوں سر سے پا تک میں دھواں ہوتا نہیں
بے نتیجہ ہیں کتابوں کی ورق گردانیاں — ماجرائے عشق لفظوں میں بیاں ہوتا نہیں
چھوڑ آتا ہے مجھے تیرا تصور اس جگہ — میں ہی میں ہوتا ہوں کوئی بھی جہاں ہوتا نہیں
اللہ اللہ جلوہ ہائے حسن کی ضو باریاں — لاکھ پردوں میں بھی چھپ کر وہ نہاں ہوتا نہیں
اس ادا سے اکثر آتے ہیں وہ میرے روبرو — جز محبت اور کوئی درمیاں ہوتا نہیں
سچ تو یہ ہے صاف ہو جاتا ہے چہرے سے عیاں — حالِ دل دراصل محتاجِ بیاں ہوتا نہیں
آسمانوں سے پرے ہے مسندِ اوجِ خیال — "یہ زمیں وہ ہے کہ جس پر آسماں ہوتا نہیں"
پرتوِ خور جب پڑا شبنم کی پھر ہستی کہاں — مہربانی ہے وہ جب تک مہرباں ہوتا نہیں
پہلے پہلے عشق میں ہوتی ہے تھوڑی سی جھجک — پھر خیال و خطرۂ سود و زیاں ہوتا نہیں
اہلِ دل دل ہی میں کرتے ہیں نمازِ شوق ادا — یہ وہ مسجد ہے جہاں شورِ اذاں ہوتا نہیں
خاکِ پروانہ یہ کہتی ہے زبانِ حال سے — عشق میں کامل ہے جو محوِ فغاں ہوتا نہیں
خود ہی کہتے ہیں سمجھتے ہیں خود اپنی بات یہ
عاشقوں کا برقؔ کوئی ہم زباں ہوتا نہیں

اس کے آگے کوئی کب قابل تسخیر نہیں جز محبت کوئی طاقت بھی ہمہ گیر نہیں
ملکِ معنی میں یہ الفاظ ہیں سب بے معنی میں نے دیکھا ہے جو وہ قابلِ تحریر نہیں
سیرت سرورِ کونینؐ رہے پیش نظر اس سے بہتر کوئی قرآن کی تفسیر نہیں
اس کی قسمت میں ہے برباد یقیناً ہونا اپنے بچنے کی جو کرتا کوئی تدبیر نہیں
خواہش منزلِ مقصود بلا عزم سفر خواب ہونے کا یہ شرمندۂ تعبیر نہیں
خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر خلد اے شیخ اکیلے تری جاگیر نہیں

رمز قرآں سے وہ اے برقؔ نہیں کچھ واقف
جس کی بنیاد عمل اسوۂ شبیرؓ نہیں

جسم خاکی پہ ہے رنگ و روغن چڑھا حسن خوباں کا کوئی بھروسہ نہیں
ہمنشیں جس کی تشکیل مٹی سے ہو اس نمکداں کا کوئی بھروسہ نہیں
جانے کس وقت ہوجائے نذرِ خزاں صحنِ بستاں کا کوئی بھروسہ نہیں
بلبل اِترا نہ فصلِ بہاری پہ تو اس بہاراں کا کوئی بھروسہ نہیں
دیکھ لے ڈال کر اس چمن پر نظر پاس پھولوں کے ہیں خار بھی جلوہ گر
خواہشِ گل میں تو ان سے الجھا اگر جیب و داماں کا کوئی بھروسہ نہیں
خانۂ جسم خاکی میں ہے میہماں طائرِ روح اے محوِ غفلت جواں
جانے اڑ جائے کب چھوڑ کر یہ مکاں ایسے مہماں کا کوئی بھروسہ نہیں
دیکھ لے تیری آنکھیں کھلی ہوں اگر لقمہ قبر ہیں کیسے کیسے بشر
عزت و شان و شوکت پہ غرہ نہ کر عزت و شاں کا کوئی بھروسہ نہیں
ہوگئے آج مفلس جو کل تھے غنی صدمہ و رنج سے جان پر ہے بنی
چار دن کی ہے غافل یہ سب چاندنی قصر و ایواں کا کوئی بھروسہ نہیں

ترے اخلاق میں جو کہ ڈالے خلل زہر قاتل ہے اے دوست اس کی غزل
کیا دکھائے گا وہ تجھ کو راہ عمل اس سخنداں کا کوئی بھروسہ نہیں

تیرا ایمان اس کے لئے کفر ہے اس کا ایمان تیرے لئے کفر ہے
کفرو ایماں کی سرحد سے آگے نکل کفر و ایماں کا کوئی بھروسہ نہیں

چار دیوان میں نے مرتب کیے دو تو چوری گئے دو ہیں باقی بچے
برقؔ چھپ جائیں یہ بھی مرے سامنے اس کے امکاں کا کوئی بھروسہ نہیں

سودائے شہادت تو ہے مگر سر تجھکو وبال دوش نہیں
کس طرح مجھے ہو اس کا یقیں تو ہوش میں ہے بیہوش نہیں

تو جام بکف بیٹھا ہے مگر میں قطرۂ مے کو ترستا ہوں
میخانہ اجاڑ نہ دوں ساقی تو نام مرا مینوش نہیں

صیاد سمجھ کر جال بچھا چونکے تو قیامت ڈھائیں گے
شیران نیستاں کی جھپکی احمق خواب خرگوش نہیں

ہشیار کہ اکثر ہوتا ہے طوفان سے پہلے سناٹا
رکھ یاد مظالم سہہ سہہ کر خاموش ہیں جو خاموش نہیں

آتی ہے ہمیں رہ رہ کے ہنسی اس خام خیالی پر تیری
تو اور کرے گا ہضم ہمیں ظالم یہ ترا تن توش نہیں

ویرانہ سے بدتر ہے وہ مکاں بستا نہیں جس میں کوئی مکیں
سر کیا وہ نہیں سودا جس میں دل کیا وہ کہ جس میں جوش نہیں

مصروف تن آسانی میں ہے جو وہ لطف کشاکش کیا جائے
زندہ نہ سمجھ اے برقؔ اسے جو موت سے ہم آغوش نہیں

چُپ ہیں سب دم مارنے کی اس میں جا کوئی نہیں
راز ہائے عشق کا عقدہ کشا کوئی نہیں

ذرہ ذرہ ہے جہاں کا پرتو نورِ ازل
دیدۂ حق بیں سے لیکن دیکھتا کوئی نہیں

دیکھ کر شبنم کے آنسو سن کے بلبل کی فغاں
گل یہ ہنستے ہیں کہ ہنستا بولتا کوئی نہیں

تجھ کو سینے میں جگہ دی پھر بھی ان کا ہوگیا
اے مرے دل تجھ سے بڑھ کر بیوفا کوئی نہیں

شادرہ آباد رہ تو اے مرے جوشِ جنوں
عشق کی منزل میں تجھ سا رہنما کوئی نہیں

سب بقدرِ ظرف خود کرتے ہیں اندازہ مرا
میرے پیمانے سے مجھ کو ناپتا کوئی نہیں

شعلہ وسیماب یونہی مضطرب کہنے کو ہیں
برق میری طرح آتش زیرِ پا کوئی نہیں

جیتے جی جو اُن کی الفت میں فنا ہوتا نہیں
سچ تو ہے وہ محرمِ رازِ بقا ہوتا نہیں

پرورش پائی ہو جس نے گود میں طوفان کی
وہ کبھی محتاجِ سعئ ناخدا ہوتا نہیں

عزم محکم ہو تو ہر گتھی سلجھ جاتی ہے خود
گریۂ غم ہمنشیں عقدہ کشا ہوتا نہیں

اپنی ہی مطلب براری پر جو رکھتا ہو نظر
راہزن کہیے اسے وہ رہنما ہوتا نہیں

کھولتا ہے جو ہر انساں مصائب کا ہجوم
بے پسے ظاہر کبھی رنگِ حنا ہوتا نہیں

دوسروں کی دستگیری کا بھروسہ چھوڑ دے
کس لیے تو اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا نہیں

پُر اثر دونوں ہیں لیکن فرق دونوں میں ہے برق
نالۂ نے روکشِ بانگِ درا ہوتا نہیں

میں نے کہا کہ آپ ہیں؟ اس نے کہا کہ جی نہیں
میں نے کہا تو کون ہے، اس نے کہا کوئی نہیں

میں نے کہا کہ آپ تو مری نظر میں شمع ہیں
اس نے کہا کہ کچھ بھی ہیں آپ سے لَو لگی نہیں

میں نے کہا کہ شکر ہے وعدہ تو آپ نے کیا
اس نے کہا وفا بھی ہو یہ کوئی لازمی نہیں
میں نے کہا کہ غیر ہے صرف غرض کا آشنا
اس نے کہا کہ خیر سے آپ تو مطلبی نہیں
میں نے کہا کہ مجھ سے ہے زاہد خشک بدگماں
اس نے کہا کہ عشق کی اس کو ہوا لگی نہیں
میں نے کہا کہ شیخ بھی آتے ہیں آپ کے یہاں
اس نے کہا کہ ہاں مگر دال کبھی گلی نہیں
میں نے کہا کہ بوالہوس بیٹھ کے رو رہا تھا کل
اس نے کہا کہ اس سے کہہ عشق ہے دل لگی نہیں
میں نے کہا کہ آپ کے حسن پہ مر رہا ہوں میں
اس نے کہا کہ آپ کیا اس سے کوئی بری نہیں
میں نے کہا کہ دیکھئے ناصح محترم ہیں یہ
اس نے کہا کہ چھوڑئے ان کو یہ آدمی نہیں
میں نے کہا پھر آؤ گے اس نے کہا کہ آئیں گے
میں نے کہا کب آؤ گے اس نے کہا کبھی نہیں

میں نے کہا کہ برقؔ کی لکھی ہوئی ہے یہ غزل
اس نے کہا جبھی تو یہ سحر ہے شاعری نہیں

گنگ ہو کر نہ رہ جائے کیونکر زباں
قصۂ عشق ہے ماورائے بیاں
کہتی ہیں اُن نگاہوں کی سفاکیاں
لے کے چھوڑیں گے دل کو بہ نوکِ سناں
اللہ اللہ محبت کی رسوائیاں
خلق کی مجھ پہ اٹھنے لگیں انگلیاں
منزلِ آگہی ہے حریمِ جنوں
عقل تو اس کے در کی ہے اک پاسباں
مشعلِ راہِ عرفاں حقیقت میں ہے
اہلِ حق کے مبارک قدم کا نشاں
خاکساری میں کوئی کشش گر نہیں
جھک گیا کیوں زمیں کی طرف آسماں
بے وفائی پہ اپنی تو ڈالیں نظر
کیا وہ لیں گے وفا کا مری امتحاں
سب میں ان کی محبت کا پیغام ہے
شورِ ناقوس ہو یا صدائے اذاں

ناخنِ اہل تدبیر گھِس گھِس گئے
برقؔ سلجھیں نہ تقدیر کی گتھیاں

ایسا ویسا نہیں ہے مرا آشیاں
پاسبانی کو مجبور ہیں بجلیاں

تف ہے اس پر جو ہو محوِ آہ و فغاں
نوچ لوں منھ نہ ظالم تو کہنا کہ ہاں

میں تو مرتا ہوں بس اُس ادا پر تری
ہنس کے دیتا ہے جب موت کی دھمکیاں

تو جو مایوس ناکامیوں سے نہ ہو
کامیابی کی ضامن ہیں ناکامیاں

میں نے درسِ اُخوت دیا خلق کو
میرے دم سے ہے بنیادِ نظمِ جہاں

ثبت ہے صفحہ صفحہ پہ تاریخ کے
مٹنے والی نہیں ہے مری داستاں

دیکھتا ہوں زمانے کی رفتار کو
نبضِ گیتی پہ رکھے ہوئے انگلیاں

اب بھی ساتھ آ جو ہو شوق منزل رسی
گو ہوں اب میں غبار پس کارواں

شعر گوئی کی فرصت کسے تھی مگر
برقؔ منظور تھی خاطر دوستاں

رہی ہے مجھ سے قائم میکدے کی آبرو برسوں
مجھے رویا کریں گے شیشہ و جام و سبو برسوں

صراحی ہچکیاں لیتی رہے گی ایک مدت تک
بھرے گی سسکیاں غم سے نسیمِ مشکبو برسوں

جہانِ عشق سے گھر کا نشاں تک یوں مٹا ڈالا
رہے خود لا مکاں، مجھ کو پھرایا چار سو برسوں

نمازِ عاشقاں آساں نہیں اے حضرتِ واعظ
کہ اس میں خونِ دل سے کرنا پڑتا ہے وضو برسوں

میرے آگے بہت چہکا نہ کر اے بلبلِ رنگیں
ابھی طرزِ نوائے عشق مجھ سے سیکھ تو برسوں

جھکا اک روز بھی جو نونہال آ کر مرے آگے
عجب کیا ہے اسے ملتا رہے فیضِ نمو برسوں

وہ رندِ بادیہ پیما ہوں مل کر جس کے پاؤں سے
رہا ہے خارِ صحرائے جنوں بھی سرخرو برسوں

نہایا اپنے خوں میں یوں شہیدانِ محبت نے
کہ اب لازم نہیں ان کے لئے غسل و وضو برسوں

زمانہ جانتا ہے برقؔ ہے روشن گرِ محفل
کریں گے اکتسابِ نور اس سے شمع رو برسوں

وہ بلانوش ہوں کیا جانو ابھی تم مجھ کو
پینے بیٹھوں تو کفایت نہ کرے خُم مجھ کو

ذرہ ذرہ درِ ساقی کا ہے خورشیدِ جمال
قطرہ قطرہ مئے عرفاں کا ہے قلزم مجھ کو

زندہ ہوجاؤں پسِ مرگ تعجب کیا ہے
جوششِ قلقلِ مینا جو کہے قُم مجھ کو

معنیٔ عشق کے اظہار سے قاصر ہے زباں
بے زبانی ہے محبت میں تکلم میں مجھ کو

کھوگیا کثرتِ انوار کی تابانی میں
جلوۂ حسنِ حقیقت نے کیا گم مجھ کو

ان کے جلوؤں کی کوئی سمت نہیں اے واعظ
اس لیے ایک ہے پورب ہو کہ پچھّم مجھکو

دل تھا محتاج تو عشرت بھی مجھے تھی عُسرت
دل غنی ہے تو توکل ہے تنعّم مجھ کو

وجد آور ہے متانت بھی تری جب اے گل
مار ڈالے نہ کہیں تیرا تبسم مجھ کو

آئے گی جوش میں اے برقؔ خدا کی رحمت
حشر میں دیکھ کے محتاجِ ترحّم مجھ کو

جام دکھلا کے پریشاں نہ کرو تم مجھ کو
ہاں پلانا ہو تو بتلادو کوئی خُم مجھ کو

جوششِ اشک کو روکوں کہ نہ روکوں بولو
میں تلاطم کو ڈبودوں کہ تلاطم مجھ کو

اپنے ہی خوں سے وضو میں نے کیا تھا ہمدم
اپنی ہی خاک سے کرنا ہے تیمّم مجھ کو

میں ہوں قرآن مجسم ارے واعظ خود ہی
کیا دکھاتا ہے تفاسیر وتراجم مجھ کو

اے خدا فرش سے تا عرش نظر آتی ہے
ذرہ ذرہ میں تیری شانِ تحکم مجھ کو

غیر کی شکل سے واللہ یہ نفرت ہے کہ اب
اپنے سایہ پہ بھی ہوتا ہے توہّم مجھ کو

کیوں نہ سچ کہہ دوں کہ ہے سارے چمن پر بھاری
اے کلی تیرا یہ ہلکا سا تبسم مجھ کو

لوگ کہتے ہیں تو اے جان مجھے کیا اس سے
اپنا دیوانہ کبھی کاش کہو تم مجھ کو

میں نے اُن نور کے پُتلوں کا بگاڑا کیا ہے
کیوں دکھاتے ہیں یہ آنکھیں مہ و انجم مجھ کو

دیکھ کر مہرِ درخشاں کو یہ کہتی ہے نظر — کچھ نہیں فاصلۂ چرخِ چہارم مجھ کو
روحِ نغمہ ہے فدا میری غزل پر لیکن
برقؔ آتا ہے ترنم نہ تنغم مجھ کو

○

نظر سے عشق میں کارِ زباں کیے جاؤ — خموش رہ کے بھی سب کچھ بیاں کیے جاؤ
خیالِ یاس کو راہِ نشاطِ منزل میں — مثالِ گردِ پسِ کارواں کیے جاؤ
لگے جو زخم تو اف تک کرو نہ الفت میں — اٹھے جو درد تو ضبطِ فغاں کیے جاؤ
خزاں میں راز پیامِ بہار ہے مضمر — مگر بہار میں خوفِ خزاں کیے جاؤ
چمن کی راہ سے گزرو تو اس طرح گزرو — کہ باغ باغ دلِ باغباں کیے جاؤ
فریبِ نفس جو کھایا تو ہنس کے دل نے کہا — عدو کو اور ذرا رازداں کیے جاؤ
وطن کی یاد فراموش ہو نہ غربت میں — قفس میں تعزیتِ آشیاں کیے جاؤ
نہیں ہزار کہیں وہ تمہاری باتوں پر — ہر ایک بات پہ تم ان کی ہاں کیے جاؤ
تمھیں بھی یاد کریں لوگ تا پسِ مردن — جو ہو سکے تو غمِ رفتگاں کیے جاؤ
مٹا دو جہل کی تاریکیاں زمانے سے — چراغِ علم و ادب ضو فشاں کیے جاؤ
ملے جو برقؔ تو اس کو بھی روشنی کے لیے
شریکِ خار و خسِ آشیاں کیے جاؤ

○

کوئی کسی کے ساتھ ہے کوئی کسی کے ساتھ — صد شکر ایک میں ہوں جو ہوں آپ ہی کے ساتھ
اے غم تجھے عزیز نہ رکھوں میں کس طرح — تجھ سا کوئی شریک نہیں زندگی کے ساتھ
باغِ جہاں کی رسم بھی کتنی عجیب ہے — میرا مذاق اڑاتے ہیں سب گل ہنسی کے ساتھ

منزل تک اے خرد جو رسائی کا ہے خیال
لازم ہے تجھکو چل مری دیوانگی کے ساتھ

دھڑکن کا دل کی حال مرے پوچھتے ہو کیا
یہ زندگی کے ساتھ ہے یہ زندگی کے ساتھ

دیباچۂ کتابِ محبت جہاں کھلا
دل ہی کا ذکر ملنے لگا دلکشی کے ساتھ

ظالم کے پائے ناز کا انداز کیا کہوں
چلتا ہے چال بھی تو بڑی سادگی کے ساتھ

دل ہے خدائے پاک کی صنعت کا شاہکار
رشتہ حیات کا ہے بندھا بس اسی کے ساتھ

ہوتا ہے کون دیکھئے منزل سے ہمکنار
واعظ خودی کے ساتھ ہے میں بیخودی کے ساتھ

بخشا خدا نے برقؔ مجھے ایسا مرتبہ
سایہ بھی جب پڑا تو مرا روشنی کے ساتھ

لب کو جو اُن کے ربط ہے لعل یمن کے ساتھ
دنداں کو بھی لگاؤ ہے دُرِ عدن کے ساتھ

دل اپنا مثلِ قطرۂ شبنم کے اڑ گیا
مہرِ جلالِ یار کی تاباں کرن کے ساتھ

کھینچا ہے بزم یار کا نقشہ خیال میں
تنہا بھی رہ کے میں ہوں اُسی انجمن کے ساتھ

اب ذکرِ جوئے شیر کسی سے نہ چھیڑیئے
وہ کوہکن کی بات گئی کوہکن کے ساتھ

زلفیں بکھر گئی ہیں یہ روئے حبیب پر
یا ماہتاب دیکھ رہا ہوں گہن کے ساتھ

اے رہروانِ راہ طلب کچھ خبر بھی ہے
تم راہبر کے ساتھ ہو یا راہزن کے ساتھ

دونوں میں کون دیکھئے ہوتا ہے کامیاب
بالیں پہ موت بھی ہے مسیحِ زمن کے ساتھ

آئے تھے جس لباس میں گلہائے گلستاں
عمریں گزار دیں ہیں اسی پیرہن کے ساتھ

کل آہ ایک ایسا جنازہ نظر پڑا
لپٹی ہوئی تھی بوئے عروسی کفن کے ساتھ

زالِ جہاں کی عمر کہاں تیرا سن کہاں
ناداں ہے اختلاط مضر پیر زن کے ساتھ

آکر دغا کرے گی یہ کس کو یقین تھا
مشاطۂ بہار عروسِ چمن کے ساتھ

گلشن میں حالِ زارِ عنادل نہ پوچھئے
کچھ ایسی کشمکش میں ہیں زاغ و زغن کے ساتھ

لے کس کی لاش خاکِ وطن اپنی گود میں
دیکھیں تو اتنا عشق ہے کس کو وطن کے ساتھ

کانٹے کہاں سے لائیں گے خوشبو گلاب کی
نسبت ہزار ان کو ہے مانا چمن کے ساتھ

بزمِ ادب سے رکھتے ہیں اے برقؔ جو لگاؤ
کسبِ ہنر وہ کرتے ہیں لطفِ سخن کے ساتھ

O

مسیح نبض پہ رکھنا مری سنبھال کے ہاتھ
اچھل رہی ہے نہ رکھ دے کہیں اچھال کے ہاتھ

چھلک نہ جائے مری چشم تر کا پیمانہ
نہ روک جام میں ساقی شراب ڈھال کے ہاتھ

صدف کا سینہ کرایا ہے چاک موتی نے
غریب جان سے ماری گئی ہے مال کے ہاتھ

بہت سے ہم نے نشیب و فراز دیکھے ہیں
دکھا نہ پیر فلک ہم کو اپنی چال کے ہاتھ

اٹھا چکا ہو جو پہلے ہی ہاتھ جینے سے
اٹھایئے گا ذرا اس پہ دیکھ بھال کے ہاتھ

بڑھا بڑھا کے میں دستِ سوال شرمایا　　ہنسی میں ٹال دیا اس نے ٹال ٹال کے ہاتھ
نہیں ہے مے تو پیالہ ہی کوئی اے ساقی　　برائے شغل بڑھا دے ذرا کھنگال کے ہاتھ
جمال حور مبارک ہو تجھکو اے واعظ　　بکا ہے دل تو مرا صانع جمال کے ہاتھ

سرائے دہر سے ہم برقؔ اس طرح گذرے
نکال لے کوئی شعلہ میں جیسے ڈال کے ہاتھ

پہنچی ہے کس کے عشق میں نوبت بجاں نہ پوچھ　　یہ پوچھنے کی بات نہیں مہرباں نہ پوچھ
آداب عشق مانعِ افشائے راز ہے　　افشائے راز میں نہ کھلے گی زباں نہ پوچھ
نام و نشاں کا وادیٔ غربت میں کام کیا　　مجھ خانماں خراب کا نام و نشاں نہ پوچھ
دامن سے مس ہوئی ہے جو اس مست ناز کے　　موجِ نسیم صبح کی اٹکھیلیاں نہ پوچھ
سنتا ہوں تو کریم ہے اپنے کرم کو دیکھ　　پروردگار میری سیہ کاریاں نہ پوچھ
رگ رگ میں دردِ عشق سمایا ہے چارہ گر　　میں کیا کہوں کہاں ہے نہیں ہے کہاں نہ پوچھ
ہم کس طرح سناتے رہے داستانِ دل　　وہ کس طرح ملاتے رہے ہاں میں ہاں نہ پوچھ
کچھ جانتا نہیں میں بجز قصہ وفا　　اس کے علاوہ مجھ سے کوئی داستان نہ پوچھ

ایسے گئے کہ مڑ کے بھی دیکھا نہ پھر کبھی
اے برقؔ بے مروتیٔ رفتگاں نہ پوچھ

روداد بزم غیر دل ناتواں نہ پوچھ　　سر پہ اٹھا نہ لے وہ کہیں آسماں نہ پوچھ
برق اور باغباں کے مظالم کے باوجود　　قائم ہے کس طرح سے مرا آشیاں نہ پوچھ
دیکھا کیے کھڑے وہ لبِ ساحل حیات　　ڈوبی کہاں ہے کشتیٔ عمر رواں نہ پوچھ
ناصح کی دلفگار نصیحت کو کیا کہوں　　خنجر کی طرح چلتی ہے اس کی زباں نہ پوچھ

سننے پڑے وہ طعنے و تشنے کہ الاماں — کیا کیا ہوئی ہیں عشق میں رسوائیاں نہ پوچھ
قرباں کیا خلیل نے بیٹے کو عشق میں — ہوتے ہیں کیسے کیسے عجیب امتحاں نہ پوچھ
بس اتنا جانتا ہوں کہ نکلی ہے دل سے آہ
جاکر رکے گی برقؔ یہ لیکن کہاں نہ پوچھ

غم کو نشاط درد کو درماں بنا کے دیکھ — یوں مشکلات زیست کو آساں بنا کے دیکھ
دل میں لگا کے آگ محبت کی ہمنشیں — داغ جگر کو شمع شبستاں بنا کے دیکھ
کیا دیکھتا ہے صحن گلستان کی تازگی — سینے کو اپنے رشک گلستاں بنا کے دیکھ
حیرت سرائے عشق کی نیرنگیاں نہ پوچھ — آئینہ نگاہ کو حیراں بنا کے دیکھ
آلام روزگار سے گھبرا رہا ہے کیا — دل میں خیال یار کو مہماں بنا کے دیکھ
کھلتے ہیں راز ہائے حقیقت یہیں پہ شیخ — اپنے کو اہل محفل رنداں بنا کے دیکھ
خود سر ہے عقل، اس کو بنا تابع جنوں — کافر ہے نفس، اس کو مسلماں بنا کے دیکھ
کچھ دیکھنا ہے تجھ کو جو انساں کا مرتبہ — انسانیت سے اپنے کو انساں بنا کے دیکھ
جب تو سہی وہ چادر الفت چڑھائیں خود — دل کو مزار حسرت و ارماں بنا کے دیکھ
دستِ جنوں کے سامنے ان کی بساط کیا — باور نہ ہو تو جیب و گریباں بنا کے دیکھ
خون جگر کی بوند کو اے برقؔ عشق میں
افسانۂ حیات کا عنواں بنا کے دیکھ

گلشن میں رہ کے دیکھ کر صحرا میں جا کے دیکھ — ہر شے سے آشکار ہیں جلوے خدا کے دیکھ
نقشِ دوئی کو صفحۂ دل سے مٹا کے دیکھ — اپنا وقار اس کی نظر میں سما کے دیکھ
غیروں کے پاس کیا ہے جو بخشیں گے وہ تجھے — اس کے حضور دستِ تمنا بڑھا کے دیکھ

دشت وجبل کی خاک عبث چھانتا ہے کیا
دل ہی میں جاگزیں ہے وہ گردن جھکا کے دیکھ

پہونچے گی دم کے دم میں یہ عرش عظیم تک
کر کے خلوص دل سے کرشمے دعا کے دیکھ

پروانہ وار تجھ پہ عجب کیا فدا ہوں سب
تو مثل شمع اس سے ذرا لو لگا کے دیکھ

آنکھوں میں تیری گردِ تو ہم نہ جھونک دے
لازم ہے تجھ کو رخ پہ نہ باطل ہوا کے دیکھ

کانٹے قدم قدم پہ ہیں الجھاؤ کے لیے
باغِ جہاں کو دیکھ تو دامن بچا کے دیکھ

زر سے ہیں لاکھ طرح کے زیور بنے ہوئے
بھٹی میں معرفت کی انہیں تو گلا کے دیکھ

بڑھتی ہے کتنی چشم بصیرت کی روشنی
خاکِ درِ حبیب کا سرمہ لگا کے دیکھ

احمدؔ کی معرفت کا جوا ے برقؔ شوق ہو
تو درمیاں سے میم کا پردہ ہٹا کے دیکھ

○

محبت ہو نہ جائے آشکار آہستہ آہستہ
ہُوا جاتا ہے دل بے اختیار آہستہ آہستہ

مبارک اے دلِ مضطر کہ حُسنِ یار پر تو نے
متاعِ نقدِ جاں کردی نثار آہستہ آہستہ

سرِ عرش بریں پہنچا ہوائے شوق میں اڑ کر
بحمد اللہ مرا مُشت غبار آہستہ آہستہ

سرِ مدفن وفورِ سوزشِ دل کی حرارت سے
پگھل کر بہہ گئی شمعِ مزار آہستہ آہستہ

تری رحمت کا کیا ہوگا گناہوں کو تو میں اپنے
اگر چاہوں تو کر ڈالوں شمار آہستہ آہستہ

یہ کس کی یاد یارب لے رہی ہے چٹکیاں دل میں
دھڑکتا ہے کلیجہ بار بار آہستہ آہستہ

بفیضِ جذبِ دل جب تو ہی آج اے پری پیکر
تجھے لوں شیشۂ دل میں اُتار آہستہ آہستہ

بڑھی تھی بے قراری رفتہ رفتہ جس طرح پہلے
اسی صورت سے آئے گا قرار آہستہ آہستہ

نہ جل جائے کہیں اے برقؔ نالوں سے مرے ڈر ہے
بنائے ہستیٔ ناپائیدار آہستہ آہستہ

○

دیکھا ہے عاشقوں نے جب سے فنا کا جادہ — جیتے ہیں بالطبیعت مرتے ہیں بالارادہ
بے حرف کے سخن کی لذت انھیں سے پوچھو — جو صوت سرمدی سے کرتے ہیں استفادہ
سر ہفت آسماں کا زیرِ قدم ہے ان کے — کرتے ہیں سر کے بل طے جو عاشقی کا جادہ
گدڑی کے لعل پر کیوں پہنچے نگاہ اس کی — کبر و ریا کا جو ہے پہنے ہوئے لبادہ
راہیں بہت ہیں لیکن توحید کے علاوہ — ہر راستے پہ اک اک شیطاں ہے ایستادہ
''من خوب می شناسم پیرانِ پارساں را'' — اے زاہدِ ریائی بک بک نہ کر زیادہ
یارب رہے سلامت یہ گریۂ ندامت — فردِ گناہ دُھل کر ہوجائے تاکہ سادہ
کہتے ہیں جس کو توبہ ہے موتِ اختیاری — بے قتلِ نفس اس کا کھلتا نہیں ہے جادہ
حق کے مشاہدے کی دنیا میں گر طلب ہے — مرنے سے پہلے مرکر دیکھ اے شریف زادہ
ہو بدگماں نہ مجھ سے اے شہسوارِ معنی — منزل کے پانے والے ہوجاتے ہیں پیادہ

ساقی نے کر دیا ہے اے برقؔ سب کو بیخود
بھر کر مرے سخن میں کیف و سرورِ بادہ

ازل کے دن سے جو مستِ مئے الست تھا میں — ٹھہر سکی نہ کبھی ماسوا پہ میری نگا
زمیں نے لاکھ دکھائے کرشمہ ہائے عجیب — فلک نے پیش کیے لاکھ مہر و انجم و ما
پہاڑ بیچ میں سختی سے ہوگئے حائل — سمندروں نے کہیں روکی ہے میرے عشق کی را
قدم قدم پہ بچھائے ہوئے ملے کانٹے — رہِ طلب کی یہ دشواریاں معاذ اللہ
گلوں نے دعوتِ نظارہ دی گلستاں میں — تو بلبلوں نے سنائی نوائے شیون و آ
نہ ڈگمگائے کبھی دیکھ کر قدم میرے — جمالِ چہرۂ پُرنور و حسنِ زلفِ سیا

حجاب جتنے تھے اے برقؔ اٹھ گئے فوراً
جو صدق دل سے کہا لا الٰہ الا اللہ

واہ رے سحر کاریاں دیدۂ اشک بار کی
فردِ گناہ دُھل گئی مجھ سے سیاہ کار کی

رہبر راہِ عشق ہو شعلہ داغ دل نہ کیوں
جلوہ فگن ہے روشنی شمعِ جمالِ یار کی

فیضِ خیالِ یار سے جوشِ جنونِ عشق میں
میں نے اڑائیں دھجیاں دامنِ انتشار کی

گل ہیں کھلے چمن چمن کیوں نہ بھلا ہوں خندہ زن
گریہ عندلیب پر کیفیتیں بہار کی

کشتۂ تیغِ عشق ہوں ہو کے رہے گی ایک دن
سرمۂ چشمِ اہل دل خاک مرے مزار کی

ان کے کرم کے سامنے ذکر مرے گناہ کا
بات ہے اک اہانتِ رحمتِ بے شمار کی

سارے دلوں کا بھید ہے اُن کی نظر کے سامنے
برقؔ انھیں خبر ہے سب خلق کے حالِ زار کی

کسی کے غم میں جو آماجگاہِ غم نہیں ہوتی
وہ ہستی زندگی کے راز کی محرم نہیں ہوتی

تپ سوزِ دروں سے جذب ہوجاتے ہیں سب آنسو
فراوانیٔ غم میں آنکھ اکثر نم نہیں ہوتی

منور فیضِ ساقی سے ہے جس کے دل کا پیمانہ
اسے ہرگز کبھی پروائے جامِ جم نہیں ہوتی

جلالِ حق کے آگے ہستیٔ عالم کی کیا ہستی
حریفِ تابشِ شمس الضحےٰ شبنم نہیں ہوتی

یہ عالم ہے کہ اب ساقی شرابِ شوق سے سیری
بقدرِ ظرف ہوجاتی تو ہے تاہم نہیں ہوتی

مرے معصوم اشکوں نے کہا دریا کے پانی سے
کہ ہر پانی کی عزت صورت زمزم نہیں ہوتی

کسی کی شادمانی کا اثر کیا غم نصیبوں پر
ہنسی گل کی انیسِ گریۂ شبنم نہیں ہوتی

ہوئے ہیں دل نشیں اس طرح معنیٔ نحنُ اقرب کے
مری گردن کسی کے سامنے اب خم نہیں ہوتی

نہ دیں جب تک شہیدانِ محبت خون کا گارا
حریمِ عشق کی بنیاد مستحکم نہیں ہوتی

بنادیتی ہے خود ماتم کدہ ایوانِ باطل کو
مجاہد قوم وقفِ گریہ و ماتم نہیں ہوتی

مرے ساقی نے دی ہے برقؔ مجھ کو وہ مئے عرفاں
پلائے جارہا ہوں سب کو لیکن کم نہیں ہوتی

غم پہ ہو اتمام جسکا وہ خوشی کس کام کی
خوں کے آنسو جو رُلائے وہ ہنسی کس کام کی

''شاد باید زیستن ناشاد باید زیستن''
گر یہی عالم رہا تو زندگی کس کام کی

خونِ دل سے ہے نمازِ عشق میں لازم وضو
بندہ پرور ایسی ویسی بندگی کس کام کی

رونقِ گلزار ہستی جو نہ ہو وہ پھول کیا
دل گلستاں کا نہ ہو جو وہ کلی کس کام کی

اُن کے ذوقِ جستجو میں ان کے شوقِ وصل میں
جو نہ دیوانہ کرے وہ آگہی کس کام کی

وہ تغافل کیا جو موجب ہو نہ ان کی یاد کا
جو نہ دل کو لے اُڑے وہ دل لگی کس کام کی

''فرہی چیزے دگر آماس چیزے دیگر است''
فن سے خالی ہی رہی تو شاعری کس کام کی

ہے جگر اپنی جگہ پر دل سلامت اپنی جا
اے نگاہِ ناز یہ تیر افگنی کس کام کی

کام ہی کی گر نہ ہو تو لعنت ایسی زیست پر
نام ہی کی ہو اگر تو زندگی کس کام کی

''نیست در قانونِ حکمت ضعف قسمت را علاج''
شومئ تقدیر میں چارہ گری کس کام کی

روشنی ہوتے ہوئے بھی زندگی تاریک ہے
ہم سیہ بختوں کے گھر میں چاندنی کس کام کی

اُس مسیحا نے مری بالیں پہ ہنس کر یہ کہا
موت سے ٹکر نہ لے تو زندگی کس کام کی

خاکساری پر زمیں کی ہے سرِ گردوں بھی خم
جو نہ ہو معجز نما وہ عاجزی کس کام کی

''من ترا حاجی بگویم تو مرا حاجی بگو''
یک صفت دونوں ہیں تو پھر دو دلی کس کام کی

برق اِدھر چمکے اُدھر چمکے تو حاصل اس سے کیا
آشیاں ہی میں نہ ہو تو روشنی کس کام کی

عہدہ برآ کسی طرح کوئی زباں نہ ہو سکی
راز و نیازِ عشق کی شرح بیاں نہ ہو سکی

مطلع مہر حسن ہے کوچۂ یار کی زمیں
کثرتِ نور سے کبھی شام وہاں نہ ہو سکی

میری وفا کو دیکھیے اپنی جفا کو دیکھیے
مجھ سے نہیں نہ ہو سکی آپ سے ہاں نہ ہو سکی

عہدِ شباب میں تجھے قدرِ شباب کچھ نہیں
''جسم جواں ہوا تو کیا روح جواں نہ ہو سکی''

بحرِ محیطِ عشق کا پاٹ نہ پوچھئے ہے کیا
پار کسی کی کشتیٔ عمرِ رواں نہ ہوسکی

دونوں اگرچہ ہیں بہم روزِ ازل سے متحد
دیدۂ جسم سے مگر رویتِ جاں نہ ہوسکی

طرزِ رہائشِ چمن نکہتِ گل سے پوچھئے
مثلِ صبا کسی پہ جو بارِ گراں نہ ہوسکی

شیخ جھجک کے رہ گیا رند بہک کے رہ گیا
حیف کسی سے طاعتِ پیرِ مغاں نہ ہوسکی

شمع و پتنگ دونوں ہی جل کے فنا ہوئے مگر
پاسِ ادب تو دیکھئے منہ سے فغاں نہ ہوسکی

دعویٔ علم ہے غلط ہیچ ہے فہمِ آدمی
اپنی حقیقت آج تک اس پہ عیاں نہ ہوسکی

مرگئے سب پٹک کے سر اس کی جناب میں مگر
برقؔ کبھی رسائیٔ وہم و گماں نہ ہوسکی

کارفرما ہو جو وحشت ترے دیوانوں کی
دھجیاں اڑتی نظر آئیں گریبانوں کی

سایہ پڑجائے تری زلفِ مسلسل کا اگر
پھر پریشاں نہ طبیعت ہو پریشانوں کی

سب نے آدم کی عقیدت میں جھکالی گردن
منزلت پوچھی فرشتوں سے جو انسانوں کی

کس کے سننے کی تمنا ہے تجھے اے ہمدم
داستاں شمع کی چھیڑوں کہ میں پروانوں کی

فیض ہے عام مرے ساقیٔ دریا دل کا
کوئی تخصیص ہے اپنوں کی نہ بیگانوں کی

دل سے ارمانوں کو اپنے میں نکالوں کیونکر
دل سے خاطر مجھے منظور ہے مہمانوں کی

ہم ہیں وہ رند گزر جائیں جو میخانے سے
چشمِ مشتاق چھلکنے لگے پیمانوں کی

ان کے دیوانوں کو ہے اتنا تصرف حاصل
چاہیں تقدیر بدل دیں ابھی ویرانوں کی

چشمِ ساقی کے تصور سے جو ہیں متوالے
برقؔ حاجت انھیں مے کی ہے نہ میخانوں کی

دل کی دھڑکن نے جو چھیڑی داستانِ زندگی
نبض بھی کرنے لگی شرحِ بیانِ زندگی

نشر ہوتی ہے رگوں کے تار پر اک اک خبر
ہے نفس کی آمد و شد ترجمانِ زندگی

بے سبب کب نبض پر رکھے ہوئے ہے انگلیاں
چارہ گر میرا سمجھتا ہے زبانِ زندگی

زیست ہے وہ خواب جس کی موت ہی تعبیر ہے
خواب پر اے دوست ہے تجھ کو گمانِ زندگی

اپنی ہستی کی حقیقت تاکہ ہو تجھ پر عیاں
جاگ اے خوابیدۂ خواب گرانِ زندگی

عمر بھر کی دشت پیمائی کے بعد اے ہمنشیں
مر کے دیوانوں نے پایا ہے نشانِ زندگی

عشق میں مر مر کے جینے کا شرف جن کو ملا
اُن سے بڑھ کر کون ہوگا رازدانِ زندگی

ہر مسرت کو سمجھئے کامیابی کا صلہ
ہر مصیبت کو سمجھئے امتحان زندگی

پوچھتے کیا ہو شباب و عہد پیری کی مثال
وہ بہار عمر تھی یہ ہے خزانِ زندگی

موت وہ منزل ہے جسکی سمت سرگرمِ سفر
چپکے چپکے بے جرس ہے کاروانِ زندگی

زندگی بھر زندگی کی قدر و قیمت ہیچ ہے
موت ہی آکر بڑھا دیتی ہے شانِ زندگی

قدرِ مردم بعد مردم سچ ہے یہ ضرب المثل
سو گیا جب میں تو جاگا نوحہ خوانِ زندگی

قبل ہستی بھی عدم مابعد ہستی بھی عدم
پس عدم آثار ہے ہمدم جہانِ زندگی

بوالہوس اے برقؔ کیا سمجھے گا شرحِ سرِ عشق
ہاں سمجھ سکتے ہیں اس کو محرمانِ زندگی

○

وہ تمنا جو بر نہیں آتی
بن کے کب دردِ سر نہیں آتی

جس کا رہبر جنونِ عشق نہ ہو
وہ خرد راہ پر نہیں آتی

تجھ سا نادان جو ہو اے ناصح
عقل اسے عمر بھر نہیں آتی

فصل گل ہے اگر یہ اے گلچیں
ہر کلی کیوں نکھر نہیں آتی

مجھ کو عرضِ ہنر کی عادت ہے
اُن کو قدرِ ہنر نہیں آتی

کیوں مریں وہ جو مر چکے ان پر
موت بارِ دگر نہیں آتی

منزلِ عشق کا مقام ہے اک
یہ سرِ رہ گزر نہیں آتی

اپنے آئینہ تصور میں
اپنی صورت نظر نہیں آتی

ذکر کیسا جواب نامہ کا
نامہ بر کی خبر نہیں آتی

سن کے کہتے ہیں وہ مرا قصہ　　بات کیا مختصر نہیں آتی
اُن کی نوکِ مژہ کا کیا کہنا　　کس کے سینے میں در نہیں آتی
آدمی جانور سے بدتر ہے　　آدمیت اگر نہیں آتی
راہِ الفت وہ بے کدورت ہے　　رُخ پہ گردِ سفر نہیں آتی
دن کا وعدہ کیا ہے جب اس نے　　"نیند کیوں رات بھر نہیں آتی"
سیرِ ملکِ عدم کو جو بھی گیا　　اس کی کوئی خبر نہیں آتی
آشیانے میں برقؔ کے دھمکی
کیوں جو کرنا ہے کر نہیں آتی

مری بیخودی اٹھا کر مجھے اس جگہ پہ لائی　　نہ ہے فکرِ بُعدِ منزل نہ غمِ شکستہ پائی
مجھے عشقِ مرتضیٰؑ نے وہ بہادری سکھائی　　جب اٹھا ہوس کا پنجہ وہیں موڑ دی کلائی
مدد اے خدائے مطلق کہ ہے وقتِ ناخدائی　　مرے پاؤں لڑکھڑائے مری ناؤ ڈگمگائی
ترے نام کا وظیفہ ترے نام کی دُہائی　　ہے یہی مرا خزانہ ہے یہی مری کمائی
تجھے تجھ سے مانگتا ہوں بسلیقۂ گدائی　　نہ بزعمِ زہد و تقویٰ نہ بزعمِ پارسائی
جو دکھائی راہِ منزل تو دکھائی بیخودی نے　　نہ تو ہوش کام آیا نہ خرد ہی کام آئی
لیے ہاتھ میں سر اپنا سوئے مشہدِ محبت　　میں بڑھا کچھ اس طرح سے کہ اجل بھی مسکرائی
میں گناہ پہ تُلا ہوں وہ اڑے ہیں بخشنے پر　　یہ حدِ ستم شعاری وہ حدِ کرم نوائی
نہ ہوا گزر کسی کا جہاں آج تک بھی زاہد　　مجھے لے گیا وہاں تک مرا عجز نارسائی
ہے مآلِ گل سے واقف بڑی دوربیں ہے شبنم　　جو ہنسے چمن میں غنچے اُسے آگئی رُلائی
ہے بڑا ہی فرق واعظ مری تیری گفتگو میں　　یہ مشاہدے پہ مبنی تو وہ ہے سُنی سُنائی
میں بچشمِ دل ہوں ناظر تو بچشمِ سر ہے جویا　　مرے سامنے خدا ہے ترے سامنے خدائی
لگے سُن کے برقؔ دینے وہ دعائے خیر مجھ کو
سرِ تربتِ عراقیؒ یہ غزل جو میں نے گائی

اے چشمِ شوق تو ہی بتا کیا کرے کوئی
پیشِ نظر بھی رہ کے جو پردا کرے کوئی

قبلِ وجود بھی ہے عدم بعد بھی عدم
حل خاک زندگی کا معمّا کرے کوئی

گھبرا شکستگی سے نہ تو اے حباب دل
شاید کہ تجھ کو توڑ کے دریا کرے کوئی

جانے گا خاک منزلِ جاناں کا فاصلہ
پیمانۂ خیال سے ناپا کرے کوئی

محسوس ہی کیا جو انھیں تم نے کیا کیا
اتنا تو چاہے آنکھ کا اندھا کرے کوئی

گزرے ہوں ایک دن بھی جو کوئے حبیب میں
جائز ہے اپنے پاؤں کو چوما کرے کوئی

پیشِ نظر جو نقشِ کفِ پائے یار ہو
جُھک جُھک کے کیوں نہ شوق سے سجدا کرے کوئی

مستِ مئے الست نہ ہوجائے تو کہے
ساقی سے مرے ربط تو پیدا کرے کوئی

ساقی کی چشمِ مست نے مجھ بادہ نوش کو
سمجھا دیا جو راز وہ سمجھا کرے کوئی

تابِ نظر کا اپنی ذرا لے کے جائزہ
قصدِ ورودِ بزمِ تجلّی کرے کوئی

فانوسِ دل کا اپنے ذرا ظرف دیکھ کر
کسبِ ضیائے گنبدِ خضرا کرے کوئی

رویا گنہ پہ میں تو فرشتوں نے یہ کہا
ہم لکھ کے کیا کریں گے جو دھویا کرے کوئی

جب تک کہ میکدے کا ہے پھاٹک کھلا ہوا
رندوں پہ بند کیوں درِ توبا کرے کوئی

اپنا ہی جب کہ ہوش نہیں ان کو دیکھ کر
"شکوہ کرے کہ عرضِ تمنّا کرے کوئی"

روشن کُنِ جہاں ہے مرے میکدے کی شمع
یہ کیا بجھے گی لاکھ بجھایا کرے کوئی

ردِّعمل کو اُس کے بھگتنا پڑے گا خود
تلوار آئینہ پہ نہ کھینچا کرے کوئی

کانٹے کچھ اس طرح سے گلستاں میں بوئے ہیں
جیسے کہ باغبانیٔ صحرا کرے کوئی

اے رحمتِ تمام بتادے ترے سوا
وہ کون ہے کہ جس پہ بھروسا کرے کوئی

گونجی ہے ہر چہار طرف صوتِ سرمدی
اے برقؔ اپنے گوش تو شنوا کرے کوئی

شاہ خوباں ہوا کرے کوئی　　عاشقوں کا بھلا کرے کوئی
دل لگانا بُرا ہے یہ مانا　　دل نہ مانے تو کیا کرے کوئی
ہوگیا عشق کا مرض دونا　　اور الٹی دوا کرے کوئی
قدر داں ہوں میں اپنی ہستی کا　　مجھ کو پاگل کہا کرے کوئی
آئینے میں جواب پائے گا　　چاہے جتنا بنا کرے کوئی
مجھ پہ الزام بے وفائی کا　　اپنا وعدہ وفا کرے کوئی
قلب مضطر پہ گر پڑے بجلی　　اس طرح کیوں ہنسا کرے کوئی
خانۂ دل میں کیوں مرے آئے　　اپنے گھر خوش رہا کرے کوئی
موت کا غم مری بلا کھائے　　اپنا روزہ قضا کرے کوئی
اٹھے بالیں سے ڈاکٹر غوری　　میرے دکھ کی دوا کرے کوئی

کہہ دیا برقؔ کو جو کہنا تھا
سن کے اب سر دُھنا کرے کوئی

ہجر میں ان کی یاد بھی کارِ عجیب کرگئی　　نخل مراد جھوم اٹھا دل کی کلی نکھر گئی
مٹ کے وفا کی راہ میں پائی حیاتِ جاوداں　　پاس شہیدِ ناز کے موت خود آکے مرگئی
کشتیِ دل رُکے جہاں ہے وہی ساحلِ سکوں　　منزلِ عُمر ہے وہی نبض جہاں ٹھہر گئی
خاک میں آ مل گئی دامنِ یار کی ہوس　　اشک زمیں پہ کیا گرے عزتِ چشمِ تر گئی
آپ کی بات کیا کہوں آپ تو سُن کے ہنس دیئے　　دل ہی مرا ہے جانتا مجھ پہ جو کچھ گزر گئی
اُف یہ کرشمہ سازیاں گردشِ روزگار کی　　فصلِ بہار آئی جب قوتِ بال و پر گئی

برقؔ درِ حبیب پر سجدہ بقیدِ ہوش کیا
جھک کے جبیں اٹھی تو پھر حُرمتِ سنگِ در گئی

نکلی جو آہ دل سے دعا مات ہوگئی		چشمِ پُرآب شرحِ مناجات ہوگئی
عذرِ گنہ کی شکر ہے نوبت نہ آسکی		شرمندگی ہی کاشفِ حالات ہوگئی
اے جانِ آرزو تری فرقت میں چشمِ تر		برسی کچھ اس طرح سے کہ برسات ہوگئی
سایہ جو ان کے عارض و کاکل کا پڑ گیا		دِن ہوگیا کہیں تو کہیں رات ہوگئی
رویا کیے جو ہم تو کوئی بات ہی نہ تھی		تم مسکرادیئے تو بڑی بات ہوگئی
تیری طلب میں تیری قسم اے مرے حبیب		اُفتاد جو پڑی مجھے سوغات ہوگئی
اُن کے سوا کسی سے علاقہ نہ رہ گیا		سارے جہاں سے ترکِ موالات ہوگئی
بھٹکے تھے راہِ عشق میں ہم اے جناب خضر		اچھا ہوا کہ تم سے ملاقات ہوگئی

اے برقؔ عشق کی یہ کرامت تو دیکھیے
خاموش میں کھڑا تھا مگر بات ہوگئی

خونِ دل کی بوند چشمِ خونفشاں تک آگئی		آتے آتے عشق میں نوبت یہاں تک آگئی
میرے عرض مدعا پر ہنس کے اُس گُل نے کہا		دل میں جو تھی بات آخر وہ زباں تک آگئی
المدد اے ناخدائے کشتئ عمرِ رواں		موجِ طوفاں کشتئ عمرِ رواں تک آگئی
ابتدا کھیل سمجھے تھے محبت کو مگر		کانپ اُٹھا دل جو نوبت امتحاں تک آگئی
دل کی جانب کیوں جھکی جاتی ہے سجدہ کے لیے		کیا جبینِ شوق ان کے آستاں تک آگئی
تم پہ خود روشن ہے میرا حالِ دل اے جانِ جاں		کیا رہی پھر بات اگر نوبت بیاں تک آگئی
روئے جاناں دیکھ کر کیوں رُخ کسی جانب کرے		اب نگاہِ شوق آنا تھا جہاں تک آگئی
بات منوا ہی کے چھوڑی میرے جذبِ شوق نے		باتوں باتوں میں نہیں سے بات ہاں تک آگئی

برقؔ پر اے عندلیب زار کیا الزام جب
آتشِ گل بڑھ کے خود ہی آشیاں تک آگئی

آئی بہار آگ لگاتی چلی گئی — گلشن کو شعلہ زار بناتی چلی گئی
اے صانعِ ازل تری صنعت کے ہیں نثار — دنیا نظر کے تل میں سماتی چلی گئی
قطرے میں مدو جزر کا آنا محال ہے — قلزم چھٹا تو قوت ذاتی چلی گئی
ہوتے گئے وہ دور رسائی سے جس قدر — موجِ خیال پینگ بڑھاتی چلی گئی
ٹوٹا نہ ہچکیوں کا دم نزع سلسلہ — آئی جو ان کی یاد تو آتی چلی گئی
روح بہار گلشن تصویر میں کہاں — نشوو نمائے جوہر ذاتی چلی گئی
اشکِ رواں کو آہ نے یوں گرم کر دیا — دریا میں جیسے آگ لگاتی چلی گئی
شبنم چمن میں آپ تو روتی رہی مگر — ہر گل کو ہر کلی کو ہنساتی چلی گئی
کچھ بھی نہیں ہے مادر گیتی میں مامتا — جتنوں کو بھی جنا انھیں کھاتی چلی گئی
ذروں کو نور بخش دیا تابِ مہر نے — تاروں کے سب چراغ بجھاتی چلی گئی
فکر جمیل برقؔ کا عالم نہ پوچھیے
بزمِ ادب کی شان بڑھاتی چلی گئی

پھولوں کا رنگ فق ہے ملاحت کہاں گئی — پژمردہ ہر کلی ہے لطافت کہاں گئی
مانا کہ ہے بہار مگر یہ بتایئے — ملتی تھی جو بہار میں لذت کہاں گئی
خواب و خیال ہوگئی ہر محفل نشاط — اگلا سا چین پہلی سی راحت کہاں گئی
ملتا تھا جن سے مل کے کبھی لطف زندگی — وہ لوگ کیا ہوئے وہ محبت کہاں گئی
طاقت جو ہاتھ آئی تو بدلا مزاج کیوں — وہ خلق کیا ہوا وہ مروت کہاں گئی
کرتے نہیں ہیں آپ شریفوں کا اب لحاظ — پہلے جو آپ میں تھی شرافت کہاں گئی
زیبا غرور ناز نہیں ملک و مال پر — دارا کہاں ہے اس کی حکومت کہاں گئی
چلتا کہیں بھی اب نہیں نمرود کا پتہ — قارون کہاں ہے اس کی وہ دولت کہاں گئی
غرقاب ہوکے رہ گیا دریائے نیل میں — فرعون کی وہ شانِ جلالت کہاں گئی
باقی رہا نہ کنس نہ راون جہان میں — وہ ان کا ظلم وجور وہ طاقت کہاں گئی
ملتا اگر وہ مجھ کو تو اے برقؔ پوچھتا
”شداد تو بتا تری جنت کہاں گئی“

○

دل زخموں سے چور سہی
سینے میں ناسور سہی
ہم تو وفا کے عادی ہیں
ظلم ترا دستور سہی

دل سے تو اپنے ہے نزدیک
آنکھ سے کوئی دور سہی
وہ تو ہیں بخشش کے مختار
ہم عاصی مجبور سہی

عرضِ طلب تو کر ہی دیا
عرضی نامنظور سہی
لطف تڑپنے میں ہے ہمیں
وصل انھیں منظور سہی

ہم تو خدا کے طالب ہیں
وہ بُت رشکِ حور سہی
رند ترستے ہیں مے کو
پیمانہ معمور سہی

چلّو ہی سے پی لوں گا
شیشہ چکناچور سہی
ہے جو انا الحق کلمہ کفر
لب پہ انا المنصور سہی

کچھ تو کفن پر مل دیجے
عطر نہیں کافور سہی
آپ کی خدمت تو ہے نصیب
آپ کے ہم مزدور سہی

برق کو رہنے دیں گمنام
آپ بہت مشہور سہی

کیا ہے عشق حورانِ جناں سے
کہاں پہنچا ہے زاہد بھی کہاں سے

عیاں ہے بے رخی دوستاں سے
محبت اٹھ گئی شاید جہاں سے

مرا مشت غبار اللہ اکبر
زمیں کرتی ہے باتیں آسماں سے

الٰہی خیر ہو وقت صبوحی
جناب شیخ آپہنچے کہاں سے

مری آنکھوں سے ٹپکے جو زمیں پر
نہ اٹھیں گے وہ قطرے آسماں سے

خدا شاہد ہے اقدام محبت
میں دل سے کررہا ہوں تم زباں سے

ذرا اے باغباں دے اتنی مہلت
لپٹ کر رو تو لیں ہم آشیاں سے

کہاں میں اور کہاں آپ اللہ اللہ
زمیں کو کیا ہے نسبت آسماں سے

عبث کیوں تم سے کہکر بات کھوئیں
نہیں سنتے تو کیا حاصل بیاں سے

کسی کی یاد میں رہتے ہیں غافل
بسا اوقات ہم دونوں جہاں سے

سمجھ میں آگئیں جو خامیاں تھیں
ہوا حاصل یہ سعی رایگاں سے

کسی کی جستجو میں چلتے چلتے
وہیں پہنچے چلے تھے ہم جہاں سے

الٰہی خیر میرے آشیاں کی
"اڑے آتے ہیں یہ تنکے کہاں سے"

مجھے کیوں بے وفا کہتے ہیں کہیے
یقیں سے کہہ رہے ہیں یا گماں سے

چلے واعظ کا محشر میں اگر بس
نکلوادے ہمیں باغ جناں سے

خضر آتے یہاں بھی اٹھ جو سکتے
وبال زیست کے بار گراں سے

ادھر آ میرے میخانے میں زاہد
دکھادوں میں تجھے جنت یہاں سے

لحد میں جاکے ہم جس وقت سوئے
تو سبزہ جاگ اٹھا خواب گراں سے

کلام برقؔ کے ادبی محاسن
پرکھ لو خوبیٔ حسنِ بیاں سے

سجایا میں نے نشیمن کچھ اس قرینے سے
کہ بجلیوں نے لگایا ہے اس کو سینے سے

ہے آبیاریٔ گلشن بہر نمط منظور
لہو تو خون سے سینچوں لہو پسینے سے

گزارتا ہوں کچھ اس طرح زندگی اپنی
غریب موت بھی حیراں ہے میرے جینے سے

عجیب چیز ہے یہ الفتِ مجازی بھی
ملا ہے بامِ حقیقت اسی کے زینے سے

نگاہ شاقیٔ مہوش ارے معاذ اللہ
ٹپک رہا ہے لہو دل کے آبگینے سے

کہو یہ موج سے چاہے اگر سکوں ظالم
سرِ نیاز کرے مس مرے سفینے سے

شراب عشق ومحبت کا برقؔ کیا کہنا
دلوں کو صاف کیا کرتی ہے یہ کینے سے

پیشانی میں جو کچھ لکھا تھا باز آیا نہ وہ پیش آنے سے
تدبیر کے ناخن گِھس گئے سب تقدیر کا سر کھجلانے سے

مشکل ہے جو ویرانے میں رہوں ویرانہ ہی گھر بن جاتا ہے
چھوڑوں میں اگر گھر کو اپنے مل جاتا ہے گھر ویرانے سے

اللہ رے ساقی کا جلوہ میخانے کی ہر شے وجد میں ہے
ٹکرائے نہ شیشہ شیشہ سے لڑ جائے نہ خُم پیمانے سے

کیا کہیے ارے توبہ توبہ ان مست نگاہوں کا جادو
بس ایک نظر کے پڑتے ہی ہم پھرنے لگے دیوانے سے

نظارہ کاکل و عارض میں دونوں کی ہے کیفیت یکساں
صد چاک ہے تو حیران ہوں میں آئینہ یہ بولا شانے سے

ہم اس کے فدائی ہیں واعظ خالی نہیں جس سے کوئی جگہ
کعبہ سے ہمیں پھر کیا مطلب کیا کام ہمیں بت خانے سے

دنیا کی محبت میں پھنسنا خطرے سے نہیں خالی ہرگز
پچھتائے گا اے دل تو آخر سمجھا نہ اگر سمجھانے سے

آرام ہے جلنے والے کو یا چین جلانے والے کو
کیوں شمع بہاتی ہے آنسو پوچھے تو کوئی پروانے سے

جائیں تو کہاں جائیں آخر اللہ ترے وہ دیوانے
کعبے سے نکالا شیخ نے اور پنڈت نے جنھیں بتخانے سے

ہم رندوں کے دم تک ہے ساقی میخانے کی سب گرماگرمی
میخانے میں کیا رہ جائے گا اٹھ جائیں جو ہم میخانے سے

اے برقؔ جو زندہ رہنا ہو تو یاد میں اُس کی مٹ جاؤ
جب مل گیا دانہ مٹی میں تب نکلا شگوفہ دانے سے

کھلا ناقوس کی آہ و فغاں سے
کہ وہ بھی تنگ ہے جورِ بتاں سے

سوئے بتخانہ یہ کیوں دیکھتا ہے
کوئی پوچھے حرم کے پاسباں سے

کچھ اس انداز سے کرتے ہیں وعدہ
ٹپکتی ہے نہیں بھی ان کی ہاں سے

نئی افتاد پڑتی ہے ہمیشہ
نیا دل روز لاؤں میں کہاں سے

جناب خضر کچھ بھی ہوں مگر وہ
کہاں واقف ہیں مرگِ ناگہاں سے

بہت اونچا ہے میرا آشیانہ
ارے گلچیں ترے وہم و گماں سے

ستم سہہ کر جو ہیں خاموش ان کی
خموشی کم نہیں ہے داستاں سے

زمیں کی خاکساری کو تو دیکھو
افق پر مل رہی ہے آسماں سے

طمع کھوئی تو مستغنی ہے اب دل
ملا یہ سود ہم کو اس زیاں سے

گلستاں پست ہست از آشیانہ
زمیں کو کیا ہے نسبت آسماں سے

دعائیں برقؔ کو دے کیوں نہ بلبل
اجالا ہے قفس تک آشیاں سے

قدم بڑھائے جنوں میں کس آبلہ پانے سنبھل کے نوک سنبھالی ہے خار صحرانے
کسی سے تجھکو محبت نہیں تو کیا جانے چلا ہے تو مجھے ناصح فضول سمجھانے
چلے تھے اُس بُتِ کافر کی زُلف سلجھانے مگر یہ کیا ہے کہ صد چاک ہوگئے شانے
کچھ اس ادا سے جلے جلنے والے پروانے جلا کے شمع کی لو خود لگی ہے تھرّانے
خزاں نصیب کی اللہ رے شومیٔ قسمت بہار آئی تو تلوے لگے ہیں کھجلانے
ازل سے ہستیٔ طوفاں پسند رکھتا ہوں اٹھی جو موج طبیعت لگی ہے لہرانے
چمک اٹھے جو محبت میں اشک کے قطرے لگے فلک پہ ستارے بھی آنکھ جھپکانے
خزاں کے صاف نظر آرہے ہیں اب آثار کہ گُل فسردہ ہیں غنچے لگے ہیں مرجھانے
جنوں کی حد میں بھی رہتے تو خیر تھی لیکن جنوں کی حد سے گذرنے لگے ہیں دیوانے
شکستگی میں نہاں رازِ وصل ہے غافل کہا یہ ٹوٹ کے مجھ سے حُبابِ دریانے

کسی کو برقؔ مرے دل کا حال کیا معلوم
جو مجھ پہ گذری ہے میں جانوں یا خدا جانے

بگاڑا نہ کچھ غیر کی دشمنی نے ڈبویا ہمیں آپ کی دوستی نے
کہا مجھ سے کل اک بزرگ آدمی نے جو مرنا نہ جانے وہ کیا جانے جینے
خدا جانے کیا ہوگیا محتسب کو نہ پیتا ہے ظالم نہ دیتا ہے پینے
سمجھتے ہو تم روک جن پتھروں کو وہی تو ہیں بام ترقی کے زینے
نظر ہوگئی تابِ جلوہ سے خیرہ اندھیرے میں رکھا مجھے روشنی نے
پڑی اوس ہے یہ امیدوں پہ ان کی کہ گل شرم سے ہیں پسینے پسینے
جنھیں سیپیوں نے نوازا تھا ان کے انھیں گوہروں نے کیے چاک سینے
بھڑکتی ہے ظالم نہ بجھتی ہے ظالم لگائی عجب آگ دل کی لگی نے

مرے داغِ دل ہیں کچھ ایسے نمایاں انگوٹھی میں جیسے جڑے ہوں نگینے
سمجھتے ہیں اک کھیل موجِ بلا کو چلاتے ہیں طوفان میں ہم سفینے
محبت میں محسوس ہوتا ہے ایسا مرے دل کو جیسے کوئی مجھ سے چھینے
یہ کیا کہہ دیا' کس نے وعدہ کیا تھا ارے آپ ہی نے، ارے آپ ہی نے
ہوا قائم اب جاکے رشتہ خدا سے مری لاج رکھ لی مری بیکسی نے
اندھیرے میں بھٹکا کوئی قافلہ جب
سہارا دیا برقؔ کی روشنی نے

○

کچھ اس طرح سے گزاری ہے زندگی میں نے ہر ایک سانس کو سمجھا ہے آخری میں نے
سمجھ گیا وہیں رازِ وصال جب دیکھا حباب تیرا مآل شکستگی میں نے
کرشمۂ مئے توحید-اے تعال اللہ سرور ہے مرے ساقی کو اور پی میں نے
لگا کے ان کی محبت میں جان کی بازی تمام دولت کونین جیت لی میں نے
کسی کا راز سمجھتا گیا جہاں تک بھی سمجھ میں آیا کہ سمجھا نہ کچھ ابھی میں نے
انا زباں سے نہ کہتے نہ دار پر کھنچتے کیا ہے قہر یہ منصور آپ کی میں نے
ہے ماورائے سخن برقؔ گفتگو میری
خموش رہ کے بھی اکثر ہے بات کی میں نے

○

لختِ دل آنکھ تک آیا جو ہمارا گھُل کے رشکِ گوہر ہوا کانٹے پہ مژہ کے تُل کے
غیر ممکن ہے رہے قطرۂ شبنم باقی محوِ تابش ہو اگر خسروِ خاور کھُل کے
ظرفِ قطرہ میں ہو دریا کی سمائی کیونکر جُز میں کس طرح سے اوصاف سمائیں کُل کے
کیوں نہ سردے کے شہیدوں کو خوشی ہو حاصل بوجھ گردن کا جو اُترا ہوئے ہلکے پھُلکے

طالبِ حق ہوں مصائب سے ہراساں کیونکر خار چبھنے سے ڈریں کیوں جو ہیں شیدا گل کے
پھول گلزار میں لالہ کے کھلے ہیں ہرسو یا قرینے سے ہیں رکھے ہوئے ساغر مُل کے
راس اے برقؔ مجھے اشکِ ندامت آئے
رہ گئی دفترِ عصیاں کی سیاہی دُھل کے

کہاں سنوار کے گیسوئے مشکبار چلے برائے سیر چلے یا پئے شکار چلے
حریفِ مے ہے تری جنبشِ نظر ساقی مزہ تو جب ہے یہی دور بار بار چلے
چمن میں تجھ کو ٹھہرنے کا حق ہے کیا حاصل خزاں پہ جب کہ ترا بس نہ اے بہار چلے
ہے قدر عشق و محبت بھی کچھ کہ بس یونہی نثار آپ پہ ہونے یہ جاں نثار چلے
خدا کی شان کہ ساحل ہی پھٹ پڑا ان پر ہماری ناؤ ڈبو کر جو ہونے پار چلے
نگاہِ ساقی مہوش کا یہ تقاضا ہے اتر چلا ہے جو نشۂ تو اب خمار چلے
تلے ہوئے ہیں مجھے خاک میں ملانے پر بڑے کہیں کے وہ بننے وفا شعار چلے
کسی کے دل پہ بھلا کیا وہ پا سکے قابو خود اپنے دل ہی پہ جس کا نہ اختیار چلے
گزر چکا ہے زمانہ مگر وفا نہ ہوا کہاں تک آپ کے وعدے کا انتظار چلے
لہو سے اپنے کچھ اس طرح آبیاری کی بنا کے صحنِ گلستاں کو لالہ زار چلے
نظر بلند رہی حوصلے بلند رہے جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے
فلک سے کہہ دو نہ اِترائے چال پر اپنی ہماری گرد نہ پائے گا گو ہزار چلے
بہت ہی کم ہیں جو اے برقؔ پہنچے منزل پر
رہِ سخن میں تو چلنے کو بے شمار چلے

قدم جو گھر سے نکالا بکوئے یار چلے
"جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے"

وطن سے پیار تو دیکھو کہ راہِ غربت میں
ہزار بار رُکے ہم ہزار بار چلے

رُکے تو بیٹھ گئے بیٹھتا ہے دل جیسے
چلے تو نبض کی صورت سے بے قرار چلے

نبھا سکے نہ جو بزمِ الست کا وعدہ
کفن سے ڈھانکے ہوئے منھ کو شرمسار چلے

پیادہ پا رہے دنیا میں ہم رہے جب تک
چلے تو چار کے کاندھوں پہ ہو سوار چلے

قدم قدم پہ ہیں گلزار دہر میں کانٹے
صبا سے کہہ دو ذرا ہو کے ہوشیار چلے

جہاں میں آئے تو روتے ہوئے خود آئے تھے
چلے تو کر کے عزیزوں کو اشکبار چلے

سرائے دہر کی رونق میں فرق کیوں آئے
ہزار ہو گئے وارد اگر ہزار چلے

شفیع حشر نظر آئے جبکہ محشر میں
دوہائی دیتے ہوئے سب گناہگار چلے

طریق امت وسطیٰ میں کب یہ ممکن ہے
فریب فلسفہ جبر و اختیار چلے

ملا جو آنے کی خاطر پیام یار آئے
ملا جو چلنے کی خاطر پیام یار چلے

تم اپنی خیر مناؤ کہ بزم سے ہم تو
جو گزری دل پہ کسی طرح سے گلزار چلے

مشاعرے سے اٹھے جب تو اہلِ فن نے کہا
کہ برقؔ زلفِ عروس ادب سنوار چلے

رہِ وفا میں قدم اس طرح بڑھا کے چلے
کہ گام گام پہ منزل نئی بنا کے چلے

ملا سکون تو بس طالبانِ عقبیٰ کو
حریص عشرتِ دنیا فریب کھا کے چلے

بہت ہی فرق مراتب تھا شبنم و گل میں
چمن سے رو کے چلی یہ وہ مسکرا کے چلے

رہِ فنا تھی وہ روشن کی رہروانِ عدم
چراغ ہستی موہوم کو بجھا کے چلے

جمالِ یار کے طالب مجھے بتا کیونکر
نظر وہ آئے نظر ہی میں جو سما کے چلے

مثالِ شمس تھے ہم بھی کہ جب غروب ہوئے
تو بیشمار ستاروں کی جگمگا کے چلے

عجیب شے ہے تماشا گہہ وجود و عدم — جو آئے روتے ہوئے جو چلے رُلا کے چلے
نظر کی شمع کُجا برقِ حسنِ یار کُجا — چراغ لے کے کہاں سامنے ہوا کے چلے

جناب برقؔ تھے وہ بادشاہِ ملک سخن
جو علم شعر کا سِکّہ یہاں چلا کے چلے

○

دیارِ عشق میں جس راستے سے ہم گزرے — مسافرانِ عدم بھی ادھر سے کم گزرے
نہ پوچھ راہِ محبت کی سختیاں ہمدم — قدم قدم پہ ہزاروں ہیں پیچ و خم گزرے
کسی پہ اور گزرتے تو جانے کیا ہوتا — جو سانحات مرے دل پہ شامِ غم گزرے
یونہی چلی تو مری گرد بھی نہ پائے گی — صبا سے کہہ دو بڑھاتے ہوئے قدم گزرے
یہ میکدے کی حقیقت غریب کیا جانیں — حرم سے آگے کہاں شیخ محترم گزرے
ملا جہاں میں حوادث سے کس کو چھٹکارا — مگر کسی پہ زیادہ کسی پہ کم گزرے

ریاض دہر سے اے برقؔ صورتِ شبنم
گزرنے والے جو گزرے بچشم نم گزرے

○

جو نگاہِ یار کے تیر سے کبھی بچ بچا کے نکل گئے
تو پھر ابروں کی لپیٹ میں کئی وار تیغ کے چل گئے

مرے نالہ ہائے شرر فشاں سوئے آسماں جو نکل گئے
تو نجوم چرخ کے قمقمے جو بجھے ہوئے تھے وہ جل گئے

غم آرزوئے طلب میں ہم کہیں چل بسیں نہ سوئے عدم
رہے کس امید پہ دَم میں دمَ کہ تمام وعدے تو ٹل گئے

گئے وہ بھی زیرِ زمیں کہ تھا کہیں جن کا کوئی نہ گھر نہ در
ملے وہ بھی خاک میں سربسر جو بنا کے رنگ محل گئے

رُخ یار اب بھی چھپا ہے برق تجلیوں کے نقاب میں
وہ کمالِ سوزِ کلیم تھا کہ چراغ طور پہ جل گئے

کبھی چٹکیوں سے مسل گئے کبھی ایڑیوں سے مسل گئے
جو متاعِ دل انھیں سونپ دی تو غضب کی چال وہ چل گئے

یہ عجب طرح کی شراب تو نے پلائی ساقئ میکدہ
جو سنبھل رہے تھے لڑھک گئے جو لڑھک رہے تھے سنبھل گئے

تری چشم سحر طراز نے عجب انقلاب کیا بپا
جو تھے مثلِ مہر عروج پر کھڑی دوپہر میں وہ ڈھل گئے

جو بوقت عیش تھے آشنا ہوئے مفلسی میں وہ سب جدا
کبھی راہ میں ہوا سامنا تو نظر بچا کے نکل گئے

وہ ہمیں غریب ہیں آج تک جو ہیں اپنی وضع نباہتے
وہ حضور ہیں کہ ہوا کا رُخ جو بدل گیا تو بدل گئے

تجھے کچھ خبر بھی ہے باغباں مرا آشیاں ہے وہ آشیاں
جو جلانے اس کو چلے کبھی وہ خود اپنی آگ میں جل گئے

یہ ہے ظرفِ بحر کہ باڑھ میں بھی ہے برقرار اپنی ہی سطح پر
تنک آب چشمے جو تھے مگر وہ بُری طرح سے اُبل گئے

فارغ جو ان پہ جان فدا کر کے ہو گئے
زندہ حیات نو سے وہ پھر مر کے ہو گئے

دل کے سوا پسند نہیں اب کوئی مکاں
اس گھر میں رہتے رہتے وہ اِس گھر کے ہو گئے

مدت سے ہم بہار کا کرتے تھے انتظار
فصلِ بہار آئی تو بے پَر کے ہو گئے

قطروں نے سر اٹھایا تو مثل حباب تھے
سر رکھ دیا تو مثل سمندر کے ہو گئے

انگشتِ مصطفیٰؐ کے اشارے کے ساتھ ساتھ
ٹکڑے فلک پہ ماہِ منور کے ہو گئے

ساقیؐ میکدہ سے نگاہیں ملی ہیں یا
پیاسے قریب چشمۂ کوثر کے ہو گئے

ان کا طواف کیوں نہ کرے گردشِ جہاں
ہر دَر سے منھ جو موڑ کے اک دَر کے ہو گئے

دیکھا کسی کو رنج و الم میں جو مبتلا
ہم بھی شریک اس میں برابر کے ہو گئے

مٹی کیا ملاؤں تمھیں کہہ کے اشکبار
تھوڑی سی خاک قبر میں وہ بھر کے ہو گئے

آنسو جو ضبطِ غم میں پڑے تھے شب فراق
ٹکڑے جگر میں آ کے وہ نشتر کے ہو گئے

ساقی کی چشمِ ناز کا سمجھے نہ راز جو
وہ بادہ خوار شیشہ و ساغر کے ہو گئے

کعبہ کے وہ رہے نہ کلیسا نہ دیر کے
جو خانماں خراب ترے در کے ہو گئے

جو داستاں بچی تھی نگاہوں نے وہ کہی
خاموش برقؔ آہ جو ہم کر کے ہو گئے

جبھی ان کے وعدے پہ ہم مسکرائے
وہ جس وقت کھا کر قسم مسکرائے

تری طرح اے گل نہ ہم مسکرائے
بہت مسکرائے تو کم مسکرائے

پسِ ہر گنہ دیکھ کر مجھ کو نادم
نہ کیوں اس کی شانِ کرم مسکرائے

انھیں دیکھ کر کھل گیا اس طرح دل
کلی جس طرح صبح دم مسکرائے

تمھیں نے تو دل پر گرائی تھی بجلی
تمھیں تھے خدا کی قسم مسکرائے

ہمیں دیکھ کر مسکرائے رقیباں
رقیبوں کو دیکھا تو ہم مسکرائے

مرے حال پر رو دیئے ہنسنے والے
مگر ناصح محترم مسکرائے

چلا بتکدے سے جو میں سوئے کعبہ
باندازِ دلکش صنم مسکرائے

وہ ننگِ وجود آہ اے برقؔ میں ہوں
کہ جس پر وجودِ عدم مسکرائے

توجہ آپ کی کم ہو نہ جائے
مری دنیا جہنم ہو نہ جائے

ہنسی کے بعد ہے رونے کی منزل
خوشی کی انتہا غم ہو نہ جائے

شعاع مہر سے آنکھیں لڑا کر
کہیں نابود شبنم ہو نہ جائے

کسی کا ناخن پا دیکھتے ہی
ہلالِ آسماں خم ہو نہ جائے

جو دیکھے آئینے میں اپنا ثانی
وہ خود اپنے پہ برہم ہو نہ جائے

ہے لکھنا جس پہ حال گریہ غم
وہ کاغذ خود بخود نم ہو نہ جائے

فلک کو رات دن ہے بس یہ چکر
کوئی دل شاد و خرم ہو نہ جائے

محبت میں مری آنکھوں کا پانی
حریف آبِ زمزم ہو نہ جائے

ترے نالوں سے ڈر ہے برقؔ مجھ کو
تہہ و بالا دو عالم ہو نہ جائے

درست اے ہمنشیں تیرا اگر کردار ہو جائے
تو خود ہی کامیابی کی زمیں ہموار ہو جائے

ستمگاری کا جس کی تجربہ سو بار ہو جائے
ستم ہے اس سے گر اب بھی نہ تو ہشیار ہو جائے

زمانہ اس لیے ٹھوکر لگاتا ہے تجھے غافل
کہ تو اب بھی خمارِ خواب سے بیدار ہو جائے

زبانِ حال سے کہتا ہے دانہ خاک سے اُگ کر
جسے جینا ہے مرنے کے لیے تیار ہو جائے

سنا کہتے ہوئے کل میں نے اک جنگ آزمودہ کو
ڈرو اس سے جو اپنی جاں سے بیزار ہو جائے

بھرا ہے ظلم و آزار و تعصب جس کی فطرت میں
تعجب کیا اگر وہ درپئے آزار ہو جائے

ہنسی آتی ہے اس پر جو سفینہ توڑ کر اپنا
دعا ساحل سے کرتا ہے کہ بیڑا پار ہو جائے

محبت کی بھی اک حد ہے سمجھ کر سوچ کر ناداں
کہیں ایسا نہ ہو یہ جان کا آزار ہو جائے

حصولِ عظمتِ رفتہ کوئی مشکل نہیں اب بھی
مگر ہاں شرط ہے اتنی کہ تو خود دار ہو جائے

صبا محوِ خرامِ ناز ہو آہستہ آہستہ
رگِ گل میں کوئی کانٹا نہ چبھ کر پار ہو جائے

ادیبوں کا مقولہ ہے کلامِ برقؔ کی بابت
سنے جو گوشِ دل سے محرمِ اسرار ہو جائے

غمِ مفارقت میں دل کا حال کچھ نہ پوچھیے
انھیں کا رات دن ہے بس خیال کچھ نہ پوچھیے

نہ جانے کس قصور پر صبا نے مار مار کر
ہر ایک گل کا منھ کیا ہے لال کچھ نہ پوچھیے

ابھی سے رنگ زرد ہے ابھی سے آہ سرد ہے
یہ ابتدا ہے عشق کا مآل کچھ نہ پوچھیے

یہاں حرام ہے سنا ہے مے وہاں حلال ہے
مگر ہے کیوں حرام کیوں حلال کچھ نہ پوچھیے

جسے بھی دیکھیے وہ ہے اسیرِ حرصِ دنیوی
کرشمہ ہائے چشمِ پیرِ زال کچھ نہ پوچھیے

یہی ہے چھیڑ چھاڑ روز کی جو رات و دن
بٹے گی پھر تو جوتیوں میں دال کچھ نہ پوچھیے

نہیں ہے ایک دن کی میکشی کا بندوبست بھی
کٹے گی کس طرح کے اب کے سال کچھ نہ پوچھیے

کہا یہ میکدے کی بھیڑ بھاڑ دل نے دیکھ کر   جہنم اور یہ اس میں ٹھیل ٹھال کچھ نہ پوچھئے

تھے پہلے برقؔ صاحب کمال ہم ہیں سیکڑوں
اب ایسے لوگ کیوں ہیں خال خال کچھ نہ پوچھئے

○

حُسن نیازِ عشق کو رسوا نہ کیجئے   پیشِ حبیب سر کبھی اونچا نہ کیجئے
ہے ان کو دیکھنے کی تمنا جو آپ کو   اپنی خودی کو بیچ میں لایا نہ کیجئے
حسرت تو دید کی ہے مجھے بھی مگر ہے ڈر   طور و کلیم کا کہیں قصا نہ کیجئے
وہم و گماں سے دور ہے ذاتِ خدائے پاک   سمجھیں جو آپ، حق اسے سمجھا نہ کیجئے
جب ہر جگہ وہی ہے تو پھر آپ ہیں کہاں   بے سمجھے بوجھے ٹانگ اڑایا نہ کیجئے
ایسا نہ ہو کہ پھر نہ اُبھرنا نصیب ہو   بحرِ خیالِ غیر میں ڈوبا نہ کیجئے
پانی کا بُلبُلا ہے ابھی ہے ابھی نہیں   اس زندگی کا کوئی بھروسا نہ کیجئے
حادث ہیں جس قدر بھی سہارے جہاں کے ہیں   اس کے سوا کسی پہ بھی تکیا نہ کیجئے

حیراں ہوں برقؔ ایک تمنا تو یہ بھی ہے
اب دل یہ چاہتا ہے تمنا نہ کیجئے

○

خوش رہیں کب تک نہ جانے کب خفا ہو جائیے   آپ کیا معلوم کس دَم کیا سے کیا ہو جائیے
بدگمانی اور شئے ہے جب میں جانوں عشق میں   آپ میری طرح پابندِ وفا ہو جائیے
حق نے ایسی موہنی صورت عطا کی ہے تمھیں   دیکھتے ہی دل یہ کہتا ہے فدا ہو جائیے
بُت بنے بیٹھے ہیں کیوں بیکار چپ سادھے ہوئے   یا تو ہنسئے بولئے کچھ یا خفا ہو جائیے
بے وفا ہم کب تھے لیکن تم جو کہتے ہو تو اب   دل یہ کہتا ہے کہ بیزارِ وفا ہو جائیے

یہ ادا، یہ ناز، یہ غمزہ، یہ شوخی، یہ غرور　　جیسے ہر بُت کا ارادہ ہے خدا ہوجایئے
مجھ کو جب دیکھا تو تکیہ فرش پر رکھ کر کہا　　آیئے مسند نشینِ بوریا ہوجایئے
دے کے قسمیں تو بلاتے ہیں مگر ایسا نہ ہو　　آپ کے گھر جب میں آؤں لاپتا ہوجایئے
بیقراری پر مری اے برقؔ اس نے یہ کہا
آپ سے کس نے کہا تھا مبتلا ہوجایئے

رہِ محبت میں غیر کی پیروی نہ کی ہے نہ ہم کریں گے
ہماری منزل کی رہنمائی ترے نقوشِ قدم کریں گے
وہ مست صہبائے معرفت ہیں کہ بڑھ کے چومے گی پاؤں خلقت
بغل میں جام شراب لے کر جو ہم طواف حرم کریں گے
ستاؤ اچھا ہمیں ستاؤ خوشی سے جی بھر کے آزماؤ
جو تم اسی میں ہو خوش تو ہم بھی خوشی سے انگیز غم کریں گے
شب جدائی کی تیرگی کو بدل کے رکھ دیں گے روشنی سے
جب اپنے داغ جگر کا روشن چراغ شام الم کریں گے
ستم سے کیوں ہاتھ کھینچتا ہے اسی بہانے تجھے ستمگر
جو اور کچھ ہوسکا نہ ہم سے تو یاد ہی کم سے کم کریں گے
جفا تمھاری سرشت میں ہے وفا ہماری سرشت میں ہے
تمھیں جو کرنا ہے تم کروگے ہمیں جو کرنا ہے ہم کریں گے
خدا کا ہے شکر جیتے جی ہم پہنچ گئے برقؔ اس جگہ پر
جہاں پہنچنے کی بات مرکر مسافران عدم کریں گے

بہت روشن ہم اپنا نیّر تقدیر دیکھیں گے
جب آغوش تصور میں تری تصویر دیکھیں گے

حریم دل کے گرداگرد وہ تنویر دیکھیں گے
جلال مہرِ انور کو بھی بے توقیر دیکھیں گے

نگاہ دل سے جس دن اسوۂ شبیرؑ دیکھیں گے
خلیل اللہؑ اپنے خواب کی تعبیر دیکھیں گے

جنونِ عشق کے الزام میں اے خوش نوا قمری
گلے میں تو نے دیکھا طوق ہم زنجیر دیکھیں گے

الم ہو رنج ہو غم ہو بلا ہو شادمانی ہو
جو تو نے لکھ دیا اے کاتبِ تقدیر دیکھیں گے

خدا کی راہ میں سب کچھ لٹا کر بیٹھنے والے
خدا کی کل خدائی اپنی ہی جاگیر دیکھیں گے

مرا اعمال نامہ دُھل گیا اشک ندامت سے
فرشتے کیا کریں گے کچھ نہ جب تحریر دیکھیں گے

ستم گاروں کو مل جائے گا اپنے ظلم کا بدلہ
کبھی آہ غریباں کو نہ بے تاثیر دیکھیں گے

محبت ہی بنا اے برقؔ ہے تخلیق عالم کی
محبت ہی کو ہر عالم میں عالم گیر دیکھیں گے

سکتے کا سا عالم دمِ گفتار ہوا ہے
ایسا بھی محبت میں کئی بار ہوا ہے

موجوں سے نکل آیا تو دلدل میں پھنسا ہوں
اے وائے کہ ساحل مجھے منجدھار ہوا ہے

آنسو جو گرا پھر وہ اٹھائے نہیں اٹھتا
اس درجہ سبک ہو کے گرانبار ہوا ہے

لب بند یکایک ہوئے اس وقت سے اپنے
جس وقت سے دل محرمِ اسرار ہوا ہے

جاں بخش کچھ ایسی ہے تری یاد کہ اب تو
مرنا بھی غمِ ہجر میں دشوار ہوا ہے

لہرانے لگا سبزۂ خوابیدہ لحد پر
نیند آگئی ہم کو تو یہ بیدار ہوا ہے

جس دن سے قدم برقؔ نے رکھا ہے زمیں پر
اس دن سے فلک درپئے آزار ہوا ہے

کسی کے غم میں یہ با حال زار گذری ہے
کہ سانس سانس رگِ جاں پہ بارگذری ہے

نفس نفس تری فرقت کا اک قیامت تھا
گھڑی گھڑی مجھے روز شمار گذری ہے

اُدھر اُدھر تری زلفوں کی پائی ہے خوشبو
جدھر جدھر سے نسیم بہار گذری ہے

ہزار بار خزاں اسمیں آئی ہے بلبل
ہزار بار چمن سے بہار گذری ہے

عجیب عشوہ و ناز و ادا سے نکہتِ گل
صبا کے دوش پہ ہوکر سوار گذری ہے

کلی کلی کو دیا ہے جو غسل شبنم نے
نکھر نکھر کے چمن کو نکھار گذری ہے

کٹا ہے روزِ جدائی جو برقؔ رو روکر
تڑپ تڑپ کے شبِ انتظار گذری ہے

دل جو اس رشک مسیحا سے ملا دیتا ہے
ٹھوکریں مار کے مُردوں کو جلا دیتا ہے

داد و تحسیں سے بھی حاصل نہیں ہوتا جو کبھی
وہ مزہ عشق و محبت میں گلا دیتا ہے

قلب مظلوم سے نکلا ہوا نالہ ظالم
پایۂ عرش الٰہی کو ہلا دیتا ہے

اک وہ انساں ہے لڑاتا ہے جو انسانوں کو
اک وہ انساں ہے خدا سے جو ملا دیتا ہے

خالِ رخ کی ترے ندرت کوئی پوچھے مجھ سے
اور یہ آئینہ رُخ کو جلا دیتا ہے

اس کو مینا کی ضرورت ہے نہ مے کی ساقی
جس کو تو مست نگاہوں سے پلا دیتا ہے

برقؔ لازم ہے وسیلہ کہ خداوند کریم
جو بھی دیتا ہے وہ بندوں سے دِلا دیتا ہے

آدمی غیر کا جب دستِ نگر ہوتا ہے
جینا اس وقت میں مرنے سے بتر ہوتا ہے

توڑنا دل کو ذرا سوچ سمجھ کر ظالم
اس میں سنتے ہیں کہ اللہ کا گھر ہوتا ہے

کیا عجب عرش خداوندِ بھی تھرا اٹھے
آہ جب دل سے نکلتی ہے اثر ہوتا ہے

آنکھ آغازِ محبت میں رہا کرتی تھی نم
اب تو دامن بھی غمِ ہجر میں تر ہوتا ہے

ہجر یوسفؑ میں ہوئے حضرت یعقوبؑ اندھے
اس سے ثابت ہے پسر نورِ نظر ہوتا ہے

چارہ گر دردِ محبت کی لطافت کو نہ پوچھ
ہوتا ہے پر نہیں معلوم کدھر ہوتا ہے

قطرۂ اشک مسلسل پہ وہ ہنس کر بولے
سوصفر جوڑیئے مجموعہ صفر ہوتا ہے

آج وہ مانگ نکالیں تو یہ ان سے پوچھوں
اسی رستہ سے بلاؤں کا گزر ہوتا ہے

شکر صد شکر کہ اے برقؔ مرا ذکرِ وفا
ان کی محفل میں بھی اب شام و سحر ہوتا ہے

تھوڑی سی تو ہے عمر مگر کام بہت ہے
ایسے میں جو ہو جائے سرانجام بہت ہے

مے دے انھیں ساقی جو ہیں بیگانہ مستی
مستوں کے لئے دُردِ تہہِ جام بہت ہے

اک نیم نگاہی کے عوض بیچ دیا دل
اس پر بھی شکایت ہے انھیں دام بہت ہے

تم پوچھ تو لیتے یہی تکلیف تھی دل کو
اب پوچھ لیا تم نے تو آرام بہت ہے

لینے دے تڑپنے کا ذرا لطف تو قاتل
اتنی ہی نوازش تہہِ صمصام بہت ہے

بدنام سہی ان کی محبت میں ہوں بدنام
صد شکر کہ اس میں بھی مرا نام بہت ہے

ہو لاکھ مصیبت تو ہے کم میری نظر میں
تھوڑا سا بھی لگ جائے تو الزام بہت ہے

یہ داغ جبیں تمغۂ اعزاز ہے زاہد
جو کچھ ملے اس دَر سے وہ انعام بہت ہے

طولِ شبِ فرقت کا تو کیا ذکر کہ اے دل
کٹ جائے کسی طرح اگر شام بہت ہے

مرنے کا مرے شور جو اُٹھا تو وہ بولے
ہے خیر تو کیوں آج یہ کہرام بہت ہے

آغوشِ تصور میں ہے تصویرِ گلستاں
”گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے“

منزل ہی گریزاں ہو تو سو کوس بھی ہیں کم
منزل ہی قدم چومے تو اک گام بہت ہے

دل سے نہ محبت ہو تو سو حج بھی نہیں کچھ
ہو دل سے محبت تو اک احرام بہت ہے

تفسیرِ ہمہ اوست ہر اک شے ہے جہاں کی
ہم ہیں کہ نہیں اس میں بھی ابہام بہت ہے

برقؔ اک نگہِ لطف کی ہے خاص تمنا
ان کی نگہِ لطف مگر عام بہت ہے

پس فنا بھی نشانِ مزار باقی ہے
نہیں ہوں میں تو مری یادگار باقی ہے

یزیدیوں کا نشاں مٹ گیا زمانے سے
حسینیوں کا مگر اقتدار باقی ہے

کہاں نہیں ہیں رسول خدا کے دیوانے
نہ کوئی شہر نہ کوئی دیار باقی ہے

ابھی سے جیب و گریباں یہ تار تار ہیں کیوں
ابھی تو آمدِ فصلِ بہار باقی ہے

فضا میں گونج رہی ہے صدائے منصوری
مگر وہ آج رسن ہے نہ دار باقی ہے

جس آدمی کی خودی مٹ گئی خدا کی قسم
وہ مٹ چکا ہے بظاہر ہزار باقی ہے

نفس نفس یہ بتاتی ہے قلب کی دھڑکن
چھپا تھا دل میں جو پیکان یار باقی ہے

مرے گناہوں کی گنتی ہوئی تمام مگر
کسی کے فضل و کرم کا شمار باقی ہے

جلا کے میرے نشیمن کو چین کب پایا
ہنوز برقؔ میں اک اضطرار باقی ہے

نہ ہو جو روحِ سخن وہ سخنوری کیا ہے
پرکھ سکے جو نہ جوہر وہ جوہری کیا ہے

نگاہِ فقر میں یہ جنگ زرگری کیا ہے
قلندری ہو میسر تو قیصری کیا ہے

پہنچ کے قبر میں عبرت کا آئینہ بنا
سوائے اِس کے مآلِ سکندری کیا ہے

ملے کے دُر مقصد بغیر غوّاصی
مجھے یہ فاصلہ چرخِ چنبری کیا ہے

جمال یار کے اک پرتوِ حسیں کے سوا
تجلی رُخ خورشید خاوری کیا ہے

بلند بانگ دعاوی غلط ہیں سر تا سر
جو رُخ نہیں سوئے منزل تو رہبری کیا ہے

شفق میں دیکھ شہیدوں کے خون کی سرخی
حنا کے رنگ سے اس کی برابری کیا ہے

غلط نہیں ہے مساوات کا اگر دعویٰ
تو پھر یہ آپ کا احساس برتری کیا ہے

نہ ہو جو دل میں محبت تو دلدہی کیسی
''نہ ہو نگاہ میں شوخی تو دلبری کیا ہے''

نبیؐ کے دوش کی رفعت کا علم ہے جس کو
بتائے گا وہی معراجِ حیدری کیا ہے

خدا سے برقؔ تعلق نہیں ہے جس دل کا
وہ خاک جانے بھلا بندہ پروری کیا ہے

بلا سے تختۂ مشقِ ستم دل ہوتا جاتا ہے
مصائب سے تو ٹکرانے کے قابل ہوتا جاتا ہے

نظر سے دور جیسے جیسے ساحل ہوتا جاتا ہے
مرا دل ڈٹ کے طوفاں کے مقابل ہوتا جاتا ہے

ہوا جاتا ہوں دھیرے دھیرے میں اپنے سے بیگانہ
جنونِ عشق رفتہ رفتہ کامل ہوتا جاتا ہے

محبت رفتہ رفتہ کرتی جاتی ہے یہ حال اپنا
کہ جینا اور مرنا دونوں مشکل ہوتا جاتا ہے

حقیقت جیسے جیسے سامنے آتی ہے انساں کے
فسانہ ویسے ویسے خود ہی باطل ہوتا جاتا ہے

خبر ہے آمد آمد کی یہ کس فخر مسیحا کے
ارے توبہ مرا مرنا بھی مشکل ہوتا جاتا ہے

جگہ جو چھوڑ آئے ہم وہی تو اپنی منزل تھی
یہ احساس اب ہمیں منزل بمنزل ہوتا جاتا ہے

اٹھا ہے کون دامن جھاڑ کر بزم محبت سے
کہ ہر لمحہ دگر گوں رنگِ محفل ہوتا جاتا ہے

چھپا لینے کی جتنی کوششیں کرتا ہے وہ قاتل
شفق بن کر نمایاں خونِ بسمل ہوتا جاتا ہے

وہ دیکھو سرفروشانِ محبت سر بکف نکلے
وہ دیکھو لرزہ براندام قاتل ہوتا جاتا ہے

لگا کر برقؔ تھوڑا سا لہو اب دیکھئے جس کو
شہیدانِ وفا کی صف میں شامل ہوتا جاتا ہے

سر میں سودا، درد پہلو میں محبت دل میں ہے
جس کو جو منزل پسند آئی اُسی منزل میں ہے

تو کہیں پر بھی ہو تیری یاد میرے دل میں ہے
میں کہیں پر بھی ہوں میرا دل تری محفل میں ہے

تو ہے مجھ میں، میں ہوں تجھ میں گر نہ ہو اسکا یقیں
دیکھ تیری شکل میری پتلیوں کے تل میں ہے

بر نہ آئی آرزو تو کیا چلو یونہی سہی
مطمئن ہوں میں کہ میرے دل کی دولت دل میں ہے

سچ تو یہ ہے اے ستم ایجاد تیرے عشق میں
کم سے کم مشکل میں بھی جو ہے بڑی مشکل میں ہے

چشم بینا ہو میسر جس کو وہ پہچان لے
عکس صورت کا ہماری دیدۂ قاتل میں ہے

ایک مرکز پر سمٹ کر آئے کیوں انسانیت
ہے کسی کے دل میں کچھ اور کچھ کسی کے دل میں ہے

قبر پر گریاں ہے وہ یہ طرفہ منظر دیکھئے
چشم لیلیٰ آب میں ہے جسم مجنوں گِل میں ہے

برقِ طوفاں سے نپٹنے کی نہیں ہمت جسے
داغ بن کر اس کی کشتی دامنِ ساحل میں ہے

ہمارے میکدے میں کیا کمی ہے
"وہی ساقی وہی دریا دلی ہے"

مئے الفت ازل کے روز پی تھی
ابھی باقی خمار بیخودی ہے

یہ اعجاز محبت اللہ اللہ
کہ دل جلتا ہے آنکھوں میں نمی ہے

دیا دل تو اُسے اپنا دیا کیا
اُسی کی دی ہوئی شے پیش کی ہے

میں کیا جانوں حسینان جہاں کو
مری تو صرف تم سے دوستی ہے

مئے توحید چھپ کر پینے والا
چھپا درویش ہے پکا ولی ہے

خرد ہے سر بسجدہ جس کے آگے
وہ اے زاہد جنونِ آگہی ہے

تمہارے در سے کیونکر سر اٹھائیں
کہ گردن بارِ احساں سے دبی ہے

کبھی یہ بات بھی سوچی ہے تم نے
کہاں تم ہو ہر اک جا جب وہی ہے

تعالی اللہ یہ رنگِ تغزل لطافت ہے ادب ہے سادگی ہے
اجالا دیکھ کر بزم ادب میں
وہ بولے برقؔ کی یہ روشنی ہے

وہ غائب از نظر ترے پیش نظر بھی ہے — غافل تری نگاہ حقیقت نگر بھی ہے
قاتل تو ہی نہیں ترا تیرِ نظر بھی ہے — گھائل بس اک نگاہ میں دل بھی جگر بھی ہے
ہم کشتگانِ ہجر کے سینے میں دل کہاں — حسرت کہاں رہے گی کہیں اُسکا گھر بھی ہے
دیدارِ یار کھیل نہیں حضرت کلیم — فرمایئے کہ آپ میں تابِ نظر بھی ہے
سچ تو یہ ہے کہ آپ کی فرصت کا ہے سوال — افسانہ میرا طول بھی ہے مختصر بھی ہے
شام فراق لطف تصور نہ پوچھئے — نامہ بھی ہے خیال مرا نامہ بر بھی ہے
اے دل کسی کے گیسوئے پُرخم کی چھان بین — سودا نہیں تو کیا ہے کہیں اس کا سر بھی ہے
جز آستانِ یار جھکاؤں میں سر کہاں — لائق مری جبیں کے کوئی اور در بھی ہے
راز وصال کس سے زمانے میں پوچھئے — اس گل سے جو ملا اسے اپنی خبر بھی ہے
ہوتا ہے کون دیکھئے مقصد میں کامیاب — بالیں پہ میری موت بھی ہے چارہ گر بھی ہے
اب دیکھنا یہ ہے وہ سمجھتے ہیں کیا اسے — نوکِ مژہ پہ اشک گہر بھی صفر بھی ہے
اے برقؔ حال حسن بتاں مجھ سے پوچھئے
ہے جاذب نظر بھی فریب نظر بھی ہے

مشغلہ کاش یہ میرا سحر و شام رہے — دل میں ہو یاد تری لب پہ ترا نام رہے
گام اول ہے مرا سرحدِ ادراک کے پار — یہ تو آغاز ہے کیا دیکھئے انجام رہے
دامِ دنیا میں پھنسائے جو خود اپنی گردن — کیا اسے چین ملے کیا اسے آرام رہے

جیتے جی کام نہ آئے جو محبت میں تری
سچ تو یہ ہے کہ زمانے میں وہ ناکام رہے
گر بدی ہو نہ تو نیکی کی تمیز اٹھ جائے
کفر مٹ جائے تو کیا حجت اسلام رہے
ہم بھی رکھتے ہیں خدا رکھے کمندِ الفت
شوق سے کہہ دو کسی سے کہ لب بام رہے
دعوتِ دوست میں اے برقؔ ضیافت کے لئے
دل کا انگور رہے آنکھ کا بادام رہے

زندگی کا عجب فسانا ہے
روتے آنا رُلا کے جانا ہے
خالی ہاتھ آئے خالی جانا ہے
یعنی کھونا ہے کچھ نہ پانا ہے
منزلِ جستجو میں گم ہوجا
خود کو کھونا ہی اس کو پانا ہے
ہو نہ مغرور جاہ و حشمت پر
ہر گھڑی منقلب زمانا ہے
خواب کیا خواب کی حقیت کیا
جب کھلی آنکھ تو فسانا ہے
دل کو رکھ صاف مثل آئینہ
آئینہ گر کو منھ دکھانا ہے
کہہ رہی ہے نفس کی آمد وشد
جو بھی آیا ہے اس کو جانا ہے
دوسری سانس تک رہے نہ رہے
زندگی کا کوئی ٹھکانا ہے
چشم عبرت سے دیکھ سوئے عدم
روز اک قافلہ روانا ہے
آیہ کل من علیھا فان
طائر قدس کا ترانا ہے
موت کیا شئے ہے پوچھئے مجھ سے
ان سے ملنے کا اک بہانا ہے
چور جس کو چرا نہیں سکتا
وہ مرے علم کا خزانا ہے
قالبِ عنصری کو گھر نہ سمجھ
درحقیقت یہ قید خانا ہے
بحرِ رحمت میں جوش ہے جس سے
وہ مرا گریۂ شبانا ہے
برقؔ یہ تیری عارفانہ غزل
اہلِ عبرت کو تازیانا ہے

○

خونِ اردو زباں چھپانا ہے
جشن غالبؔ تو اک بہانا ہے

دو طرح کے ہیں دانت ہاتھی کے
اک سے کھانا ہے اک دکھانا ہے

حرف رکھتے ہیں میرے نام پہ وہ
صاف کہتے نہیں مٹانا ہے

ہم نہ ہوں گے تو کس کو پیسے گی
سوچ میں گردش زمانا ہے

تخم پھیلے تو اک عظیم شجر
اور سمٹا رہے تو دانا ہے

تو نے بخشا ہے داغ دل جو مجھے
میرے حق میں چراغ خانا ہے

چھانٹتا ہے وہی شجر مالی
بار آور جسے بنانا ہے

ان کے وعدے پہ آسرا کرنا
آزمودہ کو آزمانا ہے

اے کلی بند کیوں ہے منہ تیرا
کیا نیا گل کوئی کھلانا ہے

عشق بیچارہ کیا کرے تنہا
حُسن کی پشت پر زمانا ہے

آپ سا باوفا نہیں کوئی
آپ پر مر کے ہم نے جانا ہے

سچ تو یہ ہے کہ قاتل عالم
آپ کا حُسن فی زمانا ہے

روشنی اس سے کیجئے حاصل
برقؔ روشن گر زمانا ہے

○

وہ تو پردے میں ہیں جلوہ عام ہے
اس ادا ہی کا قیامت نام ہے

واہ کیا حسنِ بت گلفام ہے
جس کو دیکھو بندۂ بے دام ہے

آگے آگے میں ہوں راہِ عشق میں
پیچھے پیچھے گردش ایام ہے

ساغر مے کی ضرورت کیا مجھے
چشم ساقی خود چھلکتا جام ہے

جل گئے لاکھوں امیدوں کے دیے
کیا جوانی زندگی کی شام ہے

زلف بکھری ہے یہ روئے یار پر
کفر کے نرغے میں یا اسلام ہے

پرسش تکلیف غم کا شکریہ
اب مجھے آرام ہی آرام ہے
دردِ دل کی قدر مجھ سے پوچھئے
یہ بھی اک اللہ کا انعام ہے
شیخ صاحب آپ کیوں آئے یہاں
میکدے میں آپکا کیا کام ہے
جنت الماوئی کی خواہش بے پئے
مولوی صاحب خیام خام ہے
اہل عالم حشر کہتے ہیں جسے
عشق کے آغاز کا انجام ہے
باغباں نے خود ہی پھونکا ہے چمن
برق پر تو مفت کا الزام ہے

○

بجلی کی آبرو ہے نہ اب باغباں کی ہے
گلشن میں دھوم میرے جلے آشیاں کی ہے
پیش نظر سڑک سی جو یہ کہکشاں کی ہے
اڑتی ہوئی سی گرد مرے کارواں کی ہے
بجلی کی ہے نگاہ کبھی باغباں کی ہے
سب کی نظر میں شاخ مرے آشیاں کی ہے
کیا جانے کیا خزاں میں گلستان کا حال ہو
فصل بہار میں بھی جو نوبت خزاں کی ہے
بیمارِ غم کا حال بتاتی ہے صاف صاف
گردن جھکی ہوئی جو مسیحِ زماں کی ہے
کیا بات ہے کہ اب وہ توجہ نہیں رہی
بدلی ہوئی نگاہ مرے مہرباں کی ہے
آئینہ سامنے ہے ذرا دیکھ لیجئے
یکتائے دہر آپ کی صورت کہاں کی ہے
مردانِ عشق موت سے ڈرتے نہیں کبھی
نامرد ہیں وہ جن کو پڑی اپنی جاں کی ہے
ہم رہروانِ عشق کی منزل نہ پوچھئے
جنت تو صرف ایک کڑی درمیاں کی ہے
مسجودِ قدسیاں کی سلامی کے واسطے
گردن زمیں کی سمت جھکی آسماں کی ہے
اپنی زباں سے کیا میں کہوں دیکھ لیجئے
تاریخ خود گواہ مرے عزّو شاں کی ہے
زالِ جہاں پہ جو کہ فدا تھا بری طرح
یہ تربتِ شکستہ اُسی نوجواں کی ہے
مٹتی نہیں ہے برق مٹانے کے باوجود
مقبولیت عجیب یہ اردو زباں کی ہے

○

سنا ہے قتل پر میرے انھیں بے حد ندامت ہے
کرم ہے، مہربانی ہے، نوازش ہے، عنایت ہے
بتائے کون گلشن میں جو کچھ پھولوں کی حالت ہے
زباں سوسن کی گونگی، چشم نرگس بے بصارت ہے
وہ دل جس میں نہ ہمت ہے نہ جرأت ہے نہ الفت ہے
وجود اس کا عدم ہے اس کی ہستی ننگ فطرت ہے
جفا وہ چھوڑ دیں کیونکر، وفا ہم چھوڑ دیں کیسے
یہ اپنا اپنا شیوہ ہے یہ اپنی اپنی عادت ہے
وہ بت بگڑا ہے کیوں میرا خدا سے کردیا شکوہ
بپا محشر میں محشر ہے قیامت میں قیامت ہے
کہاں فرضی فسانہ اور کہاں سچ واقعہ کوئی
''کہانی پھر کہانی ہے، حقیقت پھر حقیقت ہے''
دل مضطر سے جب ہر دم دھڑکنے کا سبب پوچھا
تو بول اٹھا، مثل مشہور ہے حرکت میں برکت ہے
خدا نے میری غربت پر کہا لے سب تجھے بخشا
یہ حوریں ہیں، یہ غلماں ہیں، یہ کوثر ہے یہ جنت ہے
فرشتوں نے کہا مجھ سے فرشتہ کاش تم ہوتے
کہا میں نے کہ جوہر آدمی کا آدمیت ہے
زباں دانی کا جوہر کیا دکھائے پھر کوئی اس کو
وہ بت کج مج زباں ہے، دشمن جانِ فصاحت ہے
جناب برقؔ سے واقف ہیں میں نے ان سے جب پوچھا
تو ہنس کر بول اٹھے، ہاں دور کی صاحب سلامت ہے

قبلِ تحریر سرِ خامہ قلم ہوتا ہے
تب کہیں عشق کا افسانہ رقم ہوتا ہے

فانیٔ عشق جو سر تابقدم ہوتا ہے
خوف ہوتا ہے اُسے کوئی نہ غم ہوتا ہے

عقل کی سرحد ادراک سے کوسوں آگے
اشہبِ عشق کا پہلا ہی قدم ہوتا ہے

دیدۂ عاشقِ مضطر کی کرامت دیکھو
آگ سینے میں بھڑکتی ہے تو نم ہوتا ہے

میرے ہر غم سے انھیں ملتا ہے لطف تازہ
"ان کے ہر لطف سے تازہ مرا غم ہوتا ہے"

اے صدف جس کو سمجھتی ہے تو اپنا جوہر
اُس کے چلتوں ہی ترا چاک شکم ہوتا ہے

پردۂ راز میں اے برقؔ کوئی ہے جب تک
کم کہاں تفرقۂ دیر و حرم ہوتا ہے

اُس گل کی نگاہوں میں واللہ وہ جادو ہے
دیکھو جسے دیوانہ دیکھو جسے لٹو ہے

پانی مری آنکھوں کا مہنگا بھی ہے سستا بھی
جم جائے تو موتی ہے بہہ جائے تو آنسو ہے

دونوں ہی کو دعویٰ ہے اُس ایک کی الفت کا
پھر شیخ و برہمن میں کیوں بحثِ من و تو ہے

ہر رند ہے مستی میں ساغر کی طرح رقصاں
ساقی کی نظر ہے یا چلتا ہوا جادو ہے

ہے وردِ زباں ہر دم واللیل اذا یغشیٰ
کیا جائے کس دھن میں دیوانۂ گیسو ہے

گمنام غریبوں کی تربت پہ بحکمِ حق
مامور چراغاں کو اک لشکرِ جگنو ہے

کیا کام تکلف کا میخانۂ عرفاں میں
ساغر جو نہیں ساقی کافی مجھے چلو ہے

آتا ہے نظر جو کچھ دھوکا ہے نگاہوں کا
ہو چشمِ بصیرت تو ہر شئے میں تو ہی تو ہے

کس طرح نہ بس جائے عشاق کا دل اس میں
خوشبو تری زلفوں کی پھیلی ہوئی ہر سو ہے

اے برقؔ محبت کو کس طرح کوئی تولے
محروم ہے باٹ اس کا ناپید ترازو ہے

○

کیا عجب جو روز و شب شغل مے پرستی ہے
مشرب اہل عرفاں کا بیخودی و مستی ہے
یہ نہ ہو تو دنیا میں کون کس کو پہچانے
اصل میں محبت ہی شمع بزم ہستی ہے
آدمی کو اپنی بھی معرفت نہیں حاصل
علم پر یہ غرہ ہے ذہن کی یہ پستی ہے
کرتا ہے عبادت جو حور کی تمنا میں
عشق کب ہے اے زاہد یہ ہوس پرستی ہے
بے فنا ہوئے اس سے کب نجات ہے ممکن
یعنی زندگی بھر کی قید قید ہستی ہے
جان بھی اسی کی ہے مال بھی اسی کا ہے
مستعار ہے ہر شئے مہنگی ہے نہ سستی ہے
سیکڑوں مصائب ہیں سیکڑوں حوادث ہیں
رہزنوں کے نرغے میں کاروان ہستی ہے
جیب ہے نہ دامن ہے مجھ کو اس سے کیا مطلب
کون جنس مہنگی ہے کون جنس سستی ہے
برقؔ تاب جلوہ سے آنکھ کا یہ ہے عالم
سامنے وہ حاضر ہیں دید کو ترستی ہے

○

پُر کیف کب اس سے کوئی شئے ہے
دل غیرتِ حسنِ جام مے ہے
زاہد ہے جس انگبیں کا رسیا
ثابت ہے کہ وہ مگس کی قے ہے
اللہ یہ حسن کا کرشمہ
عشاق ہیں اور بتوں کی جے ہے
کیا تیر نظر کا حال کہئے
رگ رگ میں چبھن سی پے بہ پے ہے
پھونکوں پہ ہے منحصر ترانہ
منت کش نے نواز نے ہے
مٹی میں ملے ہیں کیسے کیسے
دارا ہے کہیں نہ جم نہ کے ہے
کہتے ہے جسے فنا کا جادہ
صد شکر کہ جیتے جی وہ طے ہے
ہیں زیب مشاعرہ گویئے
یہ بزم ادب کا حال ہے ہے
خاموش ہے برقؔ ساز ہستی
نغمہ ہے کوئی نہ کوئی لے ہے

جہاں میں کچھ نہ ہمارا نہ کچھ تمھارا ہے
ہے سچ تو یہ کہ سمجھ کا قصور سارا ہے

دیارِ عشق ہے عجز و نیاز کی منزل
ہوئی ہے جیت اسی کی یہاں جو ہارا ہے

کمال عشق کا اعجاز تو کوئی دیکھے
جلا دیا ہے محبت نے جس کو مارا ہے

اسی کے دم سے ہے بنیاد زندگی قائم
نفس کی آمد و شد زیست کا سہارا ہے

لباس زہد پہ اترا نہ اپنے اے زاہد
تجھے نصیب ہوا میں نے جب اُتارا ہے

معینِ دین ہے نورِ جمالِ جانانہ
وگرنہ آنکھ میں کب قوتِ نظارا ہے

سمجھ سکا نہ جسے برقؔ بوالہوس کوئی
وہ اصطلاحِ محبت کا استعارا ہے

عجیب حال ترے عشق میں ہمارا ہے
فغاں کی تاب نہ تو ضبط ہی کا یارا ہے

کبھی حرم کی کبھی خاک دیر کی چھانی
تری تلاش نے در در پھرا کے مارا ہے

جو تو عیاں ہے تو پھر کیا نہاں ہے آنکھوں سے
جو تو نہاں ہے تو کیا عالم آشکارا ہے

تری رضا ہے تو راضی ہوں ہر مصیبت سے
تری خوشی ہے تو ہر غم مجھے گوارا ہے

تمھاری یاد کے صدقے تمھارے وعدے پر
بڑے مزے سے جدائی کا دن گزارا ہے

فلک سے کب کوئی اس کا جواب ہے ممکن
ہماری نوک مژہ پر جو اک ستارا ہے

تمھیں بتاؤ تمھاری طرح سے دنیا میں
خدا نے ہاتھ سے اپنے کسے سنوارا ہے

مرے جنوں کا ہے پہلا قدم وہاں ناصح
جہاں پہ ختم تری عقل کا ستارا ہے

قضا کا نام ہے بدنام مفت میں ورنہ
مجھے تو برقؔ غم زندگی نے مارا ہے

سنا ہے میں نے یہ بھی اے ستم ایجاد ہوتا ہے
کبھی خود صید اپنے دام میں صیاد ہوتا ہے
کوئی الزام جب اُس گل کا بے بنیاد ہوتا ہے
تو کہہ دیتا ہوں میں ہنس کر بجا ارشاد ہوتا ہے
یہی دنیا میں ہر دم اے دل ناشاد ہوتا ہے
کوئی آباد ہوتا ہے کوئی برباد ہوتا ہے
نکالو جتنے ارماں اتنے ہوجاتے ہیں پھر پیدا
اجاڑو دل کو جتنا اتنا ہی آباد ہوتا ہے
یہی ہوتا چلا آیا ہے گلچیں ہم اسیروں سے
کبھی گلشن کبھی کنج قفس آباد ہوتا ہے
مآل عشق کی بابت نصیحت سن کے ناصح کی
زباں پر عاشقوں کی ہر چہ بادا باد ہوتا ہے
تصور جب کیا تصویرِ جاناں کھینچ لی فوراً
دلِ عشاق رشکِ مانی و بہزاد ہوتا ہے
گزر ہوتا ہے جب بزم بتاں میں شیخ صاحب کا
لبِ ناقوس پر شور مبارکباد ہوتا ہے
نہاں تخریب میں تعمیر ہے شہر خموشاں کی
اجڑ جاتی ہے جب بستی تو یہ آباد ہوتا ہے
عشا کے بعد اکثر شیخ بعض اللہ والوں سے
اجڑ جاتی ہے مسجد میکدہ آباد ہوتا ہے
کوئی کرتا ہے اردو کی حمایت جب الگشن میں
میں ہنس دیتا ہوں فوراً اسقدر دل شاد ہوتا ہے
ہوا آزاد جب حرص و ہوس کی قید سے اُس دم
فرشتوں سے کہیں افضل یہ آدم زاد ہوتا ہے
محبت اپنی فطرت میں ہے لیکن برقؔ کیا کہئے
جسے دل دیجئے ثابت وہی جلّاد ہوتا ہے

ہماری خانہ بربادی کی نوبت اب یہاں تک ہے
کہ شور الاماں برپا زمیں سے آسماں تک ہے
نگاہ اہل حل و عقد سے ہرگز نہیں مخفی
کہاں سے سلسلہ اس حشر سازی کا کہاں تک ہے
نشیمن بجلیوں نے ہی مرا تنہا نہیں پھونکا
شریک اس جرم میں درپردہ ظالم باغباں تک ہے

غلط ہے شیخ آگے بڑھ گیا رندوں سے دانش میں
رسائی اس کی پہلے بھی وہیں تک تھی جہاں تک ہے

وہاں منزل رسی کا ذکر کیا اے طالبِ منزل
جہاں بھٹکا ہوا رستہ سے میرِ کارواں تک ہے

جسارت دیکھو اب بھی قتل سے منکر ہے وہ قاتل
ہمارے خون کا گو اس کے دامن پر نشاں تک ہے

نشیمن سوزیٔ بلبل کہاں تک وہ چھپائیں گے
ہواؤں میں لپٹ تک ہے فضاؤں میں دھواں تک ہے

نہیں محدود صحن باغ ہی تک تذکرہ اس کا
"ہماری داستان غم قفس سے آشیاں تک ہے"

نکالو شوق سے اس کو مگر اتنا سمجھ رکھو
چمن کی آبرو بس بلبلِ بے خانماں تک ہے

بباطن قتل کر کے دل میں خوش ہے وہ بت قاتل
بظاہر میت بسمل پہ لیکن نوحہ خواں تک ہے

اگر یہ مٹ گئی اے برق کھل جائے گا سب پردہ
بھرم جمہوریت کے ڈھونگ کا اردو زباں تک ہے

○

مری نگاہ میں اس گل کا آستانہ ہے
زمیں ہے فرش فلک جس کا شامیانہ ہے

وہ کھل کے سامنے آئیں تو جانے کیا ہو جائے
ابھی تو نام خدا عشق غائبانہ ہے

کھنچی ہیں پردۂ گیتی پہ چند تصویریں
حقیقت اتنی ہے اس کے سوا فسانہ ہے

جدھر جدھر یہ پھری پھر گئی ادھر دنیا
تری نگاہ ہے یا گردش زمانہ ہے

مجھے تو موت کی دھمکی نہ دے مرے پیارے
یہ موت تو ترے ملنے کا اک بہانہ ہے

اسی کے دم سے ہے ساری ہماہمی دل کی
یہ داغ داغ نہیں ہے چراغ خانہ ہے
مجال کیا جو کوئی مرغ دل بچے اس سے
تری نگاہ کا وہ بے خطا نشانہ ہے
ہراک کسی نہ کسی اک خیال میں ہے مست
خدائی ہے کہ خدایا شراب خانہ ہے
وہی وہی ہے سوا اس کے کچھ نہیں موجود
تفاوت من و تو فعل احمقانہ ہے
وہاں وہاں تجھے جانا پڑے گا اے ہمدم
جہاں جہاں تری قسمت کا آب و دانہ ہے
عجیب بات ہے اے برقؔ جسم خاکی کے
قفس کو لوگ سمجھتے ہیں آشیانہ ہے

○

جو پہلے سے تھی اب بھی مشکل وہی ہے
نیا بھیس بدلا ہے قاتل وہی ہے
کسی کو تو ملتی تڑپنے سے فرصت
جسے دیکھیے مرغ بسمل وہی ہے
امیدوں کی کشتی جہاں ڈوب جانے
محبت کے دریا کا ساحل وہی ہے
رہ عشق میں دیر ہو یا حرم ہو
جو ہے جس جگہ اس کی منزل وہی ہے
یہ پنچھی خدا جانے کیا چاہتے ہیں
بہار آئی شور،، عنادل بھی وہی ہے
مبارک ہو اے رہرو راہِ الفت
جہاں تھک کے بیٹھا ہے منزل وہی ہے
مروت کہاں ہے محبت کہاں ہے
یہ کیسے کہوں رنگ محفل وہی ہے
ہماری رگوں میں جو ہے خون آدم
تمھاری رگوں میں بھی شامل وہی ہے
جو انساں ہے اے برقؔ غمخوار انساں
سمجھ لیجئے مردِ کامل وہی ہے

○

رہے سب سے مل کر جو عاقل وہی ہے
زمانے میں عزت کے قابل وہی ہے
مرے جسم پر تم جہاں ہاتھ رکھ دو
میں یہ جان لوں گا مراحل وہی ہے

رہ عشق کا فاصلہ کون جانے
جہاں تھک گئے پاؤں منزل وہی ہے

ہے کہنے کو تو سب کے پہلو میں اک دل
مگر جس میں رہتے ہو تم دل وہی ہے

ذرا سا لگا کر لہو جس کو دیکھو
تمھارے شہیدوں میں شامل وہی ہے

دھڑکتا رہے خوف افشاء سے جو دل
محبت کے رازوں کا حامل وہی ہے

وفا کے سوا برقؔ جو کچھ نہ جانے
سمجھ لیجئے مردِ قابل وہی ہے

ہمارے میکدے میں کیا کمی ہے
وہی ساقی وہی دریا دلی ہے

مئے الفت ازل کے روز پی تھی
ابھی باقی خمار بیخودی ہے

یہ اعجاز محبت اللہ اللہ
کہ دل جلتا ہے آنکھوں میں نمی ہے

دیا دل تو اسے اپنا دیا کیا
اس کی دی ہوئی شئے پیش کی ہے

میں کیا جانوں حسینان جہاں کو
مری تو صرف تم سے دوستی ہے

مئے توحید چھپ کر پینے والا
چھپا درویش ہے پکا ولی ہے

خرد ہے سر بسجدہ جس کے آگے
وہ اے زاہد جنونِ آگہی ہے

تمھارے در سے کیونکر سر اٹھائیں
کہ گردن بار احساں سے دبی ہے

کبھی یہ بات بھی سوچی ہے تم نے
کہاں تم ہو ہر اک جا جب وہی ہے

تعال اللہ یہ رنگ تغزل
لطافت ہے ادب ہے، سادگی ہے

اُجالا دیکھ کر بزم ادب میں
وہ بولے برقؔ کی یہ روشنی ہے

چمن کی راہ تو سیدھی قفس سے آشیاں تک ہے
مگر پرواز تیری مرغ جاں دیکھیں کہاں تک ہے

کہاں ممکن رسائی سب کی ان کے آستاں تک ہے
جرس محو فغاں تصویر حیرت کارواں تک ہے

نگاہ کور باطن خاک دیکھے ان مناظر کو
چمک موقوف جن کی دیدۂ دیدہ وراں تک ہے

کہاں گنجایش الفاظ ملک کیف و مستی میں
جہاں معنی ہی معنی کی حکومت لامکاں تک ہے

لکھے تو کیا لکھے کوئی کہے تو کیا کہے کوئی
قلم ساکت ہے لب خاموش ہیں قاصر زباں تک ہے

بتائے حال اس کو کیا کوئی ملک معانی کا
سمجھ جس شخص کی محدود الفاظ و بیاباں تک ہے

گھری ہیں قال کے عالم میں جن افراد کی روحیں
وہ کیا جانیں کہ ملک حال کی وسعت کہاں تک ہے

رواں رگ رگ میں ہے اک شعلۂ بیتاب کی صورت
محبت میں لہو کی آگ کا غائب دھواں تک ہے

نہ ہو رہبر اگر کامل تو منزل مل نہیں سکتی
پہنچنا تیر کا موقوف بس زور کماں تک ہے

شرف معراج کا حاصل ہوا جز مصطفیٰؐ کس کو
رسائی کس بشر کی عرش رب دوجہاں تک ہے

ہوئی غارِ حرا سے جو تجلی سلسلہ اس کا
عرب سے ہند تک ہے ہند سے سارے جہاں تک ہے

وہ مہر معرفت فاران کی چوٹی سے جو چمکا
اسی کی روشنی پھیلی زمیں سے آسماں تک ہے

ولی جتنے ہیں وابستہ ہیں سب دامانِ احمدؐ سے
انھیں کا سلسلہ جاری حد کون و مکاں تک ہے

بقدر ظرف ہر میکش کو دیتے ہیں مئے عرفاں
پہنچتا ہے وہاں جس میں صلاحیت جہاں تک ہے

مرے آگے بہت اترا نہ اے رنگیں نوا بلبل
رسائی باغ تک تیری ہے میری باغباں تک ہے

قدم آگے بڑھاتا چل یقیں کی حد تک اے رہرو
ابھی ہر پھر کے تو بس سرحد وہم وگماں تک ہے

سنیں نغمات صوت سرمدی اے برقؔ وہ کیونکر
سماعت جن کی بس محدود ناقوس و اذاں تک ہے

اپنے اپنے رنگ میں سب کا جدا انداز ہے
میں سراپا آرزو ہوں وہ سراپا ناز ہے

ہے جدا منزل مگس کی اور پتنگے کی جدا
یوں تو دونوں ہی کو حاصل قوت پرواز ہے

حضرت واعظ سرِ منبر چہکتے ہیں بہت
چُپ مگر بیٹھا ہے وہ جو آشنائے راز ہے

ہر گنہ کے بعد مجھ سے اس کی رحمت نے کہا
باز آ اب بھی، درِ توبہ ابھی تک باز ہے

کیوں ہنسی آتی انھیں سنتے جو بلبل کی فغاں
کیسے میں سمجھوں کہ ہر گل گوش برآواز ہے

وہ وہاں پائیں نہ پائیں میں جو پیتا ہوں یہاں
شیخ کے انجام سے روشن مرا آغاز ہے

ہو رسا مرغ فغاں تو جانے پھر پہنچے کہاں
نارسائی میں تو اس کی عرش تک پرواز ہے

کثرت انوار سے خیرہ ہے چشم آرزو
ڈگمگاتے ہیں قدم کس کی حریمِ ناز ہے

مسکرا کر قم اگر کہدے تو مُردہ جی اٹھے
اس لب جاں بخش میں اے برقؔ یہ اعجاز ہے

○

یہ نہ کہیے کہ رات اتنی ہے
سُن نہ سکئے گا بات اتنی ہے

تنگ جینے سے آگئے ہوں گے
خضر کی بھی حیات اتنی ہے

شیخ دھکے نہ کھائیں کوثر پر
میکشوں کی برات اتنی ہے

رات بھر جیسے چاہے رو گالے
شمع کی بس حیات اتنی ہے

وجہ عفت ہے چاک دامانی
"پاک یوسف کی ذات اتنی ہے"

جھلملاتی ہے شمع ماہ و نجوم
حسن جاناں سے مات اتنی ہے

بس یہ کہہ کر حباب ٹوٹ گیا
زندگی بے ثبات اتنی ہے

چھوڑ کر جسم پھر نہیں آتی
روح بے التفات اتنی ہے

جز اکیلا گزر نہیں سکتا
تنگ راہ نجات اتنی ہے

صبح محشر ہے اختتام اس کا
طول فرقت کی رات اتنی ہے

دل چرا کر وہ لے گئے میرا
رات کی واردات اتنی ہے

رخ سے زلفیں ہٹا کے وہ بولے
اس قدر دن ہے رات اتنی ہے

آپ سے کیا لگے گا دل میرا
آپ میں چھوت چھات اتنی ہے

کھِل کے مرجھائے جیسے کوئی کلی
دل کی کل کائنات اتنی ہے

زندگی اب تو ہوگئی دوبھر
یورش حادثات اتنی ہے

دل پہ بجلی گرا کے فرمایا
کچھ نہیں برقؔ بات اتنی ہے

در محبوب کی جانب جھکی معلوم ہوتی ہے
جبیں میری بھی قسمت کی دھنی معلوم ہوتی ہے

سمجھتے کاش یہ تجھ میں نقائص دیکھنے والے
کہ آئینے میں صورت اپنی ہی معلوم ہوتی ہے

محبت کیا بتاؤں مجھ کو میں کیا چیز ہے ہمدم
یہ عنوانِ کتاب زندگی معلوم ہوتی ہے

بہارِ عمر دو روزہ پہ اِتراتے ہیں کیوں اتنا
مجھے پھولوں کے ہنسنے پر ہنسی معلوم ہوتی ہے

زمین و آسماں کے بیچ میں آرام ہے کسکو
یہ چکی سب کو ہر دم پیستی معلوم ہوتی ہے

تن خاکی میں گھبرائے نہ مرغ روح کیوں آخر
کسے اچھی قفس کی زندگی معلوم ہوتی ہے

صلاحیت اگر ہو اکتساب نور کی ہمدم
چمک ذروں میں بھی خورشید کی معلوم ہوتی ہے

تمیز نور اٹھ جائے جو ہو معدوم تاریکی
اندھیرے کی بدولت روشنی معلوم ہوتی ہے

رواں آنکھوں سے ہیں گنگ وجمن لیکن یہ حیرت ہے
کہ لب سوکھے ہوئے ہیں تشنگی معلوم ہوتی ہے

حباب بحر کہتا ہے اشاروں ہی اشارے میں
بس اک چشم زدن کی زندگی معلوم ہوتی ہے

تصرف صاف کہتا ہے ترے مخصوص بندوں کا
کہ پنہاں بندگی میں خواجگی معلوم ہوتی ہے

حمایت بھیڑیوں کی ظلم ہے بھیڑوں کے گلے پر
بُروں کے ساتھ نیکی بھی بدی معلوم ہوتی ہے

گذر جب وادیٔ توحید میں ہوتا ہے انساں کا
خود اپنی معرفت حق آگہی معلوم ہوتی ہے

تمھیں چاہا تو آخر کونسی تقصیر کی میں نے　　بھلی صورت زمانے کو بھلی معلوم ہوتی ہے
چمک برقؔ تجلی کی ہے ابتک طور پر لیکن
ترے ذوق نظر ہی میں کمی معلوم ہوتی ہے

○

مطلع نور زمانے کو بنا رکھا ہے　　حق نے گردوں کو ستاروں سے سجا رکھا ہے
جانے کس جرم میں شبنم کو رلا رکھا ہے　　جانے کس بات پہ پھولوں کو ہنسا رکھا ہے
رخ سے پردہ جو ہٹادیں تو نہ جانے کیا ہوا　　چھپ کے پردے میں تو دیوانہ بنا رکھا ہے
خود بخود جان کے موجود ہمیشہ سے تجھے　　نام تیرا ترے بندوں نے خدا رکھا ہے
ہم کوئی دم کے ہیں مہمان مگر اس گل نے　　وعدۂ دید قیامت پہ اٹھا رکھا ہے
زندگی درد جدائی کے سوا کچھ بھی نہیں　　موت نے ان سے ہزاروں کو ملا رکھا ہے
اہلِ الفت کی ادائیں بھی ہیں سبحان اللہ　　درد کا نام محبت میں دوا رکھا ہے
میری کشتی کو جو نسبت نہیں دریا سے تو پھر　　اس نے کیونکر اسے سینہ سے لگا رکھا ہے
باغ میں سنبل پیچاں نے بھی اے برقؔ اپنا
سلسلہ گیسوئے جاناں سے ملا رکھا ہے

○

شہر خموشاں

اک روز سوئے شہرِ خموشاں گیا تھا میں　　کیا آپ کو بتاؤں جو صورت وہاں کی ہے
خواجہ خضر بھی ساتھ تھے سب ان سے پوچھ کر　　لکھتا گیا یہ قبر فلاں بہ فلاں کی ہے
پوچھا جو قبر میر تقی میرؔ دیکھ کر　　کہنے لگے یہ بادشہِ شاعراں کی ہے

اک شاندار قبر کو دیکھا تو فخر سے
کہنے لگے یہ غالبؔ جادو بیاں کی ہے

پھر اور ایک قبر کو دیکھا تو ناز سے
بولے یہ داغؔ بلبل ہندوستاں کی ہے

ورد زباں ہے جس کا یہ مصرع ہر ایک کو
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

القصہ وہ بتاتے گئے ایک ایک قبر
لکھتا گیا میں سب یہ فلاں یہ فلاں کی ہے

فرمایا پھر کہ ملک کی دولت ہیں یہ ادیب
اِن کی مثال خاک میں گنجِ نہاں کی ہے

میں نے کہا کہ آپ کی باتوں سے ہے عیاں
جو قبر بھی ہے وہ کسی عالی نشاں کی ہے

کہنے لگے کہ زندۂ جاوید ہیں یہ سب
ان کو مٹائے کب یہ مجال آسماں کی ہے

کچھ فاصلے پہ بکھری ہوئی راکھ دیکھ کر
کہنے لگے یہ تاجورِ احمقاں کی ہے

پوچھا جو میں نے نام کہا یہ نہ پوچھئے
لینے میں اس کے نام کے سُبکی زباں کی ہے

میں نے کہا کنایہ میں کہیے تو یہ کہا
بس یہ سمجھئے دشمنِ ہندوستاں کی ہے

میں نے کہا کہ چین کی، ہنس کر کہا نہیں
تعریف یہ بھی آپ کے حسنِ بیاں کی ہے

اردو زباں کو جو کہ مٹانے پہ تھا تُلا
یہ مشتِ خاک برقؔ اسی نوجواں کی ہے

رباعیات

آسائش دنیا طلب دولت و جاہ
سب نقش برآب ہیں اللہ گواہ
آئی جو سمجھ تو برقؔ میں نے یہ کہا
لا حول ولا قوہ الا باللہ

جاسکتی نہیں جس سے کوئی شے باہر
آسکتی نہیں جس کے کوئی شے اندر
جس میں نہیں امکان کمی و بیشی
اے برقؔ وہ ہے ذاتِ خدائے اکبر

○

حق بات کی اے برقؔ یہی ہے پہچان
کافر بھی اگر سن لے تو لائے ایمان
اللہ کی ہستی نہیں موجود تو پھر
کیا تجھ میں ہے ڈالی کسی انسان نے جان

○

اللہ احد کیوں نہ کہوں طاق ہے وہ
مخلوق ہمہ خلق ہے خلاق ہے وہ
موجود تھا جب کچھ بھی نہ تھا اور اب بھی
الان کما کان کے مصداق ہے وہ

○

اٹھتا ہے جہاں ہستی باری کا سوال
کام آتی ہے اے برقؔ وہاں قیل نہ قال
اس جیسی کوئی شے ہی نہیں جب موجود
کس چیز سے دے کوئی بھلا اس کی مثال

○

یہ سارا جہاں پیش خدائے محمود
ہوتے ہوئے موجود بھی ہے نا موجود
کہنے کو تو ہے پھر بھی نہیں ہے جیسے
سورج کے مقابل ہیں ستارے نابود

○

قرآن کی آیت کا ہے اس میں مفہوم
کیوں میری رباعی نہ ہو وحی منظوم
خورشید و زمیں سب ہیں معلق اے برقؔ
ہے سب کا محافظ وہی حی القیوم

○

بستی ہو کہ صحرا ہو بیاباں کہ چمن بھارت ہو کہ اٹلی ہو عرب یا لندن
اللہ کے بندے جو ہیں اے برقؔ ان کا بے وہم وگماں ساری خدائی ہے وطن

○

لقمہ ہو کوئی خشک کہ تر ہے انسب کھا شکر ادا کر کے جو بخشے تجھے رب
ہر لقمے کی لذت ہے زباں تک محدود جب حلق سے اترا تو برابر ہے سب

○

آتجھ کو میں اک راز سے کردوں آگاہ منعم ہو کہ مفلس ہو گدا ہو یا شاہ
کھاتا نہیں خواہش سے زیادہ کوئی فاضل ہے جو حق دوسروں کا ہے واللہ

○

دے ان کو بھی پاتے جو نہیں کھانے بھر گھر اپنا ہی دولت سے نہ دیوانے بھر
سامان خورو نوش سے ہر روز ترا حصہ ہے فقط پیٹ کے پیمانے بھر

○

مندر میں برہمن سے یہ اک بت نے کہا انصاف سے کہہ تو ہی مجھے کس نے گڑھا
یہ ناصیہ فرسائی مرے آگے کیوں کچھ عقل سے لے کام ذرا بہر خدا

○

بیہوش ہے تو آ تجھے کردوں باہوش تو جسم کے پردے میں ہے غافل روپوش
پھرتا ہے لئے اپنا مکاں یوں ہر سو جس طرح سے پھرتا ہے کوئی خانہ بدوش

○

پُر بادۂ توحید سے ہے جس کا ایاغ حاصل ہے اسے برقؔ تعصب سے فراغ
پروانے کو اس بحث سے کیا مطلب ہے مندر کا دِیا ہے کہ ہے مسجد کا چراغ

○

وہ تو ہے ترے دل ہی کے اندر مہمان اس کے لئے در در کی عبث خاک نہ چھان
من عرف نفسہ کے اشارے تو سمجھ ہے اپنی ہی پہچان خدا کی پہچان

○

○

اے مشفق من مان یہ کہنا مرا — خود بینی کا دعویٰ نہیں تجھ کو زیبا
ہیں نور کی محتاج یہ تیری آنکھیں — گر نور نہ ہو کچھ نہ نظر آئے گا

○

قرآن پہ اے برقؔ ہے میرا ایمان — کرتا ہوں میں بے خوف وخطر یہ اعلان
احمدؐ کی اطاعت ہے خدا کی طاعت — فرمان محمدؐ ہے خدا کا فرمان

○

از فیض حضوریست دل نیک سرشت — فارغ زغم ویل وتمنای بہشت
خلاق جہاں ہست چو ہرجا موجود — در دیدۂ عشاق چہ کعبہ چہ کنشت

○

گنج زرِ دنیا و فراوانئ جاہ — چون نقش برآب ہست اللہ گواہ
فہمید چوں ایں راز دلِ برقؔ بگفت — لاحول ولا قوۃ الا باللہ

○

اک بت سے برہمن نے کہا دے کے مثال — ہے قابلِ افسوس تری عقل کا حال
تحریر کا خالق ہے محرر کا قلم — تصویر کا خالق ہے مصور کا خیال

○

ہر قول میں ہر فعل میں صائب تو ہے — اللہ کے محبوب کا نائب تو ہے
آ تیرے لئے جان مری حاضر ہے — مولا مرے کس واسطے غائب تو ہے

○

اے خالق کونین و ولی الحسنات — مخفی ہے تری ذات نمایاں ہیں صفات
ظاہر مگر اشیاء ہیں صفات ان کی نہاں — میری تو سمجھ میں یہی بس آتی ہے بات

○

کیوں نسل ووطن کا ہے یہ جھگڑا باقی — اولاد جب آدم کی ہے سب اے ساقی
دے بادۂ توحید کا اک جام ایسا — ہر رند پکار اٹھے کہ میں ہوں آفاقی

○

○

روئی ہی کا کپڑے میں ہے تانا بانا
افسوس نہ کپڑے نے اسے پہچانا
زر اپنے کو زیور نے جو پایا تو کہا
آج اپنی حقیقت کو ہے میں نے جانا

○

ہجر کی چوٹ بھی کس درجہ کڑی ہوتی ہے
ایک برچھی سی رگِ دل میں گڑی ہوتی ہے
آ کے رکتا نہیں کمبخت جدائی کا پہر
ہر گھڑی اس کی قیامت کی گھڑی ہوتی ہے

○

طعن کم آگہی کے سہنا بہتر
سمجھے نہ کوئی تو چپ ہی رہنا بہتر
برقؔ اس کی شان میں زروئے ادب
کچھ بھی کہنے سے کچھ نہ کہنا بہتر

○

دنیا میں ہے تو چند دنوں کا مہمان
کرتا ہے مگر لاکھ برس کا سامان
لاتا ہے کوئی کچھ نہ تو لے جاتا ہے
کیوں جان کے اے دوست بنا ہے انجان

○

سمجھے ہو عدم تم جسے ہے اصل وجود
ہے غیب کا اعجاز تماشائے شہود
غصہ کی بظاہر نہیں جیسے کوئی شکل
ہوتی ہے پسینہ کی مگر اس سے نمود

○

دنیا میں کوئی شے نہیں ایسی موجود
جھکتی نہ ہو جو پیشِ خدائے محمود
قامت میں ہو کتنی ہی بلند و بالا
ہر چیز کا سایہ ہے مگر وقف سجود

رباعی از عارفے

انکاری خلق باش تصدیق این است
مشغول بہ خویش باش توفیق این است
تبعیت خلق از حق باطل کرد
ترک تقلید گیر تحقیق این است

ترجمہ از برقؔ اعظمی

انکار خلق کرنا تصدیق ہے تو یہ ہے
اپنے میں محو رہنا توفیق ہے تو یہ ہے
تقلید خلق تجھ کو کر دے گی دور حق سے
تقلید ترک کرنا تحقیق ہے تو یہ ہے

قطعات

خدا کی حمد میں اے برقؔ میں نے اصغرؔ کا
یہ شعر پڑھ کے جھکا دی وہیں جبین سجود
"اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے"
جو کچھ کہا تو ترا حسن ہوگیا محدود

ساقی بغیر یوں تو جئے جارہا ہوں میں
لیکن لہو کے گھونٹ پیئے جارہا ہوں میں
مرتا تھا زندگی میں کسی وقت لیکن اب
مرنے کی آرزو میں جئے جارہا ہوں میں

○

بیٹھے بیٹھے بھی ہے سفر جاری
لنگ عذرِ شکستہ پائی ہے
منزلِ عمر میں قدم ہے مگر
میں ہوں اور میری چارپائی ہے

○

صبا وہ جھوٹ دیتا ہے تسلی
میں واقف ہوں فریبِ باغباں سے
سلامت ہے اگر میرا نشیمن
اڑے آتے ہیں یہ تنکے کہاں سے

○

تعصب کے سبب اندھی ہے نرگس
سنا میں نے یہ سوسن کی زباں سے
"زمین شور سنبل برنیارد"
صبا کل کہہ رہی تھی باغباں سے

○

نویدِ شادمانی ہے یہ بلبل
نہ ہو مایوس جورِ باغباں سے
نکلتے ہیں شگوفے از سرنو
بہاریں خلق ہوتی ہیں خزاں سے

○

نہ جانے کتنی موجیں سر ہوئی ہیں
ہماری کشتیٔ عمر رواں سے
ہوئی ہو آگ بھی گلزار جس پر
وہ کیا سہمے کسی آتش فشاں سے

○

سن ہجری مبارک اے مسلماں تجھ کو ہو اس میں
مجھے تو آبروئے دیں چھپی معلوم ہوتی ہے
جو دیکھو عشرۂ ذی الحجہ اور ماہ محرم کو
تو قربانی سے قربانی ملی معلوم ہوتی ہے

ذات خالق کی ہے اے برق نگاہوں سے نہاں
ہر صفت اس کی مگر صورت اشیاء ہے عیاں
برخلاف اس کے نمایاں ہے ہماری ہستی
اور صفات اپنی ہیں لوگوں کی نظر سے پنہاں

بے بنائے نہیں بنتی ہے کوئی شے ہرگز
اپنی علت ہو یہ ممکن نہیں کوئی معلول
تابع حق ہے زمانے میں ہر اک شے کا وجود
اپنا فاعل ہو یہ ممکن نہیں کوئی مفعول

ایک پریوں کے حسن پر ہے فدا
دوسرا حور کا فدائی ہے
حیف دونوں نے چھوڑ کر حق کو
ماسوا ہی سے لو لگائی ہے

کل یہ اک رند مست کہتا تھا
اس نے کب میری گرد پائی ہے
باغ جنت ہے منزلِ واعظ
باغباں تک مری رسائی ہے

رازِ وحدت بھلا وہ کیا جانے
بات جس کی سنی سنائی ہے
ہر زباں کے حروف ہیں جتنے
ماہیت سب کی روشنائی ہے

اپنی خواہش تو یہ ہے روز زیارت ہوتی
ان کا پردے سے ہو کب دیکھئے باہر آنا
آئی آواز سنی کیا نہیں تو نے یہ مَثَل
"قدر کھودیتا ہے ہر روز کا آنا جانا"

جو پوچھا غریبی ہٹائیں گے پہلے
کہ اردو پہ چشمِ عنایات ہوگی
کہا ایک ووٹر نے بعدِ الکشن
نہ یہ بات ہوگی نہ وہ بات ہوگی

غریبی ہٹانے کی سوگندھ کھا کر
مرا ووٹ لینے وہ آئے ہوئے ہیں
مگر کیا کروں میں کہ بیسوں برس سے
یہ وعدے مرے آزمائے ہوئے ہیں

○

خانۂ جسم میں مکیں ہے بشر خوابِ غفلت میں ہے مگر بیہوش
اس حقیقت پہ کیجئے جو نظر برقؔ ہر آدمی ہے خانہ بدوش

○

اے نکو کار و شائقِ اعمال بے نیاز است ایزد متعال
گوش کن این مقولۂ معقول خدمت الخلق افضل الاشغال

○

کیوں نہ اپنائیں اس کو اہل وطن جب کہ ہندوستاں ہے جمہوری
سب زبانوں سے مل کے ہے یہ بنی برقؔ اردو زباں ہے جمہوری

○

برق یہ کہہ کر با لآخر سوگیا اس کو پاتا ہے وہی جو کھوگیا
پھیل کر سایہ ہوا مانند نور نور جب سمٹا تو سایہ ہوگیا

عالم رویا میں برقؔ اعظمی اور غالبؔ دہلوی سے منظوم مکالمہ

گفتۂ برقؔ

(۱)

دیکھ کر البم بتانِ دہر کی تصویر کا
کہیے کیا موضوع ہے سرکار کی تقریر کا

(۲)

کُنجِ تنہائی میں کیسے رات کرتے ہیں بسر
یاد جب آتا ہے وعدہ اس بُتِ بے پیر کا

(۳)

مشہدِ الفت میں عاشق سے گلے ملنے کو ہے
کہیے اس دم حال کیا ہے جوہرِ شمشیر کا

(۴)

اہلِ دانش گوش برآواز تو سب ہیں مگر
کیا سمجھ لیں گے یہ مطلب آپ کی تقریر کا

(۵)

جھک کے کرنا چاہتا ہے پائے بوسی آپ کی
خم بہ خم حلقہ ہے شاید اس لیے زنجیر کا

گفتۂ غالبؔ

(۱)

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

(۲)

کاوِ کاوِ سخت جانی ہائے تنہائی نہ پوچھ
صبح کرنا شام کا لانا ہے جوئے شیر کا

(۳)

جذبۂ بے اختیارِ شوق دیکھا چاہیے
سینۂ شمشیر سے باہر ہے دم شمشیر کا

(۴)

آگہی دامِ شنیدن جس قدر چاہے بچھائے
مدعا عنقا ہے اپنے عالمِ تقریر کا

(۵)

بسکہ ہوں غالب اسیری میں بھی آتش زیرِ پا
موئے آتش دیدہ ہے حلقہ مری زنجیر کا

☆☆☆

کہیے جو جو صورتیں مٹی میں پنہاں ہوگئیں
خاک میں ہوں گی کہ سب جنت بداماں ہوگئیں

سب کہاں کچھ لالہ وگل میں نمایاں ہوگئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہوگئیں

آپ کی اردو ابھی زندہ ہے بزمِ برقؔ میں
جس کے دم سے علم کی شمعیں فروزاں ہوگئیں

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش ونگارِ طاقِ نسیاں ہوگئیں

اُن پری زادوں کا کہیے کیا بگاڑا آپ نے
چھین کر دل آپ کا جو دشمن جاں ہو گئیں

اُن پری زادوں سے لیں گے خُلد میں ہم انتقام
قدرتِ حق سے یہی حوریں اگر واں ہو گئیں

وہ گلے سے مل گئے جس دم کہا کیا آپ نے
کون سے باتیں تھیں وہ جو درجِ دیواں ہو گئیں

نینداس کی ہے دماغ اس کا ہے راتیں اسکی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

آپ جب گلشن میں پہنچے تو بتائیں کیا ہوا
بلبلیں گانے لگیں سب یا پَر افشاں ہو گئیں

میں چمن میں کیا گیا گویا دبستاں کھل گیا
بلبلیں سُن کر مرے نالے غزل خواں ہو گئیں

دل پکڑ کر کہیے کیا فرما رہے تھے محترم
ان کی نظریں جب کہ پیوست رگِ جاں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یارب دل کے پار
جو مری کوتاہیٔ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

زخم سینہ کس سے سلوایا ہے قبلہ آپ نے
خوں کی بوندیں تکمۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں ابھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

مے میں آخر کون سی خوبی ہے جس کے ذکر سے
آرزوئیں میکشوں کے دل کی رقصاں ہو گئیں

جانفزا ہے بادہ جس کے ہاتھ میں جام آ گیا
سب لکیریں ہاتھ کی گویا رگِ جاں ہو گئیں

کہیے اب کیسے گزاریں پُرمسرت زندگی
زیست کی قدریں تو سب خواب پریشاں ہو گئیں

رنج کا خوگر ہوا انساں تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں مجھ پر پڑیں اتنی کہ آساں ہو گئیں

ہم کو اے قبلہ بتائیں آپ کا مذہب ہے کیا
خواہشاتِ دل ہیں کافر یا مسلماں ہو گئیں

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترکِ رسوم
ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایماں ہو گئیں

آپ نے رو کر کہی تھی سب سے پیش برقؔ جو
کیا وہ باتیں یاد ہیں یا نذرِ نسیاں ہو گئیں

یونہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں
دیکھنا ان بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں

☆☆☆

اعجاز ہے یہ کہیے کسی دستِ ناز کا
یا ہم جو سُن رہے ہیں وہ نغمہ ہے ساز کا

محرم نہیں ہے تو ہی نواہائے راز کا
یاں ورنہ جو حجاب ہے پردا ہے ساز کا

رنگِ شکستہ پر مرے پُرغم ہے، کیا کہوں
جوہر دکھائے ہنس کے وہ گُل تا کہ ناز کا

رنگِ شکستہ صبحِ بہارِ نظارہ ہے
یہ وقت ہے شگفتنِ گلہائے ناز کا

وہ ملتفت رقیب کی جانب تھا جب، تو کیا
کہنا تھا محترم کے دلِ عشق باز کا

تو اور سوئے غیر نظرہائے تیز تیز
میں اور دُکھ تری مژہ ہائے دراز کا

محرومیٔ وصال پہ قبلہ نے کیا کہا
بل جب نہ کھل سکا گرہٗ نیم باز کا

کاوش کا دل کرے ہے تقاضا کہ ہے ہنوز
ناخن پہ قرض اُس گرہِ نیم باز کا

تھا سینۂ حضور تو گنجینۂ علوم
کیونکر ہدف ہوا یہ کسی تیرِ ناز کا

تاراجِ کاوشِ غمِ ہجراں ہوا اسدؔ
سینہ کہ تھا دفینہ گُہر ہائے راز کا

☆☆☆

صحرا میں اور کیوں نہ کسی کا وجود تھا
کیا قیس ہی کے واسطے حکمِ ورود تھا

جز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار
صحرا مگر بہ تنگیٔ چشمِ حسود تھا

کالک سیاہ رنگ، دھواں ہے سپید رنگ
اس کا ہے کیا ثبوت کہ پہلے یہ دود تھا

آشفتگی نے نقشِ سویدا کیا درست
ظاہر ہوا کہ داغ کا سرمایہ دود تھا

بزمِ مکالمہ جو تھی شب گرمِ خواب میں
کھلتے ہی آنکھ کیوں نہ پھر اُس کا وجود تھا

تھا خواب میں خیال کو مجھ سے معاملہ
جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا نہ سود تھا

فارغ نصابِ عشق سے اب آپ ہو گئے
یا آج بھی ہے جو سبقِ رفت بود تھا

لیتا ہوں مکتبِ غمِ دل میں سبق ہنوز
لیکن یہی کہ رفت گیا اور بود تھا

ڈھانپا تھا کس نے داغِ عیوبِ برہنگی
تقویٰ تھا یا وہ شغلِ دعا و درود تھا

ڈھانپا کفن نے داغِ عیوبِ برہنگی
میں ورنہ ہر لباس میں ننگِ وجود تھا

دیکھا نہ کوہ کن کو کہ جاں تک نثار کی
جز عشق اس کو پاس زیاں تھا نہ سود تھا

تیشہ بغیر مر نہ سکا کوہکن اسدؔ
سرگشتۂ خمارِ رسوم و قیود تھا

☆☆☆

کوئی قطرہ یم سے ملتا، تو کب آشکار ہوتا
کہاں ہوتے آپ کہیے، جو وصالِ یار ہوتا

یہ نہ تھی ہماری قسمت کہ وصالِ یار ہوتا
اگر اور جیتے رہتے یہی انتظار ہوتا

ترے واسطے ہے کوثر ترے واسطے ہے جنت
ترے دل کو اب بھی ظالم، نہیں کیوں قرار ہوتا

ترے وعدہ پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

ہوئے پندِ دوستاں سے عبث آپ دل گرفتہ
جو بگوش ہوش سنتے، تو نہ دل پہ بار ہوتا

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی چارہ ساز ہوتا کوئی غمگسار ہوتا

جو کسی پہ دل نہ آتا، تھی بڑے مزے کی دنیا
غم عاشقی سے کوئی نہ کبھی دوچار ہوتا

غم اگرچہ جاں گسل ہے پہ کہاں بچیں کہ دل ہے
غم عشق گر نہ ہوتا غم روزگار ہوتا

جسے دیکھو رو رہا ہے شب غم نہ جانے کیا ہے
جو وصال کو سمجھتا تو نہ سوگوار ہوتا

کہوں کس سے میں کہ کیا ہے شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا برا تھا مرنا اگر ایک بار ہوتا

یہ بتائیں آپ دیتے اسے کس طرح تسلّی
جو خدنگِ ناز جاناں نہ جگر کے پار ہوتا

کوئی میرے دل سے پوچھے ترے تیرِ نیم کش کو
یہ خلش کہاں سے ہوتی جو جگر کے پار ہوتا

دلِ زار کی نہ جانے ہوئی ہوتی کیسی حالت
جو خدا نہ خواستہ یہ، غم دل شرار ہوتا

رگ سنگ سے ٹپکتا وہ لہو کہ پھر نہ تھمتا
جسے غم سمجھ رہے ہو یہ اگر شرار ہوتا

ارے توبہ ان کا پردہ کہ کسی نے بھی نہ دیکھا
اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
کسی دل کو تو جہاں میں کوئی دم قرار ہوتا
جو دوئی کہ بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیان غالب
ہوئے مرکے ہم جو رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا
دل برقؔ تیری تربت پہ نہ کیوں نثار ہوتا
نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ کہیں مزار ہوتا

☆☆☆

مردانگی سے دور تھا کہنے کو مرد تھا
دھمکی میں مرگیا جو نہ بابِ نبرد تھا
دیکھا نہ بوالہوس کو کہ دھمکی سے سرد تھا
عشق نبرد پیشہ طلب گارِ مرد تھا

استاد شہ تھے آپ کو کس بات کا تھا ڈر
تھا زندگی میں موت کا کھٹکا لگا ہوا
کیوں رنگِ رخ حضورِ معلی کا زرد تھا
اڑنے سے پیشتر ہی مرا رنگ زرد تھا

کیوں آپ کل کی بزم ادب میں نہ آسکے
تالیف نسخہ ہائے وفا کر رہا تھا میں
کیا پیر میکدہ کے کلیجے میں درد تھا
مجموعہ خیال ابھی فرد فرد تھا

جو گل تھا اپنے رنگ کی سرخی میں بے مثال
دل تا جگر کہ ساحلِ دریائے خوں ہے اب
کیوں سامنا حضور کا ہوتے ہی زرد تھا
اس رہ گزر میں جلوۂ گل آگے گرد تھا

یہ درد کا بھی آپ کے قصہ عجیب ہے
جاتی ہے کوئی کشمکش اندوہِ عشق کی
کیوں ہر گھڑی زبان پہ بس درد درد تھا
دل بھی اگر گیا تو' وہی دل کا درد تھا

مومنؔ کو کیوں بلا کے دکھایا نہ جیل میں
احباب چارہ سازیٔ الفت نہ کرسکے
وحشت کا تو علاج وہ کرنے میں فرد تھا
زنداں میں بھی خیال بیاباں نورد تھا

رو رو کے کیا عروس ادب کہہ رہی تھی جب
یہ لاش بے کفن اسدؔ خستہ جاں کی ہے
دیکھا کہ جسم آپ کا بالکل ہی سرد تھا
حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

☆☆☆

آج کل عشق میں عشاق پُر امید ہیں کیوں
اس میں کیا سر پہ جو پڑتا ہے وبال اچھا ہے

دیکھیے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

کس لیے آپ کو یہ جامِ سفالیں ہے عزیز
کچھ جواب اس کا بھی دیجے کہ سوال اچھا ہے

اور بازار سے لے آئے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے یہ مرا جامِ سفال اچھا ہے

وہ تو کہتے تھے کہ بیمار کہاں ہیں مرزا
اچھے خاصے نظر آتے ہیں جمال اچھا ہے

ان کے دیکھے سے جو آجاتی ہے منہ پر رونق
وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

بادہ نوشی کہیں | جنت سے نہ روکے قبلہ
کیا سمجھتے ہیں کہ پینے کا مآل اچھا ہے

ہم کو معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن
دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے

☆☆☆

اے پرستار وفا پیکرِ تسلیم و رضا
کیا ہوا حال محبت کا بتا تیرے بعد

شمع بجھتی ہے تو اس میں سے دھواں اٹھتا ہے
شعلہ عشق سیہ پوش ہوا میرے بعد

اے کہ ترا مقام ہے رفعتِ چرخ سے بلند
شارع عام پر مگر بیٹھا ہے سر جھکائے کیوں

دیر نہیں حرم نہیں در نہیں آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہ گزر پہ ہم کوئی ہمیں اٹھائے کیوں

قیدِ حیات و بندِ غم دونوں ہیں دو کہ ایک ہیں
موت سے پہلے کس طرح ان سے نجات پائیں ہم

قیدِ حیات و بندِ غم اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں

نشہ ہے جب حرام تو پیتے ہیں کیوں شراب
پرہیز اس سے قبلۂ حاجات چاہیے

مے سے غرض نشاط ہے کس رو سیاہ کو
یک گونہ بیخودی مجھے دن رات چاہیے

سر بیخودی میں کہیے میرا کس طرف جھکے
رخ کس طرف کو وقت مناجات چاہیے

سرپائے خم پہ چاہیے ہنگام بیخودی
رو سوئے قبلہ وقت مناجات چاہیے

ہوا ہے خلق جو کچھ یہ نہ ہوتا گر تو کیا ہوتا
کرم ہوتا جواب اس کا جو اے قبلہ عطا ہوتا

نہ تھا کچھ تو خدا تھا کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

بڑھتی جاتی ہے گرانی روز و شب
کہیے اب کیسے جئیں اور کھائیں کیا

رات دن گردش میں ہیں سات آسماں
ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

اسرارِ معرفت ہوں بیاں عامیوں میں کیوں
چارہ ہی کیا ہے کہیے وہاں چپ رہے بغیر

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

فرض ہے جان بچانے کی تمنا لیکن
کیا کریں کہیے جہاں جان بچائے نہ بنے

عشق پر زور نہیں ہے یہ وہ آتش غالبؔ
جو لگائے نہ لگے اور بجھائے نہ بنے

دیکھئے جس کو وہ ہے عاشقِ آساں طلبی
کہیے ممکن بھی ہے ہر کام کا آساں ہونا

بس کہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا
آدمی کو بھی میسر نہیں انساں ہونا

یہ تو کہیے غمِ ہستی سے پریشاں ہوکر
کیا کہا آپ نے جب کوئی نہ ارماں نکلا

بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل
جو تری بزم سے نکلا سو پریشاں نکلا

بانٹنے آئے پسِ مرگ جو حصہ ورثاء
کہیے کیا آپ کے گھر سے کوئی ساماں نکلا

چند تصویرِ بتاں چند حسینوں کے خطوط
بعد مرنے کے مرے گھر سے یہ ساماں نکلا

وقت پر جام نہ پاکر یہ سنا ہے میں نے
آپ خود اپنے کو جینے سے خفا رکھتے تھے

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

تھا اسے وصل سے انکار تو مر ہی جاتے
جیتے جی آپ سے الفت میں تو یہ بھی نہ ہوا

میں نے چاہا تھا کہ اندوہِ وفا سے چھوٹوں
وہ ستم گر مرے مرنے پہ بھی راضی نہ ہوا

کہیے جتنے ہیں فرشتوں کے لکھے پر معتوب
از رہِ عدل کوئی لائق تعزیر بھی تھا

پکڑے جاتے ہیں فرشتوں کے لکھے پر ناحق
آدمی کوئی ہمارا دم تحریر بھی تھا

ہے یہی حال نقاہت کا اگر آپ کی تو
کیسے بچیے گا دواؤں کا اثر ہونے تک

غم ہستی کا اسدؔ کس سے ہو جز مرگ علاج
شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

آپ سے بات ہوئی جب پسِ پردہ ان سے
کہیے کیا کہتے تھے ایوان بدر ہونے تک

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن
خاک ہوجائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

☆☆☆

عالم رویا میں برقی اعظمی اور علامہ اقبال سے منظوم مکالمہ

نشانِ منزل

گفتۂ برقی اعظمی

مجھے اے حکیم امت یہ بتا ز خیر خواہی
کہ وہ کون ذی شرف ہیں جو ہیں اہل بادشاہی

گفتۂ علامہ اقبال

یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام بادشاہی

میری منزلِ طلب کی رہِ مستقیم کیا ہے
ہے عروج کس میں پنہاں نہاں کس میں ہے تباہی

تری زندگی اسی سے تری آبرو اسی سے
جو رہی خودی تو شاہی نہ رہی تو روسیاہی

نہ دکھائے راہ مرشد تو کہوں میں اس سے پھر کیا
وہ جواب دیں کہ برہم نہ ہو پیر خانقاہی

نہ دیا نشانِ منزل مجھے اے حکیم تو نے
مجھے کیا گلہ ہو تجھ سے تو نہ رہ نشیں نہ راہی

ترے حلقۂ سخن سے کوئی کامیاب نکلا
کہ ہے منزلِ طلب کا نہیں تا ہنوز راہی

مرے حلقۂ سخن میں ابھی زیرِ تربیت ہیں
وہ گدا کہ جانتے ہیں رہ و رسمِ کج کلاہی

میری زندگی کا مقصد مجھے تو بتا کہ کیا ہو
میں کروں فقیری حاصل کہ مقام بادشاہی

یہ معاملے ہیں نازک جو تری رضا ہو تو کر
کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی

میں حق آگہی کی باتیں جو کروں تو فقر و فاقہ
جو خوشامدی ہیں لیکن وہ اڑائیں مرغ و ماہی

تو ہما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہانِ مرغ و ماہی

میں زباں سے پڑھ رہا ہوں ترا لا الٰہ الاّ
تو ہے کیا ضرور اس پر مرا دل بھی دے گواہی

تو عرب ہو یا عجم ہو ترا لا الٰہ الاّ
لغت غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

حق گوئی

برق اعظمی

رہتے ہیں خوشامد میں کیوں حضرتِ درگاہی
آئیں گے سمجھ میں کب اسرارِ شہنشاہی

فرمائیں خوشامد میں نقصان ہے کیا آخر
یہ مرغ مسلّم ہے یہ کوفتۂ ماہی

کیا آپ کا منشا ہے ہم بن کے رہیں مفلس
اور لب پہ فقیری سے ہو آہِ سحر گاہی

رکتی ہے زباں اپنی حق بات کے کہنے میں
کہنے ہی نہیں دیتا کچھ دبدبۂ شاہی

اب منزل مقصد کا کچھ شوق نہیں ان کو
کتراتے ہیں رستے سے افسوس کہ سب راہی

علامہ اقبال

جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آگاہی
کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی

اے طائر لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللہی

آئین جواں مرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

تومید نہ ہو ان سے اے رہبرِ فرزانہ
کم کوش تو ہیں لیکن بے ذوق نہیں راہی

تقدیرِ اُمم

برق اعظمی

بیکار گئے نالے پایا نہ جواب آخر
روتے ہی رہیں کب تک ہم خانہ خراب آخر

آغازِ محبت میں جو آگ بھڑکتی ہے
کیا اس میں نہیں رہتا سوز وتب وتاب آخر

علامہ اقبال

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
کرتے ہیں خطاب آخر اٹھتا ہے حجاب آخر

احوالِ محبت میں کچھ فرق نہیں آتا
سوز وتب وتاب اول سوز وتب وتاب آخر

تقدیرِ امم کیا ہے؟ کچھ لوگوں نے سمجھا ہے
طاؤس و رباب اول طاؤس و رباب آخر

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیرِ امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

بھارت میں شرابی سب پینے پہ جب آتے ہیں
پیتے ہیں شراب اول کھاتے ہیں کباب آخر

میخانہ یورپ کے دستور نرالے ہیں
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر

کیوں مست سے رہتے ہیں یہ راز نہیں کھلتا
کیا اہلِ حکومت سب پیتے ہیں شراب آخر

کیا دبدبۂ نادر کیا شوکتِ تیموری
ہوجاتے ہیں سب دفتر غرقِ مئے ناب آخر

ہم یونہی اندھیرے میں ہر وقت رہیں گے یا
چھٹ جائے گا گردوں سے ظلمت کا سحاب آخر

خلوت کی گھڑی گزری جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

صدقے تری حکمت کے صدقے تری دانش کے
سرکا ہی دیا روئے معنیٰ سے نقاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

مذہبِ ملّا

برق اعظمی

کیا حال مسلماں ہے ابھی اس کے مطابق
تاریخ میں آئے ہیں صحابہؓ کے جو حالات

علامہ اقبال

یا عرصۂ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات

میداں سے جو منھ موڑ کے مسجد میں پڑے ہیں
کچھ ان پہ بھی ظاہر کریں آپ اپنے خیالات

وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدامست
یہ مذہبِ ملّا و جمادات و نباتات

جرمِ ضعیفی کی سزا

سب چپ رہے ہیں مجھے کمزور سمجھ کر
سنتا ہی نہیں کوئی توجہ سے مری بات

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

کیسا ہے یہ اندھیر زمانے کی فضا میں
آتے ہی سمجھ میں نہیں فطرت کے اشارات

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

نکتہ ہائے خودی

برق اعظمی

زمانہ مجھ کو کیا چاہتا ہے خوار و ذلیل
خودی کا راز بتا مجھ کو اے حکیمِ عقیل

جہاں کو درسِ اخوت جو آج دیتے ہیں
بھرے ہوئے ہیں وہ دستی بموں سے خود زنبیل

جو کارواں کہ ہوا ہمکنار منزل سے
کرے وہ کیوں نہ بھلا اپنے عیش کی تکمیل

خودی کا درس میں اس واسطے نہیں لیتا
کہیں غرور کی صورت میں یہ نہ ہو تبدیل

بھٹک رہا ہوں میں اس وادی سیہ میں جہاں
انیسِ راہ کوئی ہے نہ رہنمائے جلیل

وہ اپنی بات کو بالکل جو بے حقیقت ہے
یہ چاہتے ہیں کہ منوائیے بزورِ دلیل

خصوصیات ہیں کیا کہیے اس عمارات کی
بنا کے جس کو دعاگو ہوا خدا کا خلیلؑ

علامہ اقبال

خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریلؑ
اگر ہو عشق سے محکم تو صورِ اسرافیلؑ

عذابِ دانش حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ

فریب خوردۂ منزل ہے کارواں ورنہ
زیادہ راحتِ منزل سے ہے نشاطِ رحیل

نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثالِ تیغ اصیل

اندھیری شب ہے، جدا اپنے قافلے سے ہے تو
ترے لئے ہے مرا شعلۂ نوا قندیل

مجھے وہ درسِ فرنگ آج یاد آتے ہیں
کہاں حضور کی لذت کہاں حجابِ دلیل

غریب و سادہ رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ابتدا ہے اسمٰعیلؑ

آج کے صوفی وشاہ

برق اعظمی

چلیں نہ حلقۂ صوفی میں آج اے ساقی
ملاپ خوب ہے اچھی نہیں ہے ناچاقی

نہیں پسند جو صوفی تو بادشاہ سہی
اسی سے مل کر کریں کوئی کارِ آفاقی

حضورِ حضرتِ ملا چلیں وہی شاید
جگر کے زخم کا مرہم دیں کوئی تریاقی

فدائے نسل کوئی ہے کوئی فدائے وطن
ملا کہیں نہ مجھے کوئی مردِ آفاقی

کسی بھی رند کو شب میکدے میں ہوش نہ تھا
مگر شراب تھی ساغر میں جوں کی توں باقی

خطا معاف کہ نشتر ہیں آپ کی باتیں
یہ کیا طریق ہے دینے کا درسِ اخلاقی؟

شرارِ برق کی تابش ہے تیرے نغموں میں
دلوں کو بخش دیا جس نے سوزِ مشتاقی

علامہ اقبال

رہا نہ حلقۂ صوفی میں سوز مشتاقی
فسانہ ہائے کرامات رہ گئے باقی

خراب کوشک سلطان و خانقاہِ فقیر
فغاں کہ تخت و مصلا کمالِ رزاقی

کرے گی داورِ محشر کو شرمسار اک روز
کتابِ صوفی و ملا کی سادہ اوراقی

یہ چینی و عربی و نہ رومی و شامی
سما سکا نہ دو عالم میں مردِ آفاقی

مئے شبانہ کی مستی تو ہو چکی لیکن
کھٹک رہا ہے دلوں میں کرشمۂ ساقی

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی

عجیب تر ہے متاع امیرو سلطاں سے
وہ شعر جس میں ہو بجلی کا سوز و براقی

جرأت رندانہ

برق اعظمی

علامہ اقبال

کس طرح سے حاصل ہو وہ گوہرِ یکدانہ
یہ راز بتا مجھ کو اے عاقل و فرزانہ

یوں ہاتھ نہیں آتا وہ گوہرِ یکدانہ
یک رنگی و آزادی اے ہمتِ مردانہ

حیراں ہوں کہ آخر میں کیا چیز کروں حاصل
جس سے کہ بہل جائے میرا دلِ دیوانہ

یا حیرتِ فارابیؒ یا تاب و تب رومیؒ
یا فکرِ حکیمانہ یا جذبِ کلیمانہ

طوفانِ حوادث میں کام آتے ہیں کیا حربے
بتلا دے ہمیں یہ بھی از لطف کریمانہ

یا عقل کی روباہی یا عشقِ ید اللہی
یا حیلۂ افرنگی یا حملۂ ترکانہ

شیخ اور برہمن کو وہ کام بتا جس سے
مل جل کے رہیں دونوں با جذبۂ یارانہ

یا شرعِ مسلمانی یا دیر کی دربانی
یا نعرۂ مستانہ کعبہ ہو کہ بت خانہ

قفل درِ نصرت ہے کیا چیز بتا مجھ کو
سنتا ہوں تری باتیں ہوتی ہیں حکیمانہ

میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں
کچھ کام نہیں بنتا بے جرأتِ رندانہ

مراسبوچہ

برق اعظمی

علامہ اقبال

بہت دنوں تو رہا دہریوں میں اے خوشخو
قدم ہٹے نہ ترے راہِ حق سے کیوں سرِ مو؟

مٹا دیا مرے ساقی نے عالمِ من و تو
پلا کے مجھ کو مئے لا الٰہ الا ھو

تری طرح جو علوم جدید میں پڑھتا
تو پاتا مجھ پہ نہ مولائے رومؒ پھر قابو

گدائے میکدہ کی شانِ بے نیازی دیکھ
پہنچ کے چشمۂ حیواں پہ توڑتا ہے سبو

جو تو کہے تو میں تیرا مرید ہو جاؤں
کہ اور پیروں سے مجھ کو بہت پسند ہے تو

میں نو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولیٰ
کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو

دماغ اس سے معطر ہے اہلِ دانش کا
نکلتی ہے گلِ مضموں سے تیرے جو خوشبو

جمیل تر ہیں گل و لالہ فیض سے اس کے
نگاہِ شاعرِ رنگیں نوا میں ہے جادو

علم و فقر

برق اعظمی

فقر پہ فاخر تھے کیوں سرورِ عالم پناہؐ
اس کی فضیلت بتا، تو مجھے اے خیر خواہ

فرق مفصل بتا، علم کا اور فقر کا
اے کہ ترا فیض ہے شمعِ سرِ شاہ راہ

علامہ اقبال

فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ

علم کا مقصود ہے پاکیٔ عقل و خرد
فقر کا مقصود ہے عفت قلب و نگاہ
علم فقیہہ و حکیم فقر مسیح و کلیم
علم ہے جویائے راہ فقر ہے دانائے راہ
فقر مقام نظر علم مقام خبر
فقر میں مستی ثواب علم میں مستی گناہ
علم کا موجود اور، فقر کا 'موجود اور
اشہد ان لا الٰہ، اشہد ان لا الٰہ

فقر و خودی ایک جا جمع اگر ہوں تو پھر
پہنچے کہاں سے کہاں راہروِ کم نگاہ

چڑھتی ہے جب فقر کی سان پہ تیغ خودی
ایک سپاہی کی ضرب کرتی ہے کارِ سپاہ

تربیت اس کی جو دے کوئی ہمیں پیار سے
کیوں رہیں پسماندہ ہم کیوں رہیں خوار و تباہ

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نظر توڑ دے آئینۂ مہر و ماہ

ستاروں سے آگے

برق اعظمی

زمیں اور بھی آسماں اور بھی ہیں
سنا ہے یہ میں نے جہاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے ہیں کیا یہ فضائیں
کہ ان میں مکین و مکاں اور بھی ہیں؟

قناعت کریں ہم اسی سرزمیں پر
کہ آگے زمین و زماں اور بھی ہیں

ہمیں اک نہیں جس کا مسکن جلا ہو
ہماری طرح نوحہ خواں اور بھی ہیں

نہیں اک نشیمن کا غم ہم کو تنہا
ہزاروں پریشانیاں اور بھی ہیں

شب و روز ہیں سو مصائب سے الجھے
ابھی سر پہ بارِ گراں اور بھی ہیں

تو ہی اک ہے دانائے راز انجمن میں
کہ تیری طرح راز داں اور بھی ہیں

علامہ اقبال

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھوگیا اک نشیمن تو کیا غم
مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے راز داں اور بھی ہیں

محبت

برق اعظمی

بتا مجھ کو اے غیرتِ فخر رازیؒ
شہیدِ محبت ہے کافر کہ غازی؟

حقیقی محبت ہے وہ یا مجازی
''سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی؟''

محبت سے خالی ہیں جو علم و حکمت
تو پھر ان میں کیا جوہرِ امتیازی؟

محبت ہے کیا شے بتا دے یہ مجھ کو
کہ جیتی ہے تو نے محبت کی بازی؟

ترا فقر بہتر ہے یا بادشاہی
ہے دونوں میں حاصل کسے سرفرازی؟

علامہ اقبال

شہید محبت نہ کافر نہ غازی
محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

وہ کچھ اور شے ہے محبت نہیں ہے
سکھاتی ہے جو غزنوی کو ایازی

یہ جوہر اگر کار فرما نہیں ہے
تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی

نہ محتاج سلطاں نہ مرعوبِ سلطاں
محبت ہے آزادی و بے نیازی

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

بزم ملائکہ اور اقبالؒ

برق اعظمی

کل بزم ملائک میں کس بات کا چرچا تھا
حاضر تھے سبھی پیش دربارِ خداوندی

کیا کہتے تھے؟ کچھ کہیے! تا اسکا ہوا اندازہ
ان نور کے پتلوں میں کتنی ہے خرد مندی

کچھ اور کہا ہو تو اسکو بھی بتا دیجے
یہ طرز تکلم تو ہے موجبِ خرسندی

علامہ اقبال

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی
گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی حنا بندی

خاکی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی
رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی

سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے
آدم کو سکھاتا ہے آدابِ خداوندی

روودادِ عصر نو

برق اعظمی

جو سامنے ہے وہ سامنے ہے گزر گیا جو وہ ہے فسانہ
حکیم امت! بتا وہ کیا ہے کہ جس کا مشتاق ہے زمانہ

شراب نوشی کی دی ہے دعوت مجھے بھی اک پیر میکدہ نے
جواب کیا دوں کہ جس سے پینا پڑے نہ مجھکو مئے مغانہ

زمانہ کیا کہہ رہا تھا از روئے طنز میری تساہلی پر
ہوئی نہ جب میکدے سے حاصل مجھے ذرا بھی مئے شبانہ

کہیں نہ ایسا ہو اہل مشرق کو روند ڈالیں یہ اہل مغرب
بنے ہیں آلات ایسے ایسے بزور سائنس مہلکانہ

فضا میں بم لیکے اڑ رہے ہیں سمندروں پر بھی چھا گئے ہیں
تہس نہس کر نہ دیں بنا کر زمیں کے شہروں کو وہ نشانہ

وہ دیکھئے مغربی افق پر بلا کی چھائی ہوئی ہے سرخی
تمام مصر و عرب پہ جیسے تنا ہے آتش کا شامیانہ

ضمیر کی روشنی میں بتلا عرب کی دنیا کا حال کیا ہے
وہی تن آسانیاں ہیں یا کچھ بڑھا ہے جوشِ مجاہدانہ

ہے اک نجومی کی پیش گوئی رہے گا اسلام اب نہ باقی
زمانہ کیا کہہ رہا ہے اس پر بتا دے اے واقف زمانہ

ہر ایک جانب تو چل رہی ہے جہاں میں ظلم وستم کی آندھی
کوئی ہے ایسا بھی اس ہوا میں ہو جسکا روشن چراغ خانہ

علامہ اقبال

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہوگا یہی ہے اک حرف محرمانہ
قریب تر ہے نمود جسکی اسی کا مشتاق ہے زمانہ

مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے حوادث ٹپک رہے ہیں
میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ

نہ تھا اگر تو شریک محفل قصور میرا ہے یا کہ تیرا
مرا طریقہ نہیں کہ رکھ لوں کسی کی خاطر مئے شبانہ

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اسکا آشیانہ

ہوائیں انکی فضائیں انکی سمندر انکے جہاز انکے
گرہ بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تقدیر کا بہانہ

شفق نہیں مغربی افق پر یہ جوئے خوں ہے یہ جوئے خوں ہے
طلوع فردا کا منتظر رہ کہ دوش و امروز ہیں فسانہ

جہانِ نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے
جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ

مرے خم و پیچ کو نجومی کی آنکھ پہچانتی نہیں ہے
ہدف نہ دیدہ ہے تیر اس کا نظر نہیں جسکی عارفانہ

ہوا ہے گو تند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مرد درویش جسکو حق نے دیئے ہیں انداز خسروانہ

موجودہ دور کی خانقاہیں

برق اعظمی

کیا ہے ان خانقہوں سے بھی تجھے آگاہی
جن کی شہرت تھی کبھی ماہ سے لے تا ماہی

اب بھی ایسا ہے کوئی قافلہ سالار وہاں
جانتا ہو جو رہِ منزلِ فقر و شاہی

لذتِ نغمۂ توحید کے اعجاز سے کیا
دور کردیتے ہیں اس وقت بھی سب گمراہی

ضمن سرمستی و حیرت میں تری رائے ہے کیا
صاف بتلادے کہ حاصل ہو مجھے آگاہی

تیرے اشعار کو پڑھتے ہوئے آگے جو بڑھیں
تو پہنچ جائیں سرِ منزلِ وحدت راہی

علامہ اقبال

تھا جہاں مدرسۂ شیری و شاہنشاہی
آج ان خانقہوں میں ہے فقط روباہی

نظر آئی نہ مجھے قافلہ سالاروں میں
وہ شبانی کہ ہے تمہید کلیم اللّٰہی

لذتِ نغمہ کہاں مرغِ خوش الحاں کے لئے
آہ اس باغ میں کرتا ہے نفس کوتاہی

ایک سرمستی و حیرت ہے سراپا تاریک
ایک سرمستی و حیرت ہے تمام آگاہی

صفتِ برق چمکتا ہے مرا فکرِ بلند
کہ بھٹکتے نہ پھریں ظلمتِ شب میں راہی

رموزِ قلندری

برق اعظمی

کوئی عرب پہ ہے غش کوئی عاشق بغداد
تری نگاہ کہاں تک ہے اے خجستہ نہاد

اجاڑ اجاڑ سی ہیں مسجدیں نظر آتی
خدا کی شان ہے میخانہ فرنگ آباد

علامہ اقبال

کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
مری نگاہ نہیں سوئے کوفہ و بغداد

یہ مدرسہ یہ جواں یہ سرور و رعنائی
انھیں کے دم سے ہے میخانۂ فرنگ آباد

فلاسفر سے غرض ہے تجھے کہ ملاّ سے
ہے کون ان میں سے تیری نظر میں قابلِ داد

نہ فلسفی سے نہ ملاّ سے ہے غرض مجھ کو
یہ دل کی موت وہ اندیشہ و نظر کا فساد

فقیہہ شہر کی توہین ارے معاذ اللہ
اسی کے دم سے تو قائم ہے دین کی بنیاد

فقیہہ شہر کی تحقیر! کیا مجال مری
مگر یہ بات کہ میں ڈھونڈھتا ہوں دل کی کشاد

تعیش اور محبت میں کیا تفاوت ہے
یہ نکتہ کھول ذرا اے حکیمِ نیک نہاد

خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز
خدا کی دین ہے سرمایۂ غمِ فرہاد

جگا دیا ہے زمانے کو خوابِ غفلت سے
جزائے خیر دے اقبالؒ تجھ کو ربِ عباد

کیے ہیں فاش رموزِ قلندری میں نے
کہ فکرِ مدرسہ و خانقاہ ہو آزاد

مرن برت جو رشی کا تھا اس غرض سے تو کیا
ہوئے گرفت برہمن سے بھارتی آزاد؟

رشی کے فاقوں سے ٹوٹا نہ برہمن کا طلسم
عصا نہیں تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد

حرفِ محبت

برق اعظمی

اہل نظر تھا رومیؒ کہ رازیؒ
جیتی ہے کس نے الفت کی بازی

میں بھی ہوں بزدل تو بھی ہے بزدل
بنتے ہیں دونوں دین کے غازی

میں نے بنائی ہے اک جماعت
جس میں ہیں شامل لاکھوں نمازی

نسل و وطن کا خبط ہے ایسا
ترکی ہے ترکی تازی ہے تازی

علامہ اقبال

نے مہرہ باقی نے مہرہ بازی
جیتا ہے رومیؒ ہارا ہے رازیؒ

دل ہے مسلماں میرا نہ تیرا
تو بھی نمازی میں بھی نمازی

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں ملاّ ہوں غازی

ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
حرفِ محبت ترکی نہ تازی

کون ہے محو حسن حقیقت آذر کا پیشہ خارا تراشی
کون ہے محوِ حسنِ مجازی؟ کارِ خلیلاں خارا گدازی

کھول دے مجھ پر رازِ حقیقت تو زندگی ہے پائندگی ہے
اے فخرِ رومیؒ اے رشکِ رازیؒ باقی ہے جو کچھ سب خاکبازی

میراثِ مومن

برق اعظمی	علامہ اقبال
کیا بات ہے کیوں دل مرا بیباک نہیں ہے ایسا بھی نہیں صاحبِ ادراک نہیں ہے	دل سوز سے خالی ہے نگہہ پاک نہیں ہے پھر اس میں عجب کیا کہ تو بیباک نہیں ہے
مجنون سمجھتے ہیں تجھے صوفی و ملا کہتے ہیں یہ دیوانہ ہے چالاک نہیں ہے	کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں ہے
منحوس ستاروں کا اثر ہے ابھی تجھ پر مائل بہ عروج اس سے تری خاک نہیں ہے	کب تک رہے محکومئ انجم میں مری خاک یا میں نہیں یا گردشِ افلاک نہیں ہے
خرمن کو ترے دیکھ کے بجلی نے کہا کیا بتلا مجھے اس میں جو کوئی باک نہیں ہے	بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری میرے لئے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم میں کوئی خاص پوزیشن نہیں میری لوگوں کے دلوں پر بھی مری دھاک نہیں ہے	عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث مومن نہیں جو صاحبِ لولاک نہیں ہے

نکتۂ توحید

برق اعظمی

یہ بھیڑ کیسی قلندر کی بارگاہ میں ہے
بتا کہ نورِ بصیرت تری نگاہ میں ہے

خدا کے واسطے مجھ کو بھی وہ پڑھا دے سبق
پڑھا جو تو نے قلندر کی درس گاہ میں ہے

ہمارا حق بھی ہے کچھ اس جہاں میں یا سب کچھ
انھیں کے نام لکھا دفترِ الٰہ میں ہے

سنا ہے چاند پہ اترا ہے آدم خاکی
اب اسکی دھوم فرشتوں کی بارگاہ میں ہے

فرنگ اڑا نہ دے دنیا کو ایٹمی بم سے
بزورِ حرب وہ اب فکرِ عزّ و جاہ میں ہے

مرے نصیب نے اب میرا ساتھ چھوڑ دیا
کہاں تلاش کروں خارزار راہ میں ہے

تمھارے پاس کدو کے سوا دھرا کیا ہے
ہمارے پینے کی جو مے ہے خانقاہ میں ہے

علامہ اقبال

نہ تاج و تخت میں نَے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

صنم کدہ ہے جہاں اور مردِ حق ہے خلیل
یہ نکتہ وہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے

وہی جہاں ہے ترا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ و خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے

مہ و ستارہ سے آگے مقام ہے جس کا
وہ مشتِ خاک ابھی آوارگانِ راہ میں ہے

خبر ملی ہے خدایانِ بحر و بر سے مجھے
فرنگ رہگذرِ سیلِ بے پناہ میں ہے

تلاش اس کی فضاؤں میں کر نصیب اپنا
جہانِ تازہ مری آہِ صبح گاہ میں ہے

مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

مقام اہلِ خرد

برق اعظمی

امین رازِ حقیقت مرا قصور معاف
بتا کہ تو نے کیا کس طرح حرم کا طواف

ہے اتفاقِ فقیہانِ شہر قابلِ دید
گلے وہ ملتے ہیں اک دوسرے کے تھے جو خلاف

مقام اہل خرد پوچھتا ہوں اب تجھ سے
بتا دے مجھ کو خدارا کہ یہ بھی بات ہو صاف

لکھی ہے شرحِ رموز دقیق دونوں نے
ہے بہتر ان میں سے رازی کہ صاحبِ کشاف

مئے فرنگ میں پیتا ہوں اس لئے ساقی
کہ اس سے بڑھ کے کہیں کی بھی مے نہیں شفاف

علامہ اقبال

کمالِ جوش جنوں میں رہا میں گرم طواف
خدا کا شکر سلامت رہا حرم کا غلاف

یہ اتفاق مبارک ہو مومنوں کے لئے
کہ یک زباں ہیں فقیہانِ شہر میرے خلاف

تڑپ رہا ہے فلاطوں میانِ غیب و حضور
ازل سے اہلِ خرد کا مقام ہے اعراف

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

سرور و سوز میں ناپائیدار ہے ورنہ
مئے فرنگ کا تہ جرعہ بھی نہیں نا صاف

جفاکشی

برق اعظمی

کیا بات ہے اے شاعرِ خوش فکر و خوش آہنگ
کیوں میرے لئے میرے وطن کی ہے زمیں تنگ

کچھ ایسا طریقہ ہمیں جینے کا بتادے
ہو عقل اگر کم بھی تو جینے سے نہ ہوں تنگ

میں بلبل و طاؤس پہ گلشن میں فدا ہوں
گانے کا اِسے ناچ کا آتا ہے اُسے ڈھنگ

علامہ اقبال

ہے یاد مجھے نکتۂ سلمانِ خوش آہنگ
دنیا نہیں مردانِ جفاکش کے لئے تنگ

چیتے کا جگر چاہیے شاہیں کا تجس
جی سکتے ہیں بے روشنیِ دانش و فرہنگ

کر بلبل و طاؤس کی تقلید سے توبہ
بلبل فقط آواز ہے طاؤس فقط رنگ

مسائل نظری

برق اعظمی

بتادے مجھ کو یہ اے شاعر ذکی و لبیب
شعور شوق کی دنیا سے دور ہے کہ قریب

بنی ہے ایک جماعت تمام فرقوں کی
خدا نے چاہا تو امت کا اب کھلے گا نصیب

الگ تھلگ ہیں عرب سے یہ ترک کیوں آخر
مری نظر میں تو یہ بات ہے بہت ہی عجیب

علامہ اقبال

شعور و ہوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب
مقامِ شوق میں ہیں سب دل ونظر کے رقیب

میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
مسائلِ نظری میں الجھ گیا ہے خطیب

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہمجوار اپنا
ستارے جن کے نشیمن سے ہیں زیادہ قریب

شانِ مومن

برق اعظمی

شاعرِ مشرق بتا بندۂ مومن کی شان
ہستی مومن ہے کیوں سب کے لئے وجہِ ناز

اس کے ہیں اوصاف کیا اس کی ہے پہچان کیا
اس کے مراتب کا بھی کھول دے بندوں پہ راز

اس کے مقاصد ہیں کیا اس کی امیدیں ہیں کیا
یہ بھی بتا دے ذرا مخلصِ بندہ نواز

کھینچ دے نقشہ ذرا اس کے خدو خال کا
اے کہ ہے سب کو ترے طرزِ تکلم پہ ناز

دل سے ہے کتنا یقیں ہستی حق پر اسے
جس کے سبب سے وہ ہے متقی و پاکباز

علامہ اقبال

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کارکشا کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب اس کی نگہہ دلنواز

نرم دم گفتگو گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

نقطۂ پرکارِ حق مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

من کی دنیا

برق اعظمی

گوش بر آواز ہیں گلشن میں سب اہلِ چمن
گنگناتا کیا ہے تو اے شاعرِ شیریں سخن؟

علامہ اقبال

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اکسانے لگا مرغِ چمن

کرتی ہے موج نسیم صبح جب اٹکھیلیاں
دیکھ کر پھولوں کو کیا گاتے ہیں مرغانِ چمن؟

پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اودے اودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن

فصل گل میں عاشقانِ حسنِ فطرت، کس لئے
چھوڑ کر شہروں کی آبادی بسا دیتے ہیں بن؟

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
ہوں اگر شہروں سے بن پیارے تو شہر اچھے کہ بن

من کی دنیا تن کی دنیا سے ہے کتنی مختلف
اے حکیم وقت اے فخر مسیحائے زمن

من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دولت کیا ہے اور کیا تن کی دولت ہے بتا
فرق ان دونوں میں کیا ہے اے حکیمِ خوش چلن؟

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

من کی دنیا میں بھی کیا فتنے اٹھا کرتے ہیں روز
من کی دنیا میں بھی کیا رہتے ہیں شیخ و برہمن

من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

ڈھونڈھنے سے بھی نہیں ملتا سراغِ زندگی
تیرے من سے کیوں نہیں ملتا بتا دے میرا من؟

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

لگ گئی ہونٹوں پہ کیوں یکبارگی مُہر سکوت
ہوگیا کیوں نشۂ صہبائے خودرائی ہرن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

ملاّ اور بہشت

برق اعظمی

عرصۂ حشر میں اس وقت کہا آپ نے کیا
’’حق سے جب حضرت ملاّ کو ملا حکم بہشت؟‘‘

کیا دلیل آپ نے دی اس کی بتائیں تو سہی
میری نظروں میں تو اک طرح کا دعویٰ تھا یہ زشت

اور بھی کوئی دلیل اس کی جو دی ہو تو کہیں
یہ تو جراٴت تھی بڑی آپ کی اے نیک سرشت

علامہ اقبال

عرض کی میں نے الٰہی مری تقصیر معاف
خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب ولبِ کشت

نہیں فردوس مقام جدل و قال و اقول
بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی سرشت

ہے بد آموزیٔ اقوام و ملل کام اس کا
اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا نہ کنشت

عالم خیال میں عارف رومیؒ سے باتیں

برق اعظمی	عارف رومی
انبیا بھی اور ہم بھی آدمی ہم میں ہے کس چیز کی آخر کمی	کار پاکاں را قیاس از خود مگیر گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر
بادشاہوں کا تقرب پا کے بھی روح میں باقی ہے اب تک تشنگی	بندۂ یک مرد روشن دل شوی بہ کہ بر فرقِ سرِ شاہاں روی
نیک باتیں جب ہیں بالکل بے خلل کیوں نہیں پھر سن کے سب کرتے عمل	بر سماع راست ہر کس چیر نیست طعمۂ ہر مرغکے انجیر نیست
یہ بتا دے ہم کو اے عالی گہر کیوں دعائیں ہیں ہماری بے اثر	بر زباں تسبیح در دل گاوخر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر
پیروانِ دیں ہیں کیوں خوار و زبوں آخر ان کو کیوں نہیں ملتا سکوں	ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں این خیال است و محال است و جنوں
عارف حق، یہ بتادیجے مجھے کہتے ہیں دنیا جسے کیا چیز ہے	چیست دنیا؟ از خدا غافل بدن نے قماش و نقرہ و فرزند و زن
اولیاء کہدیں جو ہوجاتا ہے کیوں سب کا کہنا ہو نہیں پاتا ہے کیوں	دو دہاں داریم گویا ہمچو نے یک دہاں پنہاں است در لبہاے وے

حکم پا کر احمدؐ مختار کا — گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
کیوں فلک پر چاند دو ٹکڑے ہوا — گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کچھ کتابوں سے نہ حاصل ہو سکا — صد کتاب و صد ورق در نار کن
کیا کریں اے رازدارِ حق بتا — سینہ را از نور حق گلزار کن

کیا سبب ہے اس کا اے عالی ہنر — ما ز قرآں مغز را برداشتیم
آپ کی باتیں ہیں بے حد پُر اثر — استخواں پیش سگاں انداختیم

رہتے ہیں بے چین کیوں یہ مالدار — کوزۂ چشم حریصاں پُر نشد
ان کو حاصل کیوں نہیں ہوتا قرار — تا صدف قانع نشد پُر دُر نشد

ڈگریاں بے سود ہیں سب سر بسر — زیرکی بفروش حیرانی بخر
کچھ نہیں ہم کو حقیقت کی خبر — زیرکی ظن است و حیرانی نظر

عمر بھر پڑھتے رہے اوراد چند — چشم بندو گوش بندو لب بہ بند
نورِ حق دیکھا نہ دل ہے فکر مند — گر نہ بینی سرِّ حق بر من بخند

قبلۂ عالم تمھاری مثنوی — مثنویٔ مولویٔ معنوی
پڑھ کے اہل علم نے کیا رائے دی — ہست قرآں در زبانِ پہلوی

لکچرر بن کر بھی جب کوزے رہیں — قال را بگذار و مردِ حال شو
تو پھر اے قبلہ بھلا ہم کیا کریں — پیش مردِ کاملے پامال شو

قصائد

قصیدہ در نعت

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

خوشا قسمت مرا مولیٰ ہے وہ محبوب سبحانی
گنہ کتنے بھی ہوں لیکن شفاعت میں ہے آسانی

وجودِ جملہ موجودات جس کی ذات کا صدقہ
منور جس کے جلووں سے فضائے بزم امکانی

ضیائے ماہ و انجم چھاؤں جس کے نور عفت کی
فروغ مہر انور جس کا عکس لوح پیشانی

علوئے مرتبت ہے آیۂ میثاق سے ظاہر
حدیث من رآنی ہے گواہ رفعت شانی

جمالِ سورۂ واللیل زلف پاک کی نزہت
جلالِ سورۂ والشمس ہے چہرے کی تابانی

نمایاں سینۂ شفاف سے شرح الم نشرح
ہویدا جسم پُر انوار سے تنویر ربانی

قد رعنا و چشم نازنیں کی بات کیا کہیے
تحیر سرو کو ہے دیدۂ نرگس کو حیرانی

دُر دنداں سے شرمندہ ہے جس کے گوہر غلطاں
شمیم زلف سے جسکی خجل ہے رات کی رانی

چمک سے کثرتِ انوار کی گُم ہوگیا سایہ
نہ لایا ایک لمحہ کے لیے بھی تابِ تابانی

تصور دور سے کرلے قدِ رعنا کا گر اسکے
یقیں ہے صورتِ تصویر خود ہو دم بخود مانی

شفیع المذنبین ساقیٔ کوثر وارثِ زمزم
چراغ عالم امکاں امام انسی و جانی

خدا جسکو پکارے رحمۃ للعلمیں کہہ کر
خدائی جسکو سمجھے اسوۂ ایثار کا بانی

کریں بادل کے ٹکڑے جسکے فرق پاک پر سایہ
فرشتے جسکے بچوں کی کریں گہوارہ جنبانی

وہ جسکے گھر پہ رضواں صورت خیاط حاضر ہو
وہ جسکے در پہ جبرئیل امیںؑ کو فخر دربانی

وہ جسکی بارہ گہہ میں ناز کو ناز جبیں سائی
وہ جس کی انجمن میں عجز کو عذرِ ادب دانی

وہ جس کی تربیت سے سیکھ لی اہل محبت نے
خدا خواہی خدا یابی خدا بینی خدا دانی

وہ جسکے جاں نثاروں میں معین الدین اجمیریؒ
وہ جسکے سرفروشوں میں محی الدین جیلانیؒ

عراقیؒ میکدے کا جس کے رندِ دُرد کش ادنیٰ
غزالیؒ جامعہ کا جس کے اک طفل دبستانی

محاسن جس قدر ممکن ہیں سب کا جامع کامل — اکٹھا ذات میں جسکی تمام اوصافِ انسانی
صفی اللہ کی صفوت خلیل اللہ کی خلت — مسیحا کی مسیحائی سلیماں کی سلیمانی
اٹھا سکتا نہیں سر کوئی جس کے بارِ احساں سے — مسلماں ہو کہ ہندو ہو یہودی ہو کہ نصرانی
زمانہ بھر میں جسکے فیض کا ہے سلسلہ جاری — خدائی بھر میں پھیلی جسکی ہے تعلیم حقانی
دکھایا جس نے ناکاموں کو رستہ کامرانی کا — سکھایا جس نے چرواہوں کو آئین جہانبانی
غلاموں تک کو بھی جس نے عطا کی شان مولائی — فقیروں کو بھی جس نے بخش دی عالم کی سلطانی
بنایا ڈاکوؤں کو بیکسوں کا یاور و حامی — کرائی بھیڑیوں سے عمر بھر بھیڑوں کی چوپانی
چکھایا جاہلوں کو ذائقہ علم لدُنّی کا — بنایا بدّوؤں کو واقفِ اسرار پنہانی
منات ولات کے جو رات دن تھے پوجنے والے — خدائے پاک کے آگے جھکا دی ان کی پیشانی
دلوں کو تقویت بخشی دماغوں کو جلا بخشی — توجہ ڈالتے ہی کردیا سینوں کو نورانی
سنایا پیار سے لا تقنطوا کا جانفزا مژدہ — کہ تا امت نہ گھبرائے مری وقت پریشانی
بڑا حامی بڑا ہمدم بڑا یاور بڑا ناصر — بڑا مونس بڑا محسن بڑا داتا بڑا دانی
سمجھ کر مانگنا اے مانگنے والے ذرا اس سے — کہیں کرنا پڑے تجھکو نہ عذرِ تنگ دامانی
جلالی شان سے دیکھے تو پانی آگ ہوجائے — جمالی شان سے دیکھے تو فوراً آگ ہو پانی
کہے رک جا تو رک جائے یقیں ہے نبض گیتی کی — کہے دب جا تو دب جائے ابھی ہر موجِ طوفانی
ابھی عرفاں میں اسکے تشنۂ تکمیل ہیں دونوں — جنوں کی آبلہ پائی خرد کی پابہ جولانی
دیا ہے اختیار اللہ نے ہر چیز کا اس کو — خدا کے گھر کا ہے مختار وہ محبوب سبحانی
اسی باعث تو اسکو احمدِ مختارؐ کہتے ہیں — جسے جو چاہے دے مختار ہے مختار یزدانی
اگر وہ دے نہیں سکتا تو پھر مختار ہی کیسا — بتا یہ کیا عقیدہ ہے ترا از جہل و نادانی
کیا مختار کا ہوتا ہے کرنا عین مالک کا — یہ کیا مشکل ہے جو سمجھا نہ تو اب تک بآسانی
خدا نے ہاتھ کو اس کے ہے اپنا ہاتھ فرمایا — شہادت دے رہی ہیں صاف صاف آیات قرآنی
یداللہ فوق ایدیھم کی آیت کی تلاوت کر — کہ تازہ اس کی برکت سے ہو تیرا جوشِ ایمانی
نبیؐ کے ہاتھ پر بیعت صحابہؓ نے یہاں کی تھی — مگر قرآن کی آواز بھی کیا تو نے پہچانی
نبیؐ نے بدر میں جو ایک مشتِ خاک پھینکی تھی — رمیت اذ رمیت آئی ہے اس پر وحی ربانی
باایں ناواقفیت اُف یہ غرہ واقفیت کا — باایں جہل مرکب اُف یہ دعوائے ہمہ دانی

سمجھ لے تا کہ محشر میں نہ ہوں آنکھیں تری نیچی — چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی
نگاہیں اہل حق کی ہیں اس الہامی حقیقت پر — خلاف اسکے جو سوچے ہے وہ قید کید نفسانی
مری دانست میں اس شخص پر ہے یہ مثل صادق — چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی
جو توفیق خداوندی نے میری رہنمائی کی — تو نعت مصطفےٰ میں لکھ دیا یہ شعر لافانی

ازل سے کوئی اس جیسا نہ اب تک ہوسکا پیدا
ابد تک برقؔ ہوسکتا نہیں اس کا کوئی ثانی

قصیدہ نعتیہ بتقریب

عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

حُسن کی شہرت کا ان کے ایسا افسانہ بنا — دیکھنے سے پہلے میں سنتے ہی دیوانہ بنا
یوں لبِ جاں بخش جاناں تک رسائی ہوگئی — مر کے میں مٹی ہوا مٹی سے پیمانہ بنا
اکتسابِ نور کس کے روئے روشن سے کیا — مطلع انوار تجلی کا سیہ خانہ بنا
لنترانی کہہ کے پھر جلوہ دکھاتا کیا مگر — خود کوئی گرویدۂ ذوق کلیمانہ بنا
اتنی وسعت ایک حرف آرزو میں الاماں — وہ لگے سننے تو کہتے کہتے افسانہ بنا
جنکو اپنانے کی دھن تھی آہ مجھکو ہر گھڑی — ان کو جب دیکھا تو خود اپنے سے بیگانہ بنا
بار آور یوں ہوئے اہل محبتِ عشق میں — خاک میں مل کر شگوفہ جس طرح دانہ بنا
تھا تصور پہلے اب آنے لگی تصویر بھی — پہلے دل کعبہ تھا اب کعبہ سے بتخانہ بنا
چہچہاتے ہیں پرندے اے مرے مرغ سخن — جوڑ کر ان چہچہوں کو کوئی افسانہ بنا

پھر بہار آئی چمن پھر رشک میخانہ بنا
صحن گلشن پھر حریف بزم رندانہ بنا

پھر دبے پاؤں نسیمِ صبح گلشن میں چلی — سبزہ و گل کا سماں پھر دلربایانہ بنا
جھک گئیں شاخیں صبوحی کے لیے بے اختیار — جبکہ لالہ کا پیالہ مثل پیمانہ بنا

جوش مستی میں ہوا آپے سے باہر اس قدر
عین گلشن میں بھی رہکر سبزہ بیگانہ بنا

مائل پرواز ہیں یوں خوبصورت تتلیاں
تو جو دیکھے تو کہے گلشن پری خانہ بنا

کون سا جادو صبا نے پڑھ کے پھونکا ہائے ہائے
ذکر بلبل کا تو کیا ہر پھول دیوانہ بنا

مسکرانا دیکھ کر گلشن کا منظر بار بار
ننھی کلیوں کے لیے اک کھیل طفلانہ بنا

دلفریبی دیدۂ نرگس کی دل لینے لگی
گیسوئے سنبل حریف زلف جانانہ بنا

ہے بۓ کے گھونسلے میں جگنوؤں کی یہ چمک
قمقمہ یا بجلیوں کا زینت خانہ بنا

ہیں بقدر ظرف سب فیض نمو سے فیضیاب
اپنے اپنے رنگ سے ہر گل جداگانہ بنا

سرخ ہے کوئی گلابی کوئی فیروزی کوئی
سرمئی جوڑا کسی کا دلربایانہ بنا

انتہائے شادمانی میں جو شبنم روپڑی
قطرہ قطرہ آنسوؤں کا اس کے دُردانہ بنا

ایک گلشن ہے زمیں پر ایک گلشن آب میں
سطح آبِ جُو کا منظر آئینہ خانہ بنا

ضد نے چھپ رہنے کی نکہت کو نکالا باغ سے
پردہ برانداز اندازِ حجابانہ بنا

ہے نمو کے فیض سے جنگل میں منگل کا سماں
ہر شجر کا پھول رشک تاج شاہانہ بنا

آمد آمد کس گل خوبی کی ہے گلزار میں
کیوں گریباں پھاڑ کر ہر پھول دیوانہ بنا

سرو اِستادہ ہوا کس کی سلامی کے لیے
کیوں نسیم صبح کا انداز وجدانہ بنا

گڑ گیا شمشاد غیرت سے زمیں کے جوف میں
فرش رہ سبزہ باندازِ غلامانہ بنا

اپنے سایہ پر بہت مغرور تھا طوبیٰ مگر
جب قدِ بے سایہ کو دیکھا تو دیوانہ بنا

قصد بلبل نے کیا صل علیٰ پڑھنے کا جب
پھول جو مُنڈی کا تھا تسبیح کا دانہ بنا

باعثِ تخلیق دو عالم تھا جو نور ازل
آج شکل مصطفیٰ باشان شاہانہ بنا

دایہ گیری کرنے کو آئی ہیں حوران جناں
جھونپڑا بی آمنہ کا خلد کاشانہ بنا

کہہ رہے ہیں یہ زبانِ حال سے لات ومنات
اب کدھر جائیں کہ بتخانہ خدا خانہ بنا

معصیت کا جام ٹوٹا کفر کا ٹوٹا سبو
بادۂ توحید سے ہر رند مستانہ بنا

لاکھ ہوش وآگہی اس کے جنوں پر ہوں نثار
رحمتہ للعالمین جو تیرا دیوانہ بنا

مل گئی ہم عاصیوں کو نارِ دوزخ سے نجات
مہرباں جب تو باندازِ کریمانہ بنا

پھول پر بلبل فدا ہے چاند پر عاشق چکور
دل مرا شمع رخ احمد کا پروانہ بنا

میں نے مانا پھول کی خوشبو سے بلبل مست ہے
پھول کس کی زلف کی خوشبو سے مستانہ بنا

یا محمد مصطفیٰؐ اب دستگیری کیجیے   حال امت کا ہے بیحد دردمندانہ بنا
آپ کے سچے غلاموں کو کوئی ڈھونڈھے کہاں   اب تو مکاروں نے لی صورت فقیرانہ بنا
دشمنان دیں کے استبداد سے دے کر نجات   لیجیے ہم سب کو بس اپنا ہی دیوانہ بنا

نکہت زلف رسول پاکؐ اگر منظور ہو
پہلے برقؔ اپنے دل صد چاک کو شانہ بنا

قصیدہ درنعت

سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم

غافل سمجھ وہ راز جو روح کتاب ہے   بحر وجود میں تری ہستی حباب ہے
دھوکے کا اک طلسم ہے دنیائے رنگ و بو   دریا سمجھ رہا ہے جسے وہ سراب ہے
اصل وجود ایک ہے فرق دوئی کہاں   سمجھا یہ راز جس نے وہی کامیاب ہے
زیور اگر یہ سمجھے کہ میں زر سے ہوں جدا   یہ فکر اس کی جان پہ گویا عذاب ہے
کپڑا ہے جب تک اپنی حقیقت سے بے خبر   روئی کی جستجو میں اسے پیچ و تاب ہے
افسوس تو یہ راز نہ اب تک سمجھ سکا   آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر محو خواب ہے
فی انفسکم پڑھ کے بھی پہنچا نہ کُنہہ تک   سمجھا نہ کیا اشارۂ اُمّ الکتاب ہے
آ اک مثال سے میں تجھے کردوں مطمئن   ہوجائے دور تا کہ جو حائل حجاب ہے
بس نام کا ہے فرق خدا اور رسولؐ میں   احمدؐ ہے مثل برف احد مثل آب ہے
شکلیں ہیں بے شمار اسی برف سے بنی   صانع کی صنعتوں کا بھلا کیا جواب ہے
صدقہ ہے نور مصطفویؐ کا یہ کائنات   تکوین خلق کا یہی لب لباب ہے
اس روشنی میں دیکھ تو صاف آئے گا نظر   خورشید عکس نورِ رسالت مآبؐ ہے

مطلع ثانی

بنیاد خلق سرور عالیجناب ہے   ہر شئے کرن ہے نور نبیؐ آفتاب ہے

خوشبوئے مصطفیٰؐ سے ہے عالم بسا ہوا
قامت ہے عطر بیز پسینہ گلاب ہے

گونجے ہوئے چمن میں ہیں نغمے درود کے
صلِ علیٰ کا شور لب جوئے آب ہے

توصیف کردگار میں پتوں کا ہر ورق
تفسیر لا الٰہ کی کھولے کتاب ہے

کرنیں ہیں شمس مرتضویؑ کی حسنؑ حسینؑ
بی بی بتولؑ مصطفویؐ ماہتاب ہے

انجم ہیں پیروان رسالت مآب سب
قائم انھیں سے دین کی سب آب وتاب ہے

دریا ہے ایک نکلے ہیں چشمے ہزارہا
وحدت ہے ایک پردۂ کثرت نقاب ہے

مٹی ہے ایک گلشن ایجاد کی مگر
بیلا کہیں اُگا ہے کہیں پر گلاب ہے

صنعت کا ہے جواب نہ صانع کا ہے جواب
جو شئے بھی ہے جہان کی وہ لاجواب ہے

اندھی ہے تیری آنکھ تو سوجھے گا کیا تجھے
بینا نہیں ہے دل تو ہر اک شے حجاب ہے

کاغذ پہ اک نشان انگوٹھا لگا کے دیکھ
سارے جہاں میں کیا کہیں اس کا جواب ہے

جو کچھ بھی دیکھتا ہے جو سمجھے ہوئے ہے تو
سب وہم ہے خیال ہے دھوکہ ہے خواب ہے

بے صورتی سے آئی ہے صورت ظہور میں
نادیدہ نم سے جیسے نمود سحاب ہے

معنی کے اقتضا سے بنائے گئے ہیں لفظ
لفظوں میں ہمکلام ہر اک شیخ وشاب ہے

تحریر لفظ کو ہیں بنائے گئے حروف
حرفوں کے پیچ وخم سے لکھی ہر کتاب ہے

سب کچھ اسی طرح سے ہے آیا وجود میں
یہ شرح داستانِ ظہور وغیاب ہے

توحید کو سمجھ کہ ہے بنیاد دیں یہی
شاہد اسی پہ آیۂ ام الکتاب ہے

کثرت میں جس سے آئیگی وحدت نظر تجھے
وہ سرمۂ غبار درِ بوترابؑ ہے

اسلام دین حق ہے مٹائیگا اس کو کون
حق کے مقابلہ کی بھلا کس میں تاب ہے

مومن تمام ایک ہیں ان میں دوئی کہاں
فیضان مصطفیٰؐ سے ہر اک فیضیاب ہے

کامل وہی ہے جس کی خودی دور ہوگئی
ناقص وہی ہے جس پہ خودی کا حجاب ہے

دنیا کو ماننا ہی پڑیگا یہ ایک دن
پیغام حق پیام رسالت مآبؐ ہے

اے برق ذات حق تو ہے بیچون وبیچگوں
برپا صفات حق کے سبب انقلاب ہے

قصیدہ درمنقبت

حضرت علیؓ

ایک آفت ہو تو ہو طوفاں سے کوئی پار بھی
سامنے موجیں بھی ہیں گرداب بھی منجدھار بھی

گھاٹ پر ملاح بھی آتا نہیں کوئی نظر
ناؤ بھی ٹوٹی ہوئی، کمزور ہے پتوار بھی

انقلاب گردش گردونِ گرداں دیکھئے
وہ بہار آئی کہ بے پر ہوگئے پردار بھی

وائے قسمت اس طرح بدلی زمانے کی ہوا
گل تو گل ہنستے ہیں مجھ پر اب چمن میں خار بھی

حال گلشن دیکھ کر ہے بند سوسن کی زباں
رنج سہتے سہتے نرگس پڑگئی بیمار بھی

ایک سناٹا سا ہے چاروں طرف چھایا ہوا
بلبل رنگیں بھی چپ، طوطیٔ خوش گفتار بھی

سبزۂ نوخیز ہی پامال کچھ تنہا نہیں
چاک دامن ہے الم سے ہر گل گلزار بھی

غنچہ غنچہ باغ عالم کا ہے مُرجھایا ہوا
ہوگئے ہیں خشک شاخوں کے گلے کے ہار بھی

راہ منزل دیکھئے ہوتی ہے طے اب کس طرح
جو ہے بیحد پُرخطر بھی، سخت ناہموار بھی

بدحواسی میں بنایا جسکو اپنا رہنما
نکلا آخر کار وہ عیّار بھی مکّار بھی

کچھ سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ آخر کیا کروں
دل پریشاں، طبع پر ہے رنج وغم کا بار بھی

غیب سے آئی ندا غافل خدا کو یاد کر
اور کرلے ٹھیک اپنا قول بھی کردار بھی

صدق دل سے مصطفےٰؐ کی پیروی کرتے ہوئے
یاعلیؓ کہہ کر حوادث کو ذرا للکار بھی

صبر و استقلال و ہمت ہو جو تجھ میں ہمنشیں
کیوں نہ ہو آسان تر ہر مشکلِ دشوار بھی

ناخدائے کشتیٔ دیں ہیں علیؓ مرتضیٰ
حامیٔ امت ہیں وہ اِس پار بھی اُس پار بھی

مشکلیں آسان ہوجاتی ہیں ان کے فیض سے
دور ہوجاتا ہے ہر دکھ، درد اور آزار بھی

وہ ہوئے کعبے میں پیدا اور مسجد میں شہید
یہ فضیلت منفرد بھی ہے حیات آثار بھی

مدحتِ شیرِ خداؓ میں کیوں نہ وہ مطلع پڑھوں
جس کو سن کر وجد میں آئیں در و دیوار بھی -

مطلع دوم

رحم دل بھی ہیں 'اشدّاء علی الکفّار بھی
کہتے ہیں شیر خدا کو حیدر کرار بھی

روح زہراؓ بھی ہیں ختم المرسلینؐ کے یار بھی
کہتے ہیں شیر خدا کو حیدرؓ کرار بھی

سرگروہ اولیا بھی، سید الابرار بھی
کہتے ہیں شیر خدا کو حیدر کرار بھی

واقفِ رازِ جلی بھی، محرم اسرار بھی
کہتے ہیں شیر خدا کو حیدر کرار بھی

سن کے پے در پے یہ تضمینیں فرشتوں نے کہا
یاد رکھنے کے ہیں قابل برقؔ کے اشعار بھی

مطلع سوم

مرتضیٰؓ ہیں دین کے خادم بھی اور سردار بھی
نور حق بھی، جانشینِ احمد مختارؐ بھی

یہ نجابت یہ شرافت دیکھئے ہجرت کی شب
دشمنوں کے مال تک کے ہیں امانت دار بھی

سُن رہے تھے بستر احمدؐ سے ہر کافر کی بات
نیم خوابی سے تھے کچھ خفتہ بھی کچھ بیدار بھی

وہ مجاہد فوج اعداء کو سمجھتا کیا بھلا
نغمۂ رنگیں تھی جس کو تیغ کی جھنکار بھی

اے تعالی اللہ زورِ بازوئے خیبر شکن
گر گیا پھاٹک ہلس کر ہل گئی دیوار بھی

ذوالفقار حیدری کا سامنا جس دم ہوا
ڈر کے بھاگا دشمنوں کا لشکر جرار بھی

رکھ ہمیں محفوظ ہر آفت سے اے رب العلا
ہم بڑی مشکل میں بھی ہیں اور بحال زار بھی

ہم نے مانا لائق تعزیر ہیں ہم سب مگر
یا الٰہی تو تو ہے ستار بھی غفار بھی

ہم تری بخشش کے صدقے اے خدائے دوجہاں
طالب بخشش بھی ہیں، اور طالب دیدار بھی

برقؔ کی نسبت قصیدہ سن کے حوروں نے کہا
جنتی بھی ہیں ہمیں پانے کے ہیں حقدار بھی

قصیدہ بتقریب جشنِ معراج النبیؐ

قصیدہ کیا کہوں اب بات کا کرنا بھی مشکل ہے
کسی لمحہ نہیں فرصت یہ افراط مشاغل ہے

کیا بزم سخن سے دور افکار معیشت نے
نہ وہ جوش طبیعت ہے نہ وہ میں ہوں نہ وہ دل ہے

یہی ہر وقت کی الجھن یہی ہر روز کا جھگڑا
کہ دعویٰ کوئی فیصل کوئی خارج کوئی داخل ہے

اسی میں فکر لاحق تیسری شعبان قریب آئی
اسی میں ذکرِ معراج النبیؐ کی آج محفل ہے

ارے توبہ ہے ایسی کشمکش میں جان زار اپنی
کہ کچھ کہنا بھی مشکل ہے نہ کچھ کہنا بھی مشکل ہے

کدھر ہے ساقیٔ مہوش صراحی لے کے آجائے
طبیعت خستہ و درماندہ افسردہ مرا دل ہے

کچھ اس صورت سے بیٹھے ہیں مئے عرفاں کے متوالے
لب تسنیم گویا کوثر آشاموں کی محفل ہے

پرانے رِند ہیں یہ بے پیے ہرگز نہ مانیں گے
مئے تطہیر پینا ان کی فطرت ہی میں داخل ہے

کہاں ہے مطرب رنگیں نوا کوئی غزل چھیڑے
کہ سناٹا سا چھایا ہے دگرگوں رنگِ محفل ہے

محبت میں کہاں فرق من و تو یہ وہ منزل ہے
جہاں دل ہے وہیں تم ہو جہاں تم ہو وہیں دل ہے

مقامِ عشق کی رفعت کا عرفاں کس کو حاصل ہے
جنوں صحرا بہ صحرا ہے خرد منزل بہ منزل ہے

ذرا مٹھی تو اپنی کھولیے کھل جائے گا خود ہی
اگر میرا نہیں ہے یہ تو کیا پھر آپ کا دل ہے

تصور جب جما تصویر بن کر سامنے آیا
بگولا بھی نگاہِ قیس میں لیلیٰ کا محمل ہے

سنبھل کر وادیٔ پُرخار الفت میں قدم رکھنا
یہاں ہر ہر قدم پر راہ میں مشکل ہی مشکل ہے

مسیحا نے مری بالیں پہ آکر ہنس کے فرمایا
نہ یہ مرنے کے قابل ہے نہ یہ جینے کے قابل ہے

کسی صورت کسی پہلو قرار اِس کو نہیں آتا
مرے سینہ میں دل ہے اے خدایا مرغِ بسمل ہے

اٹھا ہے امتیازِ ناقص و کامل زمانے سے
لہو جو بھی لگا بیٹھا شہیدوں میں وہ شامل ہے

کوئی مغرور حکمت پر کوئی سائنس پر نازاں
خدا کی معرفت سے بے خبر انسان کا دل ہے

اُڑائے جاتے ہیں اس دور میں سوئے فلک راکٹ
مگر اوج قمر تک بھی رسائی ان کی مشکل ہے

غبارہ چاند تک کوئی جو پہنچا بھی تو کیا اس سے
کسے شق القمر کے معجزہ کا فخر حاصل ہے

براق مصطفیٰؐ کے آگے راکٹ کی حقیقت کیا
تصور جس سے بڑھ کر تیز رفتاری کا مشکل ہے

یتیم آمنہؓ کو وہ بلندی آج حاصل ہے
نمود کہکشاں گرد و غبار راہِ منزل ہے

پرِ پروازِ جبریل امیںؑ شل ہوگئے جس دم
کہا رف رف نے یہ مڑ کر ابھی تو پہلی منزل ہے

حریم ناز کا پردہ ہے خود بیتاب اٹھنے کو
حدود قاب قوسین دنیٰ میں کوئی داخل ہے

مقام ہوٗ میں پہنچا ناخدائے کشتی امت
نہ طوفاں ہے جہاں کوئی نہ دریا ہے نہ ساحل ہے

سماں من تو شدم تو من شدی کا چھا گیا ایسا
نہ پردہ درمیاں کوئی نہ کوئی حد فاصل ہے

تخیل ہے جہاں عاری تصور ہے جہاں عاجز
خرد ہے سر بہ سجدہ قوت ادراک باطل ہے

ارے اُس نور کی منزل میں ذکر شکل وصورت کیا
یہ عالم ہے کہ آئینے کے آئینہ مقابل ہے

قصیدہ برقؔ کا سن کر فرشتے بول اٹھے یہ تو
درِ جنت پہ آویزاں کیے جانے کے قابل ہے

قصیدہ بتقریب جشن فتح خیبر و در منقبت شیر خدا امیر المومنین

علی ابن ابی طالبؓ

خدا معلوم کتنی عمر ہے اس زال دنیا کی
دلِ ناداں محبت بھی ہوئی تجھ کو تو بڑھیا کی

غم نومیدیٔ دیدار میں صبحِ شبِ وعدہ
ستاروں کی طرح نبضِ مریض ہجر ڈوبا کی

خیال یار میں شب بھر جو کچھ سوجھی نئی سوجھی
جنونِ عشق نے اک بات سے سو بات پیدا کی

مریضِ شامِ فرقت یوں ہوا تھا سوکھ کر کانٹا
قضا آئی تو پہروں بیٹھ کر بستر ٹٹولا کی

اگر جرمِ محبت عفو کے قابل نہیں اے بُت
ستالے جتنا جی چاہے قسم ہے تجھ کو گنگا کی

مریضِ جاں بلب نے آہ اس انداز سے کھینچی
کہ سن کر روتے روتے بندھ گئی ہچکی مسیحا کی

محبت نام انھیں جذبات کا ہے رات بھر شبنم
گلوں کی بے ثباتی دیکھ کر گلشن میں رویا کی

نہ چھوڑا ساتھ دم بھر بھی جہاں پہنچا وہاں پہنچی
مری تقدیر چیونٹی کی طرح سے مجھ کو سونگھا کی

وہ خوش اس پر کہ ہم نے خوب جی بھر کر ستا ڈالا
میں خوش اس پر کہ مجھکو یاد آئی اپنے مولا کی

بتوں کی ناز برداری میں جھیلے اس قدر صدمے
کہ جھنجھلا کر طبیعت نے کہا ہت تیری دنیا کی

غزل چھوڑی گل وبلبل کے افسانے سے درگذرا
بحمد اللہ اب بندہ ہے اور مدحت ہے مولا کی

میں معمولی قلم سے مدح لکھوں اپنے مولا کی
کہاں جبریلؑ ہیں لے آئیں کوئی شاخ طوبیٰ کی

علیؑ شیر خدا ہے فاتح دلہائے عالم ہے
میں کہتا ہوں قسم ہے آیۂ انا فتحنا کی

محمدؐ کا لگے آب دہن جس چشم نازک میں
تعجب کیا اگر سوجھے اسے عرش معلیٰ کی

کفِ دستِ مقدس میں یہ مزدوری کا گھٹا ہے
کہ اک تمثیل روشن ہے یدِ بیضائے موسیٰ کی

شکم پر بھوک سے باندھے ہوئے پتھر جو آنکلا
تو اینٹھیں بل گئیں غیرت کے مارے کاخ کسریٰ کی

در آئے ذہن میں بندہ کے کیونکر مدح مولا کی
کہاں ممکن سمائی ظرفِ قطرہ میں ہے دریا کی

تعالیٰ اللہ اے شیرِ خدا اے اشجع الشجعاں
ترے دُلدُل کی ٹاپوں سے زمینِ کفر لرزا کی

اُکھاڑا تو نے جب جھٹکے سے بابِ قلعۂ خیبر
زمیں کو زور سے گاوِ زمیں سینگوں پہ تھاما کی

کیا اک وار مرحب پر تو دو ٹکڑے نظر آیا
دیا اک ہاتھ عنتر کو تو پہروں آنکھ ناچا کی

پچھاڑا جب عمر بن عبدِ وُد کو جنگ خندق میں
پھڑک کر بول اُٹھی شاباش بیٹے روح حمزہؓ کی

خبر تک ہو نہ گو نکلے بدن سے تیر دو پیکر
لگائے کیا کوئی قیمت ترے اس ایک سجدا کی

لڑے جھگڑے مگر نام علیؓ جب بیچ میں آیا
وہیں پر برقِ بحثیں رک گئیں سنّی و شیعا کی

رباعی

دن بھر تو ترے ہاتھ میں خنجر پایا
مشغولِ عبادت تجھے شب بھر پایا
میداں میں تجھے مردِ دلاور پایا
مسجد میں تجھے زینتِ منبر پایا

قصیدہ در منقبت شیر بیشۂ شجاعت اسد اللہ الغالب امیر المومنین

حضرت علی ابن ابی طالبؓ

بہار آئی گلستاں کہ تازگی کے لیے
نسیم صبح نے بوسے کلی کلی کے لیے

صبا نے ہاتھ بڑھایا ہے گدگدی کے لیے
ہر ایک گُل نہ ہو بیتاب کیوں ہنسی کے لیے

قدم قدم پہ بھلا دل نہ کیوں کھنچا جائے
طرح طرح کے مناظر ہیں دلکشی کے لیے

خدا کے فضل سے لنگڑی نہیں ہے کبکِ دری
بھچک بھچک کے یہ چلتی ہے دل لگی کے لیے

حسین پھولوں کو چُن چُن کے مالنیں ہر سو
بناتی رہتی ہیں سہرے بنے بنی کے لیے

یہ دلفریب سماں ہے گلوں کی شاخوں کا — کہ جیسے ہاتھ بڑھائے ہوں دوستی کے لیے
ملار گاتے ہیں موجِ نسیم کے جھونکے — فضا ستار بجاتی ہے نغمگی کے لیے
گھٹائیں دیکھ کے چرخِ کبود پر لالہ — پیالہ لے کے ہے تیار میکشی کے لیے
گلوں کی باس سے بس کر چمن کی مست ہوا — دلوں کو دیتی ہے پیغام سرخوشی کے لیے
یقیں ہے باغ میں بزم ادب کا لطف آئے — زبان کھولے جو سوسن سخنوری کے لیے
گھنے درختوں کے پتے کا دیکھ کر سایہ — گلوں کے چاند نکل آئے چاندنی کے لیے
سماں بہار کا لکھئے تو لکھتے ہی رہئے — کھلا ہوا ہے وہ میدان شاعری کے لیے
جہاں کسی کو گلوں نے چھوا تو کانٹوں نے — سنبھالی نوک وہیں نیشتر زنی کے لیے
ذرا بھی آنکھ نہ جھپکی چمن میں نرگس کی — نہ جانے کب سے ہے یہ منتظر کسی کے لیے
زمیں پہ فرطِ عقیدت سے جھک گیا سبزہ — درونِ صحنِ چمن مقدمِ علیؑ کے لیے
طیور باغ نے چھیڑا ترانۂ مدحت — مناقب اسد اللہ سے آگہی کے لیے

مطلع ثانی

نبیؐ کا دوش جو زینہ بنا علیؑ کے لیے — قسم خدا کی سند ہے خدا رسی کے لیے
کرے نہ صاف ذرا بھر میں کیوں صفِ اعدا — کہ ایک کھیل ہے ہے یہ تیغ حیدری کے لیے
وغا میں مرحب و عنتر پہ اس طرح جھپٹے — کہ شیر جیسے کرے جست لومڑی کے لیے
اُکھاڑ دیتے نہ کیوں باب قلعۂ خیبر — بجا نمایشِ اعجاز ہے ولی کے لیے
تمہارے داغِ محبت پہ فخر ہے مجھکو — لحد میں کام یہ آئے گا روشنی کے لیے
تمہارا عشق وسیلہ ہے میری بخشش کا — تمہاری یاد سہارا ہے زندگی کے لیے
عمل کی جان جو نیت ہے تو شبِ ہجرت — تم اپنی جان فدا کر چکے نبیؐ کے لیے
تمھارے نقشِ قدم پر چلوں نہ میں کیوں کر — روش امام کی لازم ہے مقتدی کے لیے
خدا کے گھر میں شروع و اخیر ہو جس کا — شرف یہ خاص ہے مخصوص آپ ہی کے لیے

ثنائے حیدرِ صفدر کا یہ صلہ پایا
کہ خلد وقف ہوئی برقؔ اعظمی کے لیے

در تہنیت جشن پیدائش

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ہلکی ہلکی جو پڑی ابر بہاری کی پھوہار
چپہ چپہ ہوا صحرا کا گلستاں بکنار

جاگ اٹھا سبزہ خوابیدہ طراوت پاکر
جھوم اٹھے برگ وشجر دیکھ کے کلیوں کا نکھار

فیض باراں سے ہے سرسبز فضائے گلشن
دست قدرت کا ہر اک پھول بنا ہے شہکار

چہچہے سن کے عنادل کے جو چہکیں چڑیاں
مچ گئی چار طرف صحنِ چمن میں چہکار

لے اڑے سب خس وخاشاک ہوا کے جھونکے
خطہ خاک ہوا فیض نمو سے گلزار

صحن گلشن تو بہر حال ہے پھر بھی گلشن
غیرت فرش زمرد ہے زمین کہسار

چشم نرگس نہ ہو کیوں محو نظارا بازی
سنبل تر ہے سنوارے ہوئے زلف خمدار

حشر برپا نہ کرے مست خرامی سے کہیں
دیدنی کبکِ دری کی ہے چمن میں رفتار

خندہ ہائے گل صد برگ پہ سوسن نے کہاں
بڑھ گیا تیری اداؤں سے چمن کا معیار

نشہ ہوجائے ہرن بنت عنب کا ہے یقیں
دیکھ لے نرگس شہلا کی جو آنکھوں کا خمار

ناطقہ بند کیا اس کا شمیم گل نے
کھولی سوسن نے زباں جب کہ برائے گفتار

دیکھ لیں حضرت واعظ جو یہ پرکیف سماں
ذوقِ بادہ میں کہیں رہن نہ کردیں دستار

رشک فردوس بریں ہے جو چمن کی سج دھج
زینت گلشن گیتی ہے گلوں کا رخسار

ایک سے ایک نئے راگ سناتے ہیں طیور
ساز فطرت ہے کہ مرغان چمن کی منقار

دامن موج صبا کا جو اشارہ پایا
بوئے گل پھاند گئی صحنِ چمن کی دیوار

اک ذرا دیر میں گل عالم امکاں مہکا
بس گیا باس سے پھولوں کی ہر اک شہر و دیار

وہ طراوت ہے کہ رضواں کا کلیجہ تر ہو
وہ سجاوٹ ہے کہ فردوس بھی ہوجائے نثار

کیوں نہ اب مرغ سخن نغمۂ مدحت چھیڑے
مقدم بنت پیمبرؐ کو زمیں ہے ہموار

پیش کن ہدیۂ اخلاص بشکل اوراد
گوش کن زمزمۂ مدحت و آداب بہار

اے کہ ہے مادر گیتی کا تری ذات سنگار
اے کہ ہے طبقۂ نسواں کا ترے دم سے وقار

اے کہ زلفوں میں تری زلفِ نبیؐ کی خوشبو — اے کہ چہرے پہ ترے نور سعادت کا نکھار
اے کہ کانوں میں ترے وحیٔ نبیؐ کی گونجیں — اے کہ آنکھوں میں تری نشۂ وحدت کا خمار
اے کہ اخلاف ترے سید شبانِ جناں — اے کہ اسلاف ترے بیت حرم کے معمار
اے کہ اخلاص ترا فضل خدا کا مظہر — اے کہ اخلاق ترا خُلق نبیؐ کا معیار
عصمت حضرت مریمؑ تری عصمت پہ فدا — عظمت حضرت حواؑ تری عظمت پہ نثار
مرحبا پاؤں ترے قصر مروت کے ستوں — حبذا ہاتھ ترے دیں کے امانت بردار
قلب پرنور ہے گنجینۂ انوار علوم — سینۂ پاک میں وحدت کے بھرے ہیں اسرار
کرکے محسوس تری قوت روحانی کو — الٹے پاؤں بنی نجران نے لی راہِ فرار

کیوں نہ دنیا ہو تری شانِ سخاوت کے نثار
آپ فاقے کیے سائل کو نہ پھیرا زنہار

تین دن کا بھی یہ فاقہ تو ہے چہرہ بشاش — مضمحل ذرہ برابر نہیں طبع خوددار
ایسی ملکہ کہ جلو میں کوئی لونڈی نہ غلام — ایسی شہزادی کہ کوئی بھی نہیں خدمت گار
رنج وراحت میں ہمیشہ تھی نبیؐ پر قرباں — صعب وسختی میں ہمیشہ تھی علیؑ کی غمخوار
تیرے اوصاف میں پنہاں ہے نبیؐ کی تعریف — تیرے کردار سے ظاہر ہے نبیؐ کا کردار
مشکلیں اور تھیں چکی کی مشقت کے سوا — صاف لکھ دوں تو ابھی سن کے ہوں آنکھیں خونبار
کیوں چڑھاؤں نہ درودوں کی میں تجھ پر ڈالی — کیوں سلاموں کی نہ کردوں تیرے اوپر بوچھار
السلام اے گل گلزارِ رسول اکرمؐ — السلام اے چمنستانِ معارف کی بہار
اک نظر اے کرم رحمت عالم کی امیں — تیرے خدام ہیں اب گردش دوراں کے شکار
بانیٔ بزم کو راس آئے یہ تقریب سعید — جملہ حضار کے سب دور ہوں رنج وآزار

نقد جنت کی بشارت ملی اس کے بدلے
شکر ہے میرا قصیدہ نہ گیا برقؔ ادھار

در بارگاہِ سیدہ نساء العالمین

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بنتِ پیمبرؐ فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا
صبر مجسم شکر سراپا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اصل میں اشرف نسل میں اعلیٰ دین میں اکمل حسن میں بالا
فضل میں کامل حِلم میں یکتا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نورِ ہدایت جلوہ بہ جلوہ مشقِ ریاضت پردہ بہ پردہ
ذوق عبادت سجدہ بہ سجدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

منبعِ احساں بیت معلیٰ لمعۂ عرفاں قلب مجلّیٰ
مشعلِ ایماں نقش کفِ پا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جسکا پدر سردار رسولاں جسکا پسر سرتاجِ شہیداں
جسکا شوہر سب کا مولا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

دین کے سب اسرار کی ماہر جسکے رخِ پُرنور سے ظاہر
عفتِ مریمؑ عظمتِ حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تیرگیِ عالم کے اُجالے جسکی مقدس گود کے پالے
بجتا ہے جنکا دہر میں ڈنکا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

جس کا تصرّف صاف نمایاں جس سے بقیعِ پاک کی گلیاں
بن گئیں مرکزِ اہلِ تولا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

غیرتِ عنبر زلفِ معنبر رشکِ گلِ تر روئے مطہر
شمعِ منور جلوۂ سیما رضی اللہ تعالیٰ عنہا

فخرِ اب و جد حُسنِ مجرّد اطیب و اجمل اشرف وامجد
جانِ محمدؐ روحِ خدیجہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

نکہتِ ایماں زہنتِ قرآں لعبت یزداں فطرت نیکاں
عزت نسواں عصمت انثیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بحر سخاوت موجِ سعادت کانِ مروت پیکر رافت
ملکۂ جنت مونس غربا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تارکِ دنیا طالب عقبیٰ ماحیٔ بدعت واصلِ مولا
حاملِ صد فقر و استغنا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

بادِ شہہِ کونین کی دختر اور یہ اس کا حال ہو اکثر
ایک ہی چادر ایک ہی کُرتا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

پاس کوئی غمخوار نہ لونڈی آہ کہ اپنے ہاتھ سے خود ہی
پیسنی چکّی گوندھنا آٹا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اپنی غریبی پر نہ نظر کی رنج سہے فاقوں میں بسر کی
در سے مگر سائل کو نہ پھیرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اے مہہِ اوجِ بُرجِ سیادت تیرے سبب ہاں تیری بدولت
نسلِ نبیؐ کا بول ہے بولا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

تجھ پہ فدا اربابِ بصیرت تجھ پہ نچھاور نذرِ عقیدت
تجھ پہ تصدق دیں ہو کہ دنیا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

اِسکی شفاعت بھی فرمانا عرصۂ حشر میں بھول نہ جانا
برقؔ حزیں کی ہے بس یہ تمنا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

قصیدہ در منقبت سید النساء العالمین

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا

آئی بہار لے کے نفاست کی زندگی — پھولوں نے پائی باغ میں عزت کی زندگی
دورِ خزاں کا اب کہیں نام و نشاں نہیں — ساتھ اس کے ختم ہوگئی ذلت کی زندگی

دیکھا جو ٹھاٹ باٹ حسینانِ باغ کا
پھرنے لگی نگاہ میں جنت کی زندگی

فرطِ خوشی ہے جھوم رہا ہے ہر اک شجر
ہر گل گزارتا ہے مسرت کی زندگی

کوئل چمن میں شور مچاتی ہے چار سو
اتنی اُسے پسند ہے شہرت کی زندگی

بلبل کی سرخوشی کا بھلا پوچھنا ہی کیا
اُس کی تو گل کے ساتھ ہے نسبت کی زندگی

مذہب کے اختلاف سے بچ کر سب اہلِ باغ
باہم گزارتے ہیں محبت کی زندگی

نرگس کی آج تک نہ پلک سے پلک ملی
کہتے ہیں اِس کو شوقِ زیارت کی زندگی

اہل چمن کو اُنس ہے ذکرِ بتولؓ سے
رگ رگ میں دوڑتی ہے عقیدت کی زندگی

الفاظ کو ہے جسم سے گویا مناسبت
معنی کی روح اُن میں ہے مدحت کی زندگی

نازاں نہ کیوں ہو تجھ پہ شرافت کی زندگی
عُسرت میں بھی گزاردی عشرت کی زندگی

اے نازشِ علیؓ و جگر گوشۂ رسولؐ
واللہ تیری یاد ہے امت کی زندگی

زندہ ہے تیرے نام سے مہرو وفا کا نام
قائم ہے تیرے دم سے محبت کی زندگی

تیری طرح سے کسنے گزاری ہے دہر میں
صبر ورضا وزہدو قناعت کی زندگی

چکّی بھی پیس کر لبِ شکوہ نہ وا ہوا
کاٹی ہنسی خوشی سے مشقت کی زندگی

نسوانیت کی شان دوبالا تجھی سے ہے
تھی ورنہ کس شمار میں عورت کی زندگی

شاہد کلام پاک ہے تطہیر پر تری
کہتے ہیں اِس کو عصمت وعفت کی زندگی

رضواں نے دی ترے درِ اقدس پہ حاضری
قرباں ترے قدم پہ ہے جنت کی زندگی

تازہ ہے تیری ذات سے دینِ نبیؐ کا باغ
قائم ہے تیرے پھولوں سے نکہت کی زندگی

دنیا میں یادگار ہے تسبیحِ فاطمہ
کیا اس سے بڑھ کے ہوگی فضیلت کی زندگی

جس سے خدا بھی خوش ہے، خدا کا رسول بھی
وہ زندگی ہے تیری اطاعت کی زندگی

ذکر خدا سے تھی کبھی غفلت نہ یک نفس
زہراؓ سے کوئی سیکھے عبادت کی زندگی

بعدِ رسول پاکؐ تری دردِ ہجر سے
ششمایہ زندگی تھی قیامت کی زندگی

صدقے ترے قدم پہ مرا حسنِ منقبت
قربان تجھ پہ میری عقیدت کی زندگی

دستِ دُعا اٹھا کہ ہر اک رنج وغم مٹے
برداشت اب نہیں ہے مصیبت کی زندگی

کھلتی نہیں زبان، کہیں کھل کے تجھ سے کیا
گویا کہ ہے وطن ہی میں غربت کی زندگی

گھیرے ہوئے ہیں رنج ومصائب کچھ اس طرح
خطرے میں ہر طرف سے ہے اُمت کی زندگی

آپس میں اتفاق نہیں مومنوں میں بھی — کرتے ہیں خود بسر پہ کدورت کی زندگی
مرضی اگر تری ہو تو اب ان کو بھیج دے — بیٹھے گزارتے ہیں جو غیبت کی زندگی
بغض ونفاق تاکہ زمانے سے دور ہو — مِل جُل کے سب گزاریں محبت کی زندگی

اے کاش تیرے فیض سے ہو برقؔ کو نصیب
دونوں جہاں میں عزت و راحت کی زندگی

قصیدہ درتہنیت جشنِ پیدایش

حضرت امام حسن علیہ السلام

قابلِ دید ہے باران کرم کا منظر — دیکھو اٹھی وہ گھٹا آئے وہ بادل گھر کر
رات کا وقت ہے اور رات بھی برسات کی — دن نکلنے کو ہیں باقی ابھی دو تین پہر
خامشی چھائی ہے سُنسان ہے ساری بستی — جاگتا ہے نہ موذن نہ کوئی مرغِ سحر
جھومتا پھرتا ہے یوں چار طرف ابرِ مطیر — لڑکھڑاتا ہو شرابی کوئی جیسے پی کر
سوجھتا کچھ نہیں اس طرح اندھیرا گھپ ہے — آسماں پر صفِ انجم ہے نہ روشن ہے قمر
ابر اندھیرے میں جو معذور ہوا چلنے سے — بجلیاں راہ دکھانے لگیں مشعل لے کر
اس طرف جاکے جو بجلی نے دکھائی مشعل — ڈانٹ کر رعد یہ بولا ادھر آنا لیکر
گتھ گئے ایک میں یوں ابر سیہ اور سپید — جیسے دو پیل دماں لیتے ہوں باہم ٹکر
ایک کو ایک سے ٹکر جو اندھیرے میں لگی — سب بھرے بیٹھے تھے آخر نہ چھلکتے کیونکر
بس کہ تھا جوش طبیعت میں برسنے کا بھرا — لپکا ہر قطرہ انا البحر کا نعرہ بھرکر
موسلا دھار لگی ہونے زمیں پر بارش — خشک مٹی کا کلیجہ ہوا اک آن میں تر

بہہ چلا آبِ رواں سیل کے مانند جدھر
کردیا کاٹ کے ہموار ہر اونچا بنجر

صاف وشفاف ہوا دھل کے جونہیں فرش زمیں — نامیہ نے وہیں سبزے کی بچھادی چادر

نونہالانِ چمن خواب سے بیدار ہوئے　　اٹھ پڑی نرگس بیمار بھی آنکھیں مل کر
دن نکل آیا چڑھی دھوپ شعاعیں پھیلیں　　ضو فگن بام فلک پر ہوا شاہِ خاور
تابش مہر سے کلیوں کو بچانے کے لیے　　جابجا ابر نے چھائی ہے فلک پر چھپر
قمری بول اٹھی کہ اک سبز قبا آئے گا　　پیشوائی کو حسیں باغ کے نکلیں سج کر
چیر کر پہلوئے گل سُن کے یہ دلکش مژدہ　　سات پردوں سے بھی نکہت نکل آئی باہر
دھیمی آواز سے اتنے میں یہ سوسن نے کہا　　آگیا آگیا ممدوح فرشتہ پیکر
اتنا سننا تھا کہ بلبل نے کیا استقبال　　اور بولی گل عارض کی بلائیں لے کر

تیری صورت یہ کہے دیتی ہے اے رشک قمر
تو یقیناً ہے کسی نخل امامت کا ثمر

تیرا لہجہ ہے کہ محبوب خدا کا لہجہ　　تیرے تیور ہیں کہ ہیں شیر خدا کے تیور
تجھ کو دیکھا تو کسی گل کی تمنا نہ رہی　　تجھ پہ صدقے ہو چمن اور چمن کا منظر
نفس کُش ماں کے توکل کی چمکتی تصویر　　زندہ دل باپ کے ایثار و کرم کا جوہر
اولیں گوہر بحرین نجیب الطرفین　　طیب و طاہر و معصوم و لطیف و اطہر
تو سہی مدح معلیٰ میں وہ مطلع پڑھ دوں　　بول اٹھیں صل علیٰ جس کو فرشتے سنکر

تو وہ ہے جس کے گھرانے کا ہر اک فرد بشر
ذرّہ چھودے تو چمک جائے وہ سورج ہوکر

موج میں آئے تو قطرے کو سمندر کردے　　جوش میں آئے تو مٹی کو بنادے عنبر
اک ذرا دیر میں برگ اور ثمر پیدا ہوں　　خشک ٹہنی پہ جو ڈالے نگہہِ فیض اثر
زندہ مرجائے جو مرنے کا اشارا کردے　　مردہ جی اٹھے جو قم کہہ کے لگادے ٹھوکر
کہہ دے تھمنے کو تو تھم جائے زمیں کی گردش　　کہہ دے رُکنے تو رُک جائے فلک کا چکر
پڑھ دے گر زلزلت الارض تو محشر ہو بپا　　تختۂ روئے زمیں ہو ابھی نیچے اوپر
حق نے اس درجہ عطا کی ہے کرامت ان کو　　اور بھیجا ہے انھیں اتنا تصرف دے کر
ہر گھڑی جوشِ عقیدت میں بقولِ قدسیؔ　　برقؔ اپنی بھی دعا ہے یہی اب آٹھ پہر

اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی
''چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر''

قصیدہ در منقبت جشن ولادت سلطان الشہداء

حضرت امام حسین علیہ السلام

مرا دل چاہتا ہے پیرو پیر مغاں ہوکر
کہوں وہ بات زاہد کی نہیں رہ جائے ہاں ہوکر

جواز مے کا فتویٰ مفتیٔ شرع متیں دیدے
خوشی سے مست تاثیرِ شرابِ ارغواں ہوکر

صدا قلقل کی سن کر قل ھو اللہ احد پڑھ کر
سر واعظ جھکے وقف سجود آستاں ہوکر

غلام ساقیٔ کوثر ہوں مُجھ کو خوف دوزخ کیا
پیوں گا بے خیال و خطرۂ سود و زیاں ہوکر

ہے پیچھے پیچھے رندوں کی جماعت، جانبِ کوثر
چلا ہے ساقیٔ میخانہ میر کارواں ہوکر

صراحی بہر سجدہ پائے خم پر جھک گئی، جس دم
صدائے قلقل مینا اُٹھی صوتِ اذاں ہوکر

گھٹا رحمت کی اُٹھی جھوم کر ابرِ بہار آیا
حیات افروز ہے جوشِ نمو روحِ رواں ہوکر

چمن لہکا ہوا ہے آتشِ گلہائے رنگیں سے
فضاؤں میں خزاں کا رنگ اڑتا ہے دھواں ہوکر

بہار اب کے برس آئی نشاطِ جاوداں ہوکر
رہے گا اب گلستان جہاں رشک جناں ہوکر

ہوا سے نرم و نازک شاخِ گل کو خم تو ہونے دو
دلوں پر تیر اندازی کرے گی یہ کماں ہوکر

جگر میں چبھ گئی دل چھید کر پہلو میں در آئی
نگاہِ نرگس مستانہ تیرِ بے اماں ہوکر

گلوں پر ہاتھ گلچیں نے بڑھایا جب تو ہر کانٹا
کمر بستہ حفاظت کو ہوا نوکِ سناں ہوکر

جو شاخیں جھوم جھوم اٹھتی ہیں فرطِ شادمانی سے
تو تنکے بھی ہیں خوش رونق فزائے آشیاں ہوکر

ذرا سوسن کو دیکھو کس دلیری سے مرے آگے
زباں دانی کا دعویٰ کرتی ہے کج مج زباں ہوکر

بڑھے دن رات میں سروِ سہی کے اسطرح پودے
قیامت قدِ آدم ہوگئی گویا جواں ہوکر

یہ بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے کس کے گیسو کی
دماغ و دل کو خوش کرتی ہے جو آرام جاں ہوکر

سبب تزئین گلشن کا سمجھ میں جب نہ کچھ آیا
میں حیراں رہ گیا محو خیالِ این و آں ہوکر

مری حیرت پہ بولے اہلِ گلشن نغمہ خواں ہوکر
''حسین آئے جہاں میں دینِ حق کے پاسباں ہوکر''

تعالیٰ اللہ اے چشم و چراغِ احمد مرسلؐ — منور کردیا عالم کو تو نے ضوفشاں ہوکر
مقابل میں ترے اے نورِ چشم فاتحِ خیبر — ٹکے کیا دوسرا کوئی حریف عزّ وشاں ہوکر
تری شوکت، تری صولت، تری رفعت، تری عظمت — ہے بالاتر سمجھ سے برتر از وہم وگماں ہوکر

کوئی گہوارہ جنباں سرگروہِ قدسیاں ہوکر
کوئی خیاط ہے داروغۂ بابل الجناں ہوکر

لقب کس کو دیا ہے سیدِ شبّانِ جنت کا — سرِ منبر محمد مصطفٰیؐ نے خطبہ خواں ہوکر
حدیث لحمک لحمی بھری محفل میں فرمائی — نبیؐ نے خود تری تعریف میں رطب اللّساں ہوکر
وہ زلفیں جو کہ ہیں تفسیرِ واللیل اذا یغشیٰ — ترے ہاتھوں میں کیا کیا ناز کرتی ہیں عناں ہوکر
ترے ہی دم سے اے سروِ روانِ گلشن زہراؓ — ریاضِ دینِ حق پھولا پھلا جنت نشاں ہوکر
خلیل اللہ نے مدت ہوئی جو خواب دیکھا تھا — ہے تو تعبیر اس کی کامیاب امتحاں ہوکر
علیؑ نے پوری قوت سے اکھاڑا بابِ خیبر کو — ہلایا عرش کا کنگورا تو نے نیم جاں ہوکر
حیات جاوداں پائی ہے تیرے سرفروشوں نے — ترا بیمار بھی چمکا مسیحائے زماں ہوکر
دلوں سے یاد تیری مٹ نہیں سکتی قیامت تک — رہے گی وجہِ تسکین قلوبِ مومناں ہوکر
یزید اتنا تو تجھ کو چاہیے تھا سوچنا ظالم — کرے فاسق سے کیوں بیعت امامِ انس و جاں ہوکر
ارے ظالم یزیدی فوج آجا ہوش میں تجھ کو — غبارِ خاک شہداء پیس دے گا آسماں ہوکر
یہ وہ خادم ہے جس کو عمر بھر مخدوم سمجھا ہے — علیؓ نے باپ ہوکر فاطمہ زہراؓ نے ماں ہوکر
شہادت دے رہا ہے یہ شفق کا سرخ سرخ آنچل — شہیدوں کا لہو رہتا نہیں ہے رائیگاں ہوکر
نہیں ملحوظ اگر آداب اسے تیرے شہیدوں کا — فلک سوئے زمیں پھر کیوں جھکا ہے آسماں ہوکر

قبولیت پکار اٹھی کہ لے لی برقؔ نے جنت
علوئے شانِ سبطِ مصطفٰیؐ میں مدح خواں ہوکر

قصیدہ درتہنیت جشن ولادت سے سلطان الشہداء

امام حسین علیہ السلام

بہاراعجاز بن کے آئی چمن کی دنیا بدل رہی ہے
لدا ہے پھولوں سے پیڑ کوئی کہیں کوئی شاخ پھل رہی ہے
نکھار پر رنگ آب و گل ہے کلی نہیں ہے چمن کا دل ہے
چرا نہ لے جائے دل ہی ظالم صباد بے پاؤں چل رہی ہے
جدھر بھی دیکھو نظر اٹھا کر عجیب راحت فزا ہے منظر
دُکھے ہوئے دل بہل رہے ہیں گری طبیعت سنبھل رہی ہے
پتہ لگانا ہے اِس کا مشکل کہاں ہے بادِ صبا کی منزل
لیا نہ رُکنے کا نام ہرگز چلی تو اب تک وہ چل رہی ہے
عروسِ سبزہ بہ شادمانی بدل رہی ہے لباس دھانی
شمیم تازہ بہ تازہ اُس کے لباس میں عطر مل رہی ہے
مٹک مٹک کر قدم اٹھانا وفورِ مستی سے لڑکھڑانا
وہ دیکھو کبکِ دری کو دیکھو غضب کی چال آج چل رہی ہے
دلوں کو تسکین بخشتے ہیں نسیم عنبر فشاں کے جھونکے
خوشی سے ہر شاخ جھومتی ہے تو پتّی پتّی مچل رہی ہے
یہ جان کر حُسن میں ہے گرمی نہ سہہ سکے گی گلوں کی نرمی
صبا نزاکت کا لیکے پنکھا بڑی لطافت سے جھل رہی ہے
صدائے صلوٰ علےٰ محمدؐ فضا میں گونجی ہوئی ہے ہرسو
کھُلا ہوا نفسِ ناطقہ ہے زبان سوسن کی چل رہی ہے
لباس پتوں نے سبز بدلا تو سرخ ہر پھول کا ہے جوڑا
گلوں کی ہر شاخ آج حسنیؑ حسینیؑ سانچے میں ڈھل رہی ہے

غلاف میں اپنے آج کعبہ خوشی سے پھولا نہیں سماتا
حسینؓ عالم میں آ رہے ہیں حرم کی حالت بدل رہی ہے

حسنؓ کی صورت سے ہے یہ ظاہر کہ آ گئی بازوؤں میں طاقت
نبیؐ کے چہرے پہ ہے مسرت علیؓ کی حسرت نکل رہی ہے

جناں کی حوروں سے ہے کھچا کھچ بھری ہوئی فاطمہؓ کی ڈیوڑھی
کوئی مسرت سے وجد میں ہے خوشی سے کوئی اُچھل رہی ہے

بلالؓ نے کان میں اذاں دی تو عرشِ اعظم خوشی سے جھوما
صدائے تکبیر کے اثر سے ستم کی دنیا دہل رہی ہے

ہے مست کون و مکاں کی بستی اُدھر بھی مستی اِدھر بھی مستی
فلک سے مستی برس رہی ہے زمیں سے مستی اُبل رہی ہے

مہار زلفوں کی ہاتھ میں ہے حسینؓ ہے دوش مصطفےٰؐ پر
سوار جس سمت موڑتا ہے سواری اس سمت چل رہی ہے

ہماری اُلفت نہ کیوں ہو کامل درونِ سینہ بصورتِ دل
کتابِ عشقِ حسینؓ ازل ہی سے جب کہ زیرِ بغل رہی ہے

بلائیں ہوتی رہی ہیں رد اُسوۂ حسینیؓ پہ چل کے اپنی
تو یادِ مشکل کشا ہمیشہ ہر ایک مشکل کا حل رہی ہے

ترے ہی ایثار سے بچا ڈوبنے سے اسلام کا سفینہ
تجھی سے اے ناخدائے ملت یہ ناؤ طوفاں میں چل رہی ہے

جھکے گا باطل کے آگے ہرگز کبھی نہ سر آلِ مصطفےٰؐ کا
کہی تھی جو بات تو نے مولا اٹل رہے گی اٹل رہی ہے

مٹا کے چھوڑا ستم کی بستی بدل کے چھوڑا نظامِ ہستی
یزیدیت مٹ گئی جہاں سے حسینیتؓ پھول پھل رہی ہے

کہاں نہیں تیرے نام لیوا کہاں نہیں ہیں ترے فدائی
ہے صاف ظاہر تری حکومت تمام عالم میں چل رہی ہے

مٹا سکا آج تک نہ گردوں دبا سکی آج تک نہ دنیا
ہمیشہ عزم وعمل کی شہرت ترے بہ بانگ دُہل رہی ہے
چلا مشیت پہ عمر بھر تو صلہ یہ اُس کا ملا ہے تجھکو
مشیتِ حق بھی بیشتر اب تری مشیت پہ چل رہی ہے

نگاہ جس سمت تو نے پھیری اُدھر پھری گردشِ زمانہ
ہمیشہ ہر انقلاب کی روح تیری سعیٔ عمل رہی ہے
سمٹ کے پروانہ وار آتے ہیں گوشے گوشے سے اہل ایماں
مزارِ انور ہے تیرا مولا کہ شمع اسلام جل رہی ہے

ترے طریق عمل کی دعوت بدل رہی ہے جہاں کا نقشہ
عمل ہے جس قوم کا بھی اس پر وہ رُخ پہ منزل کے چل رہی ہے
ترے شہیدوں کی سرفروشی کا دیکھ کر بے پناہ جذبہ
حیات الگ مسکرا رہی ہے قضا الگ ہاتھ مل رہی ہے

رواں دواں دشتِ کربلا میں حسینؓ کے قافلہ کو دیکھو
خلیل حق! خواب کی تمہارے یہ زندہ تعبیر چل رہی ہے
زمیں پہ لالہ بنی شفق آسماں پہ بن کر ہوئی نمایاں
حسینؓ! تیرے لہو کی سرخی عجیب رنگت بدل رہی ہے

یزید نے تجھ سے لی جو ٹکر تو آ کے غصہ میں کھا کے چکر
فلک کی چکی زمیں کی چھاتی پہ آج تک مونگ دل رہی ہے
جہاں سے مٹتا ہی جا رہا ہے نشان شخصی حکومتوں کا
یہ کیا ہے؟ مظلومیت تشدد کے سر کو اب تک کچل رہی ہے

غزل کے محدود قافیوں میں لکھا جو یہ برقؔ نے قصیدہ
صلے کی پُرزور بات بزمِ ملاء اعلیٰ میں چل رہی ہے

قصیدہ بتقریب جشن ولادت شیر بیشہ شجاعت نبیرۂ شہنشاہ رسالت رئیس المجاہدین امام المسلمین حضور

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

مٹا خزاں کا نشان دورِ انقلاب آیا — بہار آتے ہی ہر پھول پر شباب آیا

چمن کی اوس بھی یوں عطر بیز ہے گویا — کوئی فضا میں چھڑکتا ہوا گلاب آیا

نسیم صبح نے اس طرح چھیڑ خانی کی — حیا سے گیسوے سنبل میں پیچ وتاب آیا

ذرا سا چھو بھی گئی تو سمٹ گئی فوراً — چھوئی موئی کو نزاکت سے وہ حجاب آیا

اُدھر اُدھر گلِ سورج مکھی نے رخ بدلا — جدھر جدھر بھی سرِ چرخ آفتاب آیا

کِھلا ہے باغ میں لالہ کچھ اس طرح جیسے — کوئی حسین لیے ساغر شراب آیا

کہاں ہے بلبلِ شیدا کوئی غزل چھیڑے — کہ صحنِ باغ میں مطرب لیے رباب آیا

چمن میں اس گل خوبی کو جب سے دیکھا ہے — جبھی سے دیدۂ نرگس میں پھر نہ خواب آیا

بس اک نظر میں اُڑی نیند زندگی بھر کی — یہ کس حسیں پہ دلِ خانماں خراب آیا

نقابِ زلف ہے اُس گل کے روئے روشن پر — گہن میں یا رخِ پُر نور آفتاب آیا

بڑھی کچھ اور محبت میں دل کی بیتابی — اگر کوئی پئے تسکین اضطراب آیا

ہماری طرزِ نگارش کا واہ کیا کہنا — وہ لا جواب لکھا خط نہ کچھ جواب آیا

اِن آنسوؤں کی بدولت جہان الفت کا — نہ جانے کتنا علاقہ ہے زیرِ آب آیا

حجاب قدس میں تھا آج تک جو پوشیدہ — وہ نور خانۂ زہرا میں بے حجاب آیا

فضا میں گونج رہے ہیں درود کے نعرے — سوارِ دوشِ پیمبرؐ ملک جناب آیا

نبیؐ کی گود میں ابنِ ابو تراب آیا — کہ آفتاب کے پہلو میں ماہتاب آیا

بدلنے والا ہے نقشہ نظامِ عالم کا — حسینؓ آئے کہ پیغام انقلاب آیا

کھلیں گے علم لدنی کے سب پہ اب جوہر — امین دین نبیؐ حافظِ کتاب آیا

وہ ہے جو شان شجاعت میں فرد بعد علیؓ — وہ ہے جو بزم شہیداں میں انتخاب آیا

مچل گیا پئے ملبوس جبکہ عید کے دن — تو جوڑے خلد سے رضواں لیے شتاب آیا

وہ جس کی تشنہ دہانی کا دیکھ کر منظر
نظر فرات میں نمدیدہ ہر حباب آیا

لرز رہا تھا وغا میں دلِ صفِ اعدا
عجیب شان سے وہ تمکنت مآب آیا

لکھا بخطِ جلی اس کو ہر مورخ نے
حسینؑ! تیری شجاعت کا جب کہ بات آیا

اٹھا جو خنجر خارا شگاف تو لے کر
صفِ مصاف سے مقصد میں کامیاب آیا

نہ جانے کتنے تنوں کے اُڑادئے ٹکڑے
نہ جانے کتنے سروں کو زمیں میں داب آیا

ہر ایک فرد ہوا حامل حیات ابد
جو سوئے کرب وبلا تیرے ہمرکاب آیا

پھرا نہ کوئی بھی محروم تیری چوکھٹ سے
گیا جو ہوکے وہ مقصد میں کامیاب آیا

ادھر بھی چشم کرم ہو کہ برقؔ بھی مولا
تری جناب میں ہونے کو باریاب آیا

نذرانہ عقیدت دربارگاہ شیر بیشۂ شجاعت سلطان الشہداء حضور

سیدنا امام حسین علیہ السلام

علی کے لال! تیری داستاں کے دیکھنے والے
ہیں اک اک لفظ میں عزم جواں کے دیکھنے والے

ہوا تو کربلا میں پاس کرکے سرخرو اس کو
فرشتے کانپ اٹھے جس امتحاں کے دیکھنے والے

اشارہ ہے تری گل پیرہن تربت کا یہ ہردم
اِدھر دیکھیں بہارِ بے خزاں کے دیکھنے والے

وہ حسن باغ رضواں کو بھلا خاطر میں کیا لائیں
جو ہیں تیرے درِ جنت نشاں کے دیکھنے والے

نمایاں ہے شہیدانِ وفا کے خون کی سرخی
شفق کی سمت دیکھیں آسماں کے دیکھنے والے

یہیں سے دیکھ لیتے ہیں خدا کے نور کا جلوہ
کہاں جائیں تمہارے آستاں کے دیکھنے والے

خلیل اللہ نے جو خواب ذی الحجہ میں دیکھا تھا
حسینؑ اس کی ہیں تعبیر عیاں کے دیکھنے والے

مرے اشکوں کے موتی دیکھ کیسا جگمگاتے ہیں
فلک پر اے نمود کہکشاں کے دیکھنے والے

چلیں گے برقؔ جو نقشِ قدم پر دین حیدرؑ کے
وہی ہوں گے حیاتِ جاوداں کے دیکھنے والے

قصیدہ در تہنیت جشن ولادتِ سلطان الشہداء

حضور سیدنا امام حسین علیہ السلام

آئی بہار حسنِ دلآرا لیے ہوئے
صحن چمن ہے خلد کا نقشا لیے ہوئے
لیتی ہے اہلِ عشق کی ہمت کا جائزہ
تیرِ نگاہ نرگس شہلا لیے ہوئے
اس کے خدنگ ناز سے وہ بھی نہ بچ سکے
گز بھر کا آئے تھے جو کلیجا لیے ہوئے
ڈر ہے کہ صحن باغ میں محشر بپا نہ ہو
کبکِ دری کی چال ہے فتنا لیے ہوئے
ڈرتا ہوں زلف سنبل پیچاں کو دیکھ کر
پھانسی لگا نہ دے کہ ہے پھندا لیے ہوئے
پتوں کا رنگ سبز ہے پھولوں کا سرخ ہے
حسنینؑ کی قبا کا نمونا لیے ہوئے
موجِ نسیم صبح کا عالم نہ پوچھئے
خوشبو کا جیسے ہے وہ قرابا لیے ہوئے
گرمی سے ہر کلی کو بچانے کے واسطے
ہر شاخ برگ گل کا ہے پنکھا لیے ہوئے
دامن میں اپنے ابر بہاراں کے فیض سے
چٹیل زمیں بھی ہے گل ولالا لیے ہوئے
چھڑکاؤ صحن باغ میں کرنے کا انتظام
ہے اپنے ذمے ابر کا سقا لیے ہوئے
بے اختیار اپنی طرف کھینچتا ہے دل
سروِ سہی ہے وہ قدِ رعنا لیے ہوئے
چھیڑا ہے پی کہاں کا ترانہ کچھ اس طرح
مٹھی میں سب کا دل ہے پپیہا لیے ہوئے
ہر گوشِ گل ہے کان ملاحت بنا ہوا
چڑیوں کا چہچہا ہے وہ نغما لیے ہوئے
ایسے میں کوئی ایسی غزل کیوں نہ میں کہوں
جو ہو بہارِ گلشنِ معنا لیے ہوئے

دل ہے جمال یار کا جلوا لیے ہوئے
قطرہ ہے اپنے ظرف میں دریا لیے ہوئے

کوئی ہے ملک پر کوئی نازاں ہے مال پر
اک ہم ہیں جو ہیں تیرا سہارا لیے ہوئے
رندانِ باصفا کا طریقہ کچھ اور ہے
ساغر لیے ہوئے ہیں نہ مینا لیے ہوئے
پیشِ نظر بھی رہ کے وہ آتا نہیں نظر
حیراں ہیں لوگ دیدۂ بینا لیے ہوئے

حوروں کی حرص ہمکو نہ پریوں سے واسطہ
بیٹھے ہیں صرف تیری تمنا لیے ہوئے

ہمت تو دیکھئے دلِ مشکل پسند کی
سارے جہاں کا درد ہے تنہا لیے ہوئے

اُن کا خیال، اُن کی طلب، اُن کی آرزو
چھوٹے سے دل میں ہم بھی ہیں کیا کیا لیے ہوئے

بیٹھے ہوئے ہیں طالبِ دیدار آیئے
چھپتے کہاں ہیں چاند سا مکھڑا لیے ہوئے

کبر و غرورِ حضرتِ واعظ نہ پوچھئے
قبلہ ہیں جیسے خلد کا ٹھیکا لیے ہوئے

ہم میکشوں کے جام سے اک گھونٹ گر پئیں
حق آشنا ہوں عظمتِ تقویٰ لیے ہوئے

رازِ دروں نہ کیجئے اے برقِ آشکار
پردے کی بات کیجئے پردا لیے ہوئے

چھوڑ و غزل سناؤ کوئی جانفزا کلام
حسنِ عمل ہو جو کہ سراپا لیے ہوئے

کب تک رہو گے حسرت دنیا لیے ہوئے
آئے حسینؑ دولت عقبا لیے ہوئے

حیدرؑ کا زور خوئے حسنؑ روئے مصطفٰےؐ
ہاشم کا رعب صولت حمزہؑ لیے ہوئے

سینہ میں علمِ احمدِ مرسلؐ ہے جاگزیں
دل ہے چراغِ طور کا جلوا لیے ہوئے

عزمِ جواں ہے منزلِ وحدت سے ہمکنار
پائے ثبات عرش کا پایا لیے ہوئے

چہرے سے نورِ سرورِ عالمؐ ہے جلوہ گر
زلفیں ہیں نزہتِ شبِ اَسریٰ لیے ہوئے

کس کس کا وصف کیجیے ہر حصۂ بدن
ہے شاہِ انبیاء کا سراپا لیے ہوئے

ذکرِ حسینؑ پاک کا اک ایک لفظ ہے
تاریخِ انقلاب کا صفحا لیے ہوئے

جرأت تو ابنِ شیرِ الٰہی کی دیکھیے
تنہا یزیدیوں سے ہے لوہا لیے ہوئے

کوہِ گراں سے بھی جو امانت نہ اٹھ سکی
وہ بوجھ ہے حسینؑ اکیلا لیے ہوئے

زاہد کی کیا بساط مجاہد کے سامنے
کیوں کر رہا ہے ناز وہ سُبحا لیے ہوئے

سیکھے طریقِ زہد و عبادت حسینؑ سے
پشتِ فرس پہ جو ہے مصلا لیے ہوئے

اُسکے فدائیوں کو بھلا دوں میں کس طرح
ہے داستانِ عشق ضمیما لیے ہوئے

حلقے میں دوستوں کے ہیں شبیرؑ جلوہ گر
یا چاند اپنے گرد ہے ہالا لیے ہوئے

حُر دیکھتا ہے چار طرف تندہی کے ساتھ
میدانِ کارِ زار کا نقشا لیے ہوئے

سر رکھ دیا حسینؑ کے قدموں پہ اس طرح
اُٹھی جبیں تو نقشِ کفِ پا لیے ہوئے

اُس منھ کی آب و تاب قیامت میں دیکھنا
پائے حسینؑ کا جو ہے بوسا لیے ہوئے

عباسِ نامدار کا کیا پوچھنا کہ ہے
کاندھے پہ مشک ہاتھ میں جھنڈا لیے ہوئے

پیاسوں کی اپنے پیاس بجھانے کے واسطے / چھاگل میں ہے فرات کا دریا لیے ہوئے
بیعت بھلا یزید سے کرتے حسینؑ کیوں / فاسق تھا دل میں خواہشِ بیجا لیے ہوئے
بیعت کا ذکر سنتے ہی ہر فردِ خانداں / غصہ سے سُرخ سُرخ ہے چہرا لیے ہوئے
ہٹتا نہیں چراغ بجھانے پہ بھی کوئی / اِس درجہ ہے جہاد کا جذبا لیے ہوئے
اعدا کے سر زمیں پہ لڑھکتے تھے اس طرح / قاسمؑ تھا جیسے گیند کا بلّا لیے ہوئے
چھوڑا یزیدیوں کو مٹا کر جہان سے / اکبرؑ تھا امتحاں کا نتیجا لیے ہوئے
فوجِ یزید مٹ گئی باقی ہے آج تک / نسلِ حسینؑ عظمتِ آبا لیے ہوئے
میدانِ کربلا سے اُٹھا جو غبار وہ / کاندھے پہ ظلم کا ہے جنازا لیے ہوئے
پٹرول بن کے اشک ہے زینبؑ کا آج بھی / اعدا کو پھونکنے کا مسالا لیے ہوئے
دنیا سے مٹتی جاتی ہیں شخصی حکومتیں / ہم دیکھتے ہیں دیدۂ بینا لیے ہوئے
چھپتا کہیں ہے خونِ شہیدانِ ناز بھی / رنگِ شفق ہے اب بھی وہ جلوا لیے ہوئے
مہمانِ کربلا کو بُلا کر جو چھپ گئے / ماتھے پہ ہیں کلنگ کا ٹیکا لیے ہوئے
آنکھیں اگر ہیں فرطِ ندامت سے اشکبار / بیشک ہیں مغفرت کا وسیلہ لیے ہوئے
دھودے گناہ اُن کے بھی محشر میں کیا عجب / حلم نبیؐ ہے عفو کا دریا لیے ہوئے
حق نے ہے دی سند انھیں خُلق عظیم کی / ہیں تمغۂ شفاعتِ کبریٰ لیے ہوئے
بخشا رسولِ پاکؐ نے اُس کو بھی جو کی تھی / اُن کے چچا کا منھ میں کلیجا لیے ہوئے
قاتل کو بھی علیؑ نے ہے شربت عطا کیا / ہے یہ شرف رسولؐ کا کنبا لیے ہوئے
بزم سخن میں برقؔ سخنور کی دھوم ہے / اشفاق پڑھ رہا ہے قصیدا لیے ہوئے
جملے ہیں جسکے حق و صداقت کا آئینہ / نقطے ہیں لمعۂ یدِ بیضا لیے ہوئے
صلِ علیٰ کے شور کی آوازِ باز گشت / آئی ہے رحمتوں کا خزانا لیے ہوئے
اُترے ہیں آسماں سے فرشتے ہزارہا / فضلِ خدائے پاک کا تحفا لیے ہوئے
دنیا کی حرص نے تجھے اندھا بنا دیا / تو ورنہ دیکھتا کہ ہیں کیا کیا لیے ہوئے
آنکھوں میں ایک ایک سلائی لگا کے دیکھ / خاکِ درِ حسینؑ کا سُرما لیے ہوئے
حکم خدا سے آئے ہیں محفل میں جرمؔ کی / جبریلؑ مغفرت کا قبالا لیے ہوئے
تکتی ہیں مومنوں کو دریچوں سے خُلد کے / حورانِ خُلد چاند سا مکھڑا لیے ہوئے

ہر مدح خوانِ شاہ کی گردن میں ڈالنے
قاسمؑ کی روح آئی ہے سہرا لیے ہوئے

جتنے بھی حاضرین ہیں سب کی نجات کا
رحمت خدا کی آئی ہے مُودا لیے ہوئے

یارب دعا ہے تجھ سے کہ ہر اہلِ دیں کا سر
عشقِ حسینؑ کا رہے سودا لیے ہوئے

نقشِ قدم پہ آپ کے چلنا نصیب ہو
برقؔ حزیں ہے بس یہ تمنا لیے ہوئے

قصیدہ در تہنیت جشن ولادت سلطان الشہداء

حضرت امام حسین علیہ السلام

اُمڈا ہے اَشک جو مری چشمِ پُر آب میں
دریا میں ہے حباب کہ دریا حباب میں

حیرانیٔ نگاہ کا عالم نہ پوچھیے
جلوے تو سامنے ہیں مگر وہ حجاب میں

دم بھر کو ہے نشاط جہاں بھی اسی طرح
جیسے کسی حسیں کا خیال آئے خواب میں

واعظ خدائے پاک کی رحمت کے سامنے
بندوں کے ہیں گناہ بھلا کس حساب میں

بہرنمازِ عشق ہے درکار بیخودی
ساقی مرا بھگودے مصلّے شراب میں

اپنی حقیقت آپ نہ اب تک سمجھ سکے
ہم جاگتے ہیں یا ہیں الٰہی یہ خواب میں

مہکا ہوا تمام چمن ہے پتہ نہیں
خوشبو میں ہے گلاب کہ خوشبو گلاب میں

بھیجا جواب خط ہے بصد آرزوئے شوق
لکھتے ہیں کیا وہ دیکھیں جواب الجواب میں

رندوں کی بھیڑ دیکھ کے ہوتا ہے یہ گماں
ساقی ملا نہ دے کہیں پانی شراب میں

غفلت کا حال اہل جہاں کی نہ پوچھیے
جاگا ہوا سمجھتے ہیں اپنے کو خواب میں

دنیا میں رہ کے خواہش آرام ہمنفس
ایسی ہے جیسے آب کی خواہش سراب میں

اس کی خرابیوں سے ہوئی وقفیت جہاں
رہتا ہے کون آکے جہانِ خراب میں

جس دل میں یہ نہیں ہے وہ پتھر ہے دل نہیں
اپنا ہے یہ خیال محبت کے باب میں

ذات وصفات میں بھی ہے نسبت اسی طرح | جیسی کہ آب اور ہے نقشِ برآب میں
رندانِ عشق کو لب کوثر جگہ ملی | الجھے ہوئے ہیں شیخ حساب وکتاب میں

بجلی کی طرح برقؔ ہمارا سلام شوق
پہنچے گا بارگاہِ رسالت مآب میں

لکھتا ہوں مدح اب میں پڑھیں آپ سب درود | تاخیر کس لیے ہے یہ کارِ ثواب میں
آغوش فاطمہؑ میں امامت کا گل کھلا | آئی بہار باغِ رسالت مآب میں
بھیجو درود آلِ محمدؐ پہ اس طرح | آئے سلام تم پہ وہاں سے جواب میں
خوشبو نکل رہی ہے یہ جسمِ حسینؑ سے | گویا بسا ہوا ہے پسینہ گلاب میں
وہ جاگتے میں کرکے دکھایا حسینؑ نے | دیکھا تھا تو جو خلیل الٰہی نے خواب میں
لرزش میں تھی زمین تزلزل میں آسماں | سالارِ دیں نے پاؤں جو رکھے رکاب میں
سارا جہاں بھی ہو تو ابھی رکھ کے کاٹ دیں | فوجِ یزید تو ہے بھلا کس حساب میں
عباسؑ نامدار کی تلوار نہر پر | بجلی سی کوندتی ہے تمنائے آب میں
نکلا ہے تیر آلِ محمدؐ کی آہ کا | رخنہ کہیں پڑے نہ دلِ آفتاب میں
دبتے حسینؑ تجھ سے بھلا اے یزید کیوں | ظالم کہیں کے نور بھی آتا ہے داب میں
پیاسوں کو یاد کرکے حسینی سپاہ کے | نہر فرات آج بھی ہے پیچ وتاب میں

دفتر کھلا جو حشر میں مدحِ حسینؑ کا
اوّل کلام برقؔ رہا انتخاب میں

قصیدہ درتہنیت جشن ولادت سلطان الشہداء

حضور سیدنا امام حسین علیہ السلام

چمن میں آج خزاں ہے نہ بادِ صرصر ہے | قبائے سبز سے ہر نونہال خوشتر ہے
صبا اڑائے ہوئے پھرتی ہے گلوں کی شمیم | فضائے عرصۂ کون ومکاں معطر ہے

خوشی میں آج عنادل ہیں نغمہ زن ہر سو
مئے نشاط سے دامن ہر ایک کا تر ہے

ہر اک ہے جوش مسرت میں جامے سے باہر
دماغ پھولوں کی خوشبو کا بھی ہوا پر ہے

کچھ اس ادا سے مجھے دیکھا چشمِ نرگس نے
بیان جس کا کہ طاقت سے میری باہر ہے

اثر ہے باد بہاری کا اسقدر پھیلا
کہ آج قطرۂ شبنم بھی رشک گوہر ہے

جو دیکھا میں نے یہ عالم تو اپنے دل میں کہا
عجیب طرح کا راحت فزا یہ منظر ہے

مگر سمجھ میں نہ آیا کہ ماجرا کیا ہے
یہ آج کیسی خوشی اس چمن کے اندر ہے

زبانِ حال سے اتنے میں بول اٹھی سوسن
ترے دماغ میں اے برق کیوں یہ چکّر ہے

تجھے نہیں ہے خبر شاید اس کے آنے کی
جو بے مثال ہے محبوب ربِّ اکبر ہے

ولادت شہہ کونین کی خوشی ہے آج
کہ جس کا نام مبارک حسینؑ اطہر ہے

زمانہ محو ہے مدحت میں تو بھی کچھ کہکر
دکھادے جو تری تیغ زباں میں جوہر ہے

ہراس کیا ہے جو طوفاں اٹھائے پھر سر ہے
حسینؑ کشتئ دینِ خدا کا لنگر ہے

حسینؑ باغِ شریعت کا غنچۂ نورس
حسینؑ گلشنِ توحید کا گلِ تر ہے

حسینؑ بامِ حقیقت کی شمع نورانی
حسینؑ چرخ ہدایت کا شاہ خاور ہے

حسینؑ معدنِ فضل وشرف کا ہے موتی
حسینؑ سینۂ کانِ حیا کا جوہر ہے

حسینؑ بزم شہیداں میں سرخرو سب سے
حسینؑ شانِ شجاعت میں سب سے بڑھ کر ہے

حسینؑ مشفق ومونس ہے دردمندوں کا
حسینؑ نورِ نگاہ شفیع محشر ہے

حسینؑ سید شُبّانِ جنت الفردوس
حسینؑ نفس پیمبرؐ ہے جان حیدرؑ ہے

حسینؑ برج شرافت کا نیّر تاباں
حسینؑ چرخِ امامت کا ماہ انور ہے

حسینؑ ناشر احکام حضرت باری
حسینؑ منزل مقصود حق کا رہبر ہے

حسینؑ ضیغم حق کا ہے لاڈلا بیٹا
حسینؑ عرصۂ میداں کا شیر صفدر ہے

حسینؑ ہاتھ نہ دیتا تو ڈوب ہی جاتی
"حسینؑ کشتئ دینِ خدا کا لنگر ہے"

حسینؑ پرتو نور خدا ہے سرتاپا
حسینؑ جملہ صفاتِ نبیؐ کا مظہر ہے

حسینؑ کے لیے ہر غم پیام صبر و رضا
حسینؑ کے لیے ہر رنج شیر مادر ہے

حسینؑ کو نہیں پروائے آب نہر فرات
حسینؑ وارثِ اجلالِ میر کوثر ہے

ہزار فوج یزیدی اٹد کے آئے تو کیا
جری حسینؑ کی نظروں میں خس برابر ہے

علیؑ کی گود حسینؑ وحسنؑ کا گہوارہ — نبیؐ کا دوش حسینؑ وحسنؑ کا ممبر ہے
نجات پائیں عجب کیا بہتروں فرقے — حسینی فوج کی میزان بھی بہتر ہے
لکھ اور جوشِ عقیدت میں برقؔ اک مطلع — کہ اتنی مدح ابھی کم ہے بلکہ کمتر ہے
خوشا وہ آنکھ کہ جو یاد میں تری تر ہے — خوشا وہ دل جو ترے نور سے منور ہے
خوشا وہ سینہ کہ جو ہے فگارِ غم سے ترے — خوشا وہ قلب جو فرقت میں تیری مضطر ہے
خوشا وہ بزم کہ جس میں بیاں ہو تیری صفت — خوشا وہ گھر کہ ترا ذکر خیر جس گھر ہے
الٰہی کون سی اُفتاد کی یہ ہے تمہید — ہلال غرّہ شعباں مثالِ خنجر ہے
تری جدائی میں اے نورِ دیدۂ زہراؑ — جو بیقرار نہ ہو دل نہیں وہ پتھر ہے
حباب پھوٹ کے روتے ہیں آج تک غم سے — الم سے دامنِ دریا بھی آج تک تر ہے
جو جان دے رہِ مولا میں تو وہ ہے جانباز — جو سر دے راہِ خدا میں تو وہ دلاور ہے
تری مثال نہیں عالم محبت میں — وفا کی جان ہے صبرورضا کا پیکر ہے
جہاں میں ہو کوئی سرتاج یا کہ ہو سردار — مگر قدم ترے احساں کا سب کے سر پر ہے
سراہوں کس کو میں کس کس کا نام لوں مولا — ہے سچ تو یہ ترا گھر بھر شفیع محشر ہے
رضائے حضرت رب العلا کے پیش نظر — تری نگاہ میں اکبرؑ ہے اور نہ اصغرؑ ہے

قبول ہدیۂ مدحت ہو برقؔ کا مولا
ترا غلام ہے ادنیٰ سا اک سخنور ہے

قصیدہ درتہنیت جشن ولادت

حضرت امام حسینؓ

یہ کس کے جشنِ تشریف آوری کا سازو ساماں ہے — سجی ہے بزمِ رندان ولا گھر گھر چراغاں ہے
خوشی کا ہے یہ عالم آج بزمِ مے پرستاں میں — کہ ساغر کی طرح ہر رند میخانے میں رقصاں ہے

صدائے قُلقُلِ مینا ہے یہ اے کوثر آشامو
سرورِ کیف میں یا روح بادہ خود غزلخواں ہے

گھٹائیں گھر کے دیتی ہیں نوید بارش رحمت
ترشح کا سماں ہے جوش پر ابر بہاراں ہے

گلستاں بر کنار احمدؐ کے گلشن کا ہر اک غنچہ
ریاض فاطمہؓ کی ہر کلی جنت بداماں ہے

کھنچا ہے چپہ چپہ پر ریاض خلد کا نقشہ
مدینہ کی زمیں رشکِ بہارِ باغ رضواں ہے

گماں ہوتا ہے کلیوں سے لدی شاخوں کے ہلنے پر
کہ طفلِ غنچہ محوِ خواب ہے گہوارہ جنباں

لتا سنبل کی سبزے کی قبا کا بند ہے گویا
گُلِ مُنڈی مثالِ تکمۂ چاک گریباں ہے

نہ کھل جائے کہیں پیش آنے والا رازِ سربستہ
یہ کیوں خنجر بکف یارب ہلالِ ماہ شعباں ہے

بتا اے خامہ کس کا نامِ نامی زیبِ عنواں ہے
کہ سرخی دیکھ کر جس کی شفق سردر گریباں ہے

نبیؐ کی آنکھ کا تارا حسنؓ کا قوت بازو
حسینؓ ابن علیؓ رونق فزائے بزم امکاں ہے

سخی ابن سخی ہے یہ جری ابنِ جری ہے
خدا کا خاص بندہ فاطمہؓ کا راحتِ جاں ہے

امامت اس کی گرویدہ ولایت اس پہ ہے مفتوں
صداقت اس پہ صدقے ہے شجاعت اس پہ نازاں ہے

نہ دو لفظوں میں کیوں دوٹوک سچا فیصلہ کردوں
خدا پر ہے یہ قرباں کُل خدائی اس پہ قرباں ہے

مقدس زندگی کا ماحصل کچھ خون کچھ آنسو
جو یہ جنت کی سرخی ہے تو وہ کوثر کا عنواں ہے

سگِ در کو تو بس تیرا ہی در درکار ہے مولا
وہیں جینے کی حسرت ہے وہیں مرنے کا ارماں ہے

جو کمزوروں کی خضرِ راہ تیری ہمت عالی
تو سرتاجوں کے سر کا تاج تیرا پائے احساں ہے

ہے تیری پیروی میں راز پوشیدہ ترقی کا
تری تقلید میں مضمر بقائے دین وایماں ہے

ذبیح اللہ سے کہتا ہے تیرا اسوۂ حسنہ
تیری سنت کو زندہ کر کے دکھلانے کا ارماں ہے

خلیل اللہ سے کہتی ہے جُھک کر تیری قربانی
کہ دادا خواب مشکل تھا مگر تعبیر آساں ہے

نکیرین آ کے فرمائیں عجب کیا برقؔ کی نسبت
اسے چھوڑو یہ مدّاحِ شہنشاہ شہیداں ہے

قصیدہ در منقبت سلطان الشہداء

حضرت امام حسین علیہ السلام

وہ زیست کیا کہ نہ ہو جس کا اعتبار کوئی
بہارِ عمر دو روزہ بھی ہے بہار کوئی

ردائے رحمت عالم نے سب کو ڈھانک لیا
ملا نہ حشر میں ڈھونڈے گناہگار کوئی

بڑے مزے کا تماشہ ہو بعد مرگ اگر
تہہ مزار رہوں میں سرِ مزار کوئی

دیا اتار عزیزوں نے دس قدم چل کر
مرا جنازہ تھا کاندھوں پہ جیسے بار کوئی

بڑھا ہے ہاتھ محبت کے پھول کی جانب
الٰہی خیر ہو چبھنے نہ پائے خار کوئی

بتوں کی شان تغافل ارے معاذ اللہ
سنی نہ ایک سناتا رہا ہزار کوئی

غرورِ ناز کا انجام دیکھ لے دنیا
مرے جنازے کی ڈولی کا ہے کہار کوئی

تری نگاہ کو کوسوں کہ اپنی قسمت کو
خود اپنے دل پہ نہیں اب تو اختیار کوئی

یہ مانا میں نے ہزاروں کیے گناہ مگر
کسی کے فضل و کرم کا بھی ہے شمار کوئی

رسن بدست ہے گلشن میں سنبل پیچاں
الٰہی خیر نہ پائے سزائے دار کوئی

ہے بھینی بھینی یہ غنچوں کی دلربا خوشبو
کہ کھولے بیٹھا ہے گیسوئے مشک بار کوئی

حسینؑ لائے ہیں تشریف باغ عالم میں
چمن میں دین کے یا آئی ہے بہار کوئی

وفور جوش مسرت کا یہ تقاضہ ہے
سناؤں مطلع پر کیف و خوشگوار کوئی

ہو تاجدارِ زمانہ کہ شہریار کوئی
حسینؑ ہو نہیں سکتا بنے ہزار کوئی

نبیؐ وفور مسرت سے مسکراتے ہیں
علیؑ کے منہ کو جو تکتا ہے بار بار کوئی

جناب فاطمہؑ زہرا کا پوچھنا کیا ہے
کہ ماں سے بڑھ کے بھلا کیا کرے گا پیار کوئی

علیؑ کا لخت جگر ہے کہ ہے خدا کی قسم
کمالِ صنعت صانع کا شاہکار کوئی

چمن کے پھولوں نے غیرت سے منھ کو ڈھانک لیا
ہوا جو آ کے نبیؐ کے گلے کا ہار کوئی

رسول پاکؐ نے اونٹوں کی بولیاں بولیں
ہوا تھا دوشِ مبارک پہ جب سوار کوئی

نبیؐ نے سر پہ بٹھالا ہے یہ نواسے کو
کہ تاج سر پہ ہے رکھے یہ تاجدار کوئی

رسول پاکؐ کا ناموس دیں بچانے کو
بڑھا ہے کھینچ کے شمشیر آبدار کوئی

چڑھے حسینؑ جو گھوڑے پہ بول اٹھی جرأت
قسم خدا کی نہیں ایسا شہسوار کوئی

بلا کی کاٹ ہے اس میں غضب کی ہے سرعت
ہے تیغ تیز حسینؑ کہ ذوالفقار کوئی

یزیدیوں کا نشاں تک نہ رہ گیا باقی
کرے تو گردنِ باطل پہ ایسا وار کوئی

سلام تجھ پہ اے لختِ دلِ علیؑ و بتولؑ
نہیں ہے تجھ سا جہاں میں وفا شعار کوئی

نثار تو ہوا امت کے واسطے مولا
ہے کوئی بات کہ تجھ پر نہ ہو نثار کوئی

تری جدائی میں بہتے ہیں یہ مرے آنسو
کہ پھوٹ نکلا ہے آنکھوں سے آبشار کوئی

فلک پہ سرخی رنگِ شفق نمایاں ہے
زمین کرب و بلا کا ہے یا غبار کوئی

ہو کاربند اگر اسوۂ حسینؑ پر
قسم خدا کی نہ ہو پھر ذلیل و خوار کوئی

فدائی آپ کے مولا بہت پریشاں ہیں
دکھی دلوں کی بھی سن لیجیے پکار کوئی

دُرِ مراد سے لاکھوں نے جھولیاں بھر لیں
پھرا نہ آپ کے در سے امیدوار کوئی

صلہ میں برقؔ ملی نقد جنت الفردوس
گیا نہ میرا قصیدہ کبھی اُدھار کوئی

قصیدہ درتہنیت جشن ولادت سلطان الشہداء

حضور سیدنا امام حسین علیہ السلام

محبت کا فسانہ ختم دو لفظوں میں کیونکر ہو
کہوں تو ایک لمبی داستاں لکھوں تو دفتر ہو

شبِ غم جوش میں آئیں جو میرے اشک کے قطرے
تو ہر قطرہ سے دریا اور دریا سے سمندر ہو

یہی قطرہ جو چل کر دل سے پہنچا دیدۂ تر تک
اگر نوکِ مژہ پر آ کے جم جائے تو گوہر ہو

سوال فصد اگر سودائیانِ عشق میں اٹھے
تو ہر کانٹا بیابان کا جواب نوکِ نشتر ہو

کہیں ایسا نہ ہو اُس شمع رو کی بزم میں یارب
میں حال دل سناؤں اور زباں قابو سے باہر ہو

عجب تاثیر رکھتا ہے ہماری آنکھ کا پانی
ٹپک جائے تو قطرہ اور ڈھلک جائے تو گوہر ہو

بلا دیکھے ہوئے ہے ساری خلقت جس کی گرویدہ
خدا معلوم کیا ہو وہ اگر پردے سے باہر ہو

ہوا مسند نشین فرش خاکی عرش کا تارا
اس اعزازِ زمیں پر آسماں کو کیوں نہ چکر ہو

سناؤں مدحت ممدوح میں وہ مطلع روشن
کہ سنکر نعرۂ صل علیٰ سب کی زباں پر ہو

حسنؑ کے قوت بازو ہو نور چشم حیدرؑ ہو
حسینؑ اے فاطمہؑ کے لال تم جانِ پیمبرؐ ہو

چمک اٹھا ستارہ جس سے امت کا وہ اختر ہو
ضیا پائی ہے جس سے دین نے وہ مہر انور ہو

تمھیں جب صدر شُبّان جناں ہو خلد افسر ہو
تو کیا کھٹکا مجھے آئے قیامت یا کہ محشر ہو

نہ بھولے گی کبھی دنیا جسے تم ہو وہ افسانہ
زمانہ جس کو دھو سکتا نہیں ہرگز وہ دفتر ہو

وہ آئینہ ہو جس میں جلوۂ خالق نظر آئے
وہ شانہ ہو کہ جس میں بوئے گیسوئے پیمبر ہو

وہ محسن ہو کہ اک عالم دبا ہے جس کے احساں سے
وہ مومن ہو کہ خود ایمان صدقے جس کے اوپر ہو

وہ ساقی ہو کہ جس کی یاد میں ہم رند جیتے ہیں
وہ ساغر ہو کہ خود مشتاق جسکا حوضِ کوثر ہو

لگایا پار بیڑا جس نے طوفانِ حوادث سے
بچالی کشتئ دین خدا جس نے وہ لنگر ہو

سخی ابن سخی ہو تم جری ابن جری ہو تم
جگر بندِ نبیؐ ہو تم حبیبِ ربِّ اکبر ہو

تمھاری تمکنت سے لرزہ براندام ہو کسریٰ
تمھاری شان دیکھے تو سکندر آکے نوکر ہو

تروتازہ ہو جل جل کر وہ شاخِ آرزو ہو تم
پنپ جائے جو کٹ کٹ کر وہ نخل بارآور ہو

اٹھالی ہاتھ میں تلوار جب خطرہ ہوا دیں کو
الٹ دی صف کی صف میدان میں تم وہ دلاور ہو

گھٹا گھِر کر گھٹا سکتی نہیں جسکے اُجالے کو
جسے بدلی چھپا سکتی نہیں وہ ماہِ انور ہو

مٹا سکتا نہیں دور زمانہ جسکو تا محشر
بدل سکتا نہیں ہرگز ابد تک جو وہ محضر ہو

تمھارا سایۂ اقدس بتوں پر بھی جو پڑ جائے
تو ہر بت کی زباں پر نعرۂ اللہ اکبر ہو

تمھارا مرتبہ کوئی خلیل اللہ سے پوچھے
وہی جانے گا اس کو جس میں قربانی کا جوہر ہو

ادب مانع ہے میں اس کو کہوں کیا آپ خود سمجھیں
وہاں قربان اک بیٹا یہاں قربان گھر بھر ہو

تعال اللہ شان جوہر تنظیم شبیری
بہتر دل جلوں سے ایک جہانِ کفر ششدر ہو

کھلے معنی انفسنا وانفسکم تو میں سمجھا
حسینؑ ابن علیؑ تم راحت جان پیمبرؐ ہو

تمھارے ذکر سے آئے نہ جسکی آنکھ میں آنسو
بجائے دل عجب کیا اس کے سینے میں جو پتھر ہو

قیامت تک چلے گا سکۂ داغ الم جس کا
مرے مولا تمھیں وہ بادشاہِ ہفت کشور ہو

دیا ہے وہ سبق ہم کو تمھارے عزم محکم نے
جو عامل ہو کوئی اس پر بجائے خود ہی لشکر ہو
یہیں پر فاطمہؓ کے لاڈلے نے دادِ جرأت دی
بجا ہے گر زمین کربلا کو ناز اس پر ہو
ہے محوِ خواب اس میں نخلبند گلشن زہراؓ
نہ خم سوئے زمیں اے آسماں کیونکر ترا سر ہو
شہیدوں کا لہو جس خاک میں شامل ہو کیا کہنا
وہاں کا ذرہ ذرہ کیوں نہ رشکِ مہر انور ہو
خوشا وہ آنکھ جو مولا تمھاری یاد میں تر ہو
خوشا وہ دل تمھاری معرفت سے جو منور ہو
خوشا وہ بانیٔ محفل سجائی بزم یہ جس نے
خوشا وہ گھر تمھارے ذکر کا سامان جس گھر ہو
خوشا وہ سامعیں سننے جو بیٹھے ہیں عقیدت سے
خوشا وہ شعر گو جو مدح خواں بالائے منبر ہو

ثنائے سبط احمدؐ میں لکھی کیا نظم پاکیزہ
تعجب کیا اگر اے برقؔ یہ مقبول داور ہو

قصیدہ درتہنیت جشن ولادت سلطان الشہداء

حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

بتا اے بیخودیٔ شوق تو مجھ کو کہاں لائی
کہ میں خود ہی تماشا بن گیا خود ہی تماشائی
مری وحشت ہے میں ہوں اور فرطِ شوق کی گھڑیاں
شب وعدہ گزرنے کو ہے وہ آئے نہ موت آئی
دیارِ عشق میں پروائے ننگ و نام ہے کس کو
محبت کی ادا ہے بے نیازِ خوفِ رسوائی
کبھی اٹھا کبھی بیٹھا کبھی بیرونِ در دیکھا
نہ پوچھو کچھ شبِ ہجراں طبیعت کیسے بہلائی
محبت بھی دبانے سے کہیں دبتی ہے اے ناصح
سمجھتا تو بھی کاش اس کو مجھے جو بات سمجھائی
خبر بھی ہے تجھے اس کی رہ الفت میں بنتی ہے
خرد کے زخم کا پھاہا جنوں کی آبلہ پائی
منائیں اپنی اپنی خیر کہہ دو اہل الفت سے
اٹھی ہے تیغ ابرو دیکھئے کس کس کی ہے آئی
نہ جانے کیا لکھا ہے میری توبہ کے مقدر میں
کہ بادل دیکھتے ہی جھرجھری سی لے کے تھرّائی

اٹھے ہیں دَل کے دَل بادل گھٹا گھنگھور ہے چھائی
بیا ساقی بدہ تسکینِ ذوقِ بادہ پیمائی

ترشح کا سماں ہے جوش پر ابرِ بہاراں ہے
لیے پھولوں کی خوشبو کو صبا پھرتی ہے اترائی
اکٹھا ہو گئے جب میکشی کے اس قدر ساماں
طبیعت ہی تو ہے آخر تعجب کیا جو للچائی
بضد ہیں پی کے اٹھیں گے مئے وحدت کے متوالے
نہ پینے کی جناب محتسب نے خوب فرمائی
نہ پوچھو کوثر آشاموں کے فرطِ شوق کا عالم
کہ ساغر دیکھ کر لیتے ہیں انگڑائی پہ انگڑائی
جو متنِ قل ھو اللہ احد ہے قلقل مینا
تو شرح سورہ النور نورِ جام مینائی
یکا یک دم کے دم میں ابرو باراں کا سماں بدلا
ہٹا مطلع سے بادل جیسے پانی سے ہٹے کائی
سپہ سالارِ دینِ مصطفےٰؐ کے خیر مقدم میں
ہلالِ ماہِ شعباں نے فلک پر تیغ چمکائی
منائی مقدمی تقریب سب نے مل کے دو دن تک
گئی تاریخ پہلی دوسری جب تیسری آئی
حسینؓ آئے بصد جاہ و جلال و شان رعنائی
گلستانِ امامت میں بہارِ بے خزاں آئی
صدا صلِ علیٰ کی گونج اٹھی اقصائے عالم میں
ہوئی گھر گھر برائے مدح خوانی بزم آرائی
بقدرِ ذوق ہر سامع نے دی دادِ سخن سب کو
بقدرِ ظرف ہر فنکار نے کی خامہ فرسائی
اٹھا ہے میرا خامہ بہر مدحت لے کے انگڑائی
بنادوں تو سہی ہر ایک شیدائی کو سودائی
شراب و ساغر و جام و سبو کا ذکر اب کیسا
ادب سے سر جھکا کر بول اٹھا ہر ایک صہبائی
سلام اے ابن حیدرؓ اے گلِ گلزارِ رعنائی
سلام اے سیدی سندی حبیبی انت مولائی
تعال اللہ اے سرو روانِ گلشن زہراؑ
خلیل اللہ کی تاریخ تو نے آ کے دہرائی
سنبھالا دے دیا اسلام کو تیری شجاعت نے
ترے ہی دم قدم سے دین حق نے تقویت پائی
جنابِ عیسیٰؑ مریم بھی ہوں سو جان سے صدقے
ترے بیمار کا دیکھیں جو اعجاز مسیحائی
تری نسبی شرافت ہے مسلّم سارے عالم پر
کوئی تجھ سا نہ دیکھا گو نظر ہر سمت دوڑائی
نبیؐ سا کس کا نانا فاطمہ زہراؑ سی ماں کس کی
علیؓ سا باپ ہے کس کا حسنؓ سا کس کا ہے بھائی
لقب خود سیدِ شبّان جنت کا ملا کس کو
سوا تیرے فضیلت کس نے ہے عالم میں یہ پائی
تری عصمت پہ شاہد ہے حدیثِ لحمک لحمی
ترے جلوؤں میں ہے نورِ نبیؐ کی شانِ رعنائی
قسم اللہ کی تیری محبت اے شہہِ ذیشاں
مرے دل کا اجالا میری آنکھوں کی ہے بینائی

مسلماں ہے تو ہو سکتا نہیں مرعوب باطل سے
ترے عزمِ مصمم نے وہ کی ہے ہمت افزائی

سلیقہ مرنے جینے کا سکھایا تو نے امت کو
ثبات و استقامت کی ہدایت تو نے فرمائی

مقام صبر و استقلال کے اونچے منارے سے
جہادِ نفس کی سیدھی سڑک تو نے ہی دکھلائی

تنِ مُردہ میں دینِ حق کے تو نے جان ڈالی ہے
مسیحا سے نرالا ہے ترا طرزِ مسیحائی

ترا نقشِ قدم مومن کے حق میں کعبۂ ایماں
تری سعیٔ عمل اسلام کی ہے علتِ غائی

تری شمشیر پر زاہد کا زہد و اتقا صدقے
تری ضربت پہ قرباں مجتہد کی تاب گویائی

عبادت عابدوں کی تیرے اک وار پر واری
فدا سجدے پہ تیرے ساجدوں کی ناصیہ سائی

ترا ہر قطرۂ خوں سرخیٔ افسانۂ عبرت
تری گردِ کفِ پا غازۂ روئے شکیبائی

ترے زورِ عمل سے مڑ گئیں تاریخ کی بانہیں
تری ہمت سے آئی ناتوانوں میں توانائی

اچھل کر رن میں آیا عابدؒ بیمار بستر سے
نہ جانے کیا دوا دی تو نے اس نے کیا دوا پائی

ترا غم مونس و غمخوار ہے ہم دردمندوں کا
ترا داغ محبت ہے چراغِ شامِ تنہائی

ترا درسِ اخوت ہے پیام امن و آزادی
تری تیغِ جلالت قاطع اوہام خودرائی

بچالی موجِ خوں میں ڈوب کر اسلام کی کشتی
یدِ طولیٰ سے ناپی تو نے بحرِ دیں کی گہرائی

ہلال عید قرباں ہے تراشا تیرے ناخن کا
جلالِ مہر عاشورہ ترے جلوے کا شیدائی

بفیضِ ہیبتِ حق لرزہ براندام ہے تجھ سے
ہو کسراؤں کی کسرائی کہ داراؤں کی دارائی

مٹی ایسی کہ آخر ہوگئی ناپید دنیا سے
یزیدی فوج تیرے جاں نثاروں سے جو ٹکرائی

کرے گا پیش کرتا تجھ کو نذرانہ عقیدت کا
مسلماں ہو کہ ہندو ہو یہودی ہو کہ عیسائی

تجھی نے خلق میں انسانیت کی لاج رکھی ہے
ترے ہی دم سے ہے مظلومیت کی عزت افزائی

زمانہ ساتھ اس کا دے نہیں سکتا کبھی ہرگز
کسی نے گر زمانے میں تری سنت نہ اپنائی

بقدرِ استطاعت پیش کرکے ہدیۂ مدحت
قبولیت کا ہے برقیؔ حزیں مولا تمنائی

قصیدہ در منقبتِ حضرت

امام مہدی آخر الزماں علیہ السلام

ہائے کیا چال چلی تو نے یہ اے چرخ کُہن — تیری رفتار نے بدلا ہے زمانے کا چلن
منظر فصلِ بہاراں ہے مبدّل بہ خزاں — دیکھتے دیکھتے تاراج ہوا سب گلشن
پھول پژمُردہ ہوئے سوکھ گئیں سب کلیاں — چلتی ہیں چار طرف گرم ہوائیں سَن سَن
آب بیتی بھی بیاں کر نہیں سکتی اب تو — سوکھ کر ہوگئی کانٹا یہ زبانِ سوسن
گیت گاتا تھا مسرت کے جہاں کل طوطی — کرتے ہیں شور و شغب آج وہاں زاغ و زغن
صحنِ گلشن میں جہاں تھا گل صد برگ کبھی — اُس جگہ آہ جو دیکھا تو جما ہے سورن
کوئلیں کوکتی تھیں آہ جہاں پچھلے پہر — اب ٹھنکتے ہیں وہاں شب کو کرائت ٹھن ٹھن
نغمہ بلبل رنگیں کے عوض گلشن میں — کہیں نالہ کہیں فریاد کہیں ہے شیون
دیکھنے کے لیے آنکھیں ہیں ترستی ان کو — اڑ گئے جانے کہاں باغ سے مرغانِ چمن
خشک سالی ہے کچھ ایسی کہ الٰہی توبہ — ہوگیا ایک برس پانی کو ساون ساون
ان کی آواز سنائی نہیں دیتی مطلق — گھن گھناتے تھے جو بادل کبھی گھن گھن گھن گھن
خاک جس برگ پہ دیکھو ہے جمی اُڑ اُڑ کر — چاک جس پھول کا دیکھو ہے سراسر دامن
صحن گلزار میں کتنا ہی بچا کر چلیے — سخت دشوار ہے کانٹوں سے بچانا دامن
چین آبادی کے اندر ہے نہ ویرانے میں — عافیت گاہ نہیں کوئی وہ بستی ہو کہ بَن
اٹھ گیا دہر سے یوں رسم محبت کا چلن — بھائی بھائی کا زمانے میں ہوا ہے دشمن
شمع پر جان چھڑکنے کا ملا خوب صلا — نعش پروانۂ جاں باز ہے بے گور و کفن
ذہنیت پست ہوئی مٹ گئیں اعلیٰ قدریں — ہر بُرائی ہے روا اور اسی میں ہیں مگن
اک طرف چاند کی دھرتی پہ ہیں انساں کے قدم — اک طرف بار زمیں ہیں مرے ارباب وطن
پارٹی روز بدلتے ہیں مدارج کے لیے — جتنے لیڈر ہیں وہ تھالی کے ہوئے ہیں بیگن

دور حاضر نے اچھالا ہے انھیں لوگوں کو
جن کو آتا ہے زمانے میں کوئی علم نہ فن

اٹھ گئے گوہر مضموں کے پرکھنے والے
کیجئے نذر کسے اب دُرِ دریائے سخن

وہ حوادث کے تھپیڑے ہیں عیاذاً باللہ
دل من داند و من دانم و داند دل من

لٹ نہ جائیں کہیں رستے میں خدا خیر کرے
رہنما قافلے والوں کا ہوا ہے رہزن

دور گردوں کا ہے مقصد کہ مٹادے ہم کو
بجلیوں کا ہے ارادہ کہ جلادیں خرمن

گولیاں مارنے کہتی ہیں وہ ظالم آنکھیں
ذبح کردینے کو کہتی ہے وہ تیکھی چتون

زلف مشکیں کا چلے زور تو پھانسی دے دے
تیغ ابرو کا چلے بس تو اُڑادے گردن

اپنا ہادی ہے نہ حامی ہے نہ یاور کوئی
راہ دشوار ہے منزل بھی نہیں متعین

شیخ مسجد میں عبادت کے بہانے ہے گھسا
خوف ہے مارلیں میداں نہ کہیں سب دشمن

ہر سخن وقتے وہ ہر نکتہ مکانے دارد
کاش یہ راز سمجھ لیتے جناب جمن

اے وہ عادل کہ حدیثوں میں ہے چرچا جس کا
یعنی اے خسروِ دیں حضرتِ مہدیٔ زمن

آپ کی یاد نہ ایسے میں بھلا کیوں آئے
آپ کے ہجر سے ایسے میں نہ کیوں ہو الجھن

کیسے کرتے ہیں بسر حال ہمارا کیا ہے
کاش دیکھیں تو ادھر آپ اٹھا کر چلمن

چھاگئیں کفر کی گھنگھور گھٹائیں اب تو
ہو ظہور آپ کا یہ تیرہ جہاں ہو روشن

یہ میری عرض ہے یوں آپ کی جو ہو مرضی
میں کوئی حکم لگاتا نہیں خاکم بہ دہن

آپ آجائیں تو بگڑی ہوئی ہر بات بنے
نظم عالم کا سدھر جائے بوجہ احسن

طبع یاراں پہ گراں ہونے کا اے برقؔ ہے ڈر
ورنہ لکھتا ابھی اشعار میں پچپن چھپن

نظم

تازیانۂ عبرت

یہ زمیں آباد ہو جب حکم یزداں ہوگیا
خاک سے پُتلا بنا پُتلے سے انساں ہوگیا

شکل انسانی میں آکر یہ ہوا اس کو عروج
ہو کے مسجود ملائک ظلِ سبحاں ہوگیا

برتری کا اس سے جب دعویٰ کیا ابلیس نے
راندۂ درگاہِ حق ہوکر وہ شیطاں ہوگیا

اپنی تنہائی سے جب جنت میں گھبرانے لگا
اک رفیقہ مل گئی مسرور و شاداں ہوگیا

اس رفیقہ کو دیا شیطاں نے مل کر ایسا جُل
جس سے بیچارے کی رُسوائی کا ساماں ہوگیا

ساتھ اس کے باغِ جنت سے نکل جانا پڑا
اپنی نادانی پہ شرمایا پشیماں ہوگیا

مدتوں دشت و جبل میں ٹھوکریں کھاتا رہا
مبتلائے گردشِ گردونِ گرداں ہوگیا

ساتھ بیوی کا بھی چھوٹا باغ جنت بھی چھٹا
فرطِ غم سے مضطر وزار و پریشاں ہوگیا

اس قدر رویا کہ روتے روتے دریا بہہ گئے
توبہ کی پھر قابلِ الطافِ یزداں ہوگیا

رفتہ رفتہ پھر صفی اللہ کا پایا خطاب
دھیرے دھیرے مظہرِ انوارِ یزداں ہوگیا

مل گئی بچھڑی ہوئی عورت بھی اک مدت کے بعد
دیکھ کر ہم جنس کو مسرور و شاداں ہوگیا

اس کی اولاد اس قدر دنیا میں پھیلی چار سو
جس طرف دیکھو اُدھر انساں ہی انساں ہوگیا

پھر تو ہر انساں پھلا پھولا بڑھا اتنا بڑھا
جا بجا آباد ہر کوہ و بیاباں ہوگیا

بعض بعض ان میں کا ذہنی قوتوں کے زور سے
جملہ پسماندوں کا حاکم اور سلطاں ہوگیا

سلطنت ہاتھ آگئی تو حرص دنیا بڑھ گئی
حرص دنیا جب بڑھی عقبیٰ کا نقصاں ہوگیا

توڑ کر قانونِ حق منہ پھیر کر اللہ سے
سرکش و باغی ہوا ناشکر احساں ہوگیا

رفتہ رفتہ اس کے انسانی خصائل مٹ گئے
دھیرے دھیرے پھر مسلط اس پہ شیطاں ہوگیا

گرتے گرتے اس کی حالت پھر یہاں تک گر گئی
یا تو تھا انسان یا بدتر زِ حیواں ہوگیا

حق نے بھیجا جس کو جس کو رہنمائی کے لئے — اس کا اس کا یہ ستم گر دشمنِ جاں ہوگیا
رہنماؤں کو ستانے کا نتیجہ یہ ہوا — سلب یکسر بے حیا سے نور ایماں ہوگیا
بت تراشے اپنے ہاتھوں سے انھیں سجدہ کیا — نامِ معبودِ حقیقی سے بھی نالاں ہوگیا
کفر کی آندھی سے اندھی ہوگئی دنیا تمام — شرک کی موجوں سے برپا ایک طوفاں ہوگیا
اس قدر بگڑا کہ احساسِ گنہ جاتا رہا — اپنی بداعمالیوں پر آپ نازاں ہوگیا
لڑکیوں کو زندہ درگور اس نے رغبت سے کیا — قتلِ اولا اس کی دلجمعی کا ساماں ہوگیا
اک ذراسی چھیڑ کٹ مرنے کا حیلہ بن گئی — اک ذراسا فتنہ مرمٹنے کا عنواں ہوگیا
الغرض ہر جرم ہر فعلِ قبیح و ہر گناہ — اس کی رگ رگ میں سما کر جزوِ ایماں ہوگیا
ظلمت و ادبار کی ہر سو گھٹائیں چھاگئیں — ظلم و جورِ ناروا کارِ نمایاں ہوگیا
چیخ اٹھی غیرت انسانیت یارب مدد — عرشِ اعظم سن کے یہ آواز لرزاں ہوگیا
ناگہاں بطحا سے پھوٹی اک کرن امید کی — کوہِ فاراں سے طلوع مہر تاباں ہوگیا
کنت کنزاً مخفیاً کا راز اب تک راز تھا — آج تصویرِ محمدؐ میں نمایاں ہوگیا
جگمگا اٹھا جہاں کا ذرہ ذرہ نور سے — نیّرِ تقدیرِ انسانی درخشاں ہوگیا
خلق عالم کے تن بے جاں میں آئی تازہ جان — خشک کھیتی پر نزولِ ابرِ باراں ہوگیا
اس نے اس انساں کو جو حیواں تھا انساں کردیا — سرکش و باغی مطیع و زیرِ فرماں ہوگیا
تھام لی نباض نے نبضِ مریضِ جاں بلب — مہرباں بیمار پر عیسیِ دوراں ہوگیا
کلمہ توحید پڑھ کر صدق دل سے ہر بشر — عارف حق ہوگیا یعنی مسلماں ہوگیا
یا تو نکلا تھا کبھی جنت سے روتا پیٹتا — یا وہی انسان پھر جنت بداماں ہوگیا
نامِ حق سن کر بگڑ جاتا تھا جو کافر کبھی — راہِ حق میں جان دے دینے کا خواہاں ہوگیا
کھاتے پیتے چلتے پھرتے اور اٹھتے بیٹھتے — ہر گھڑی ہر دم رضائے حق کا جویاں ہوگیا
اس قدر پھیلی جہاں میں روشنی اسلام کی — شمع حق کے نور سے گھر گھر چراغاں ہوگیا
مسکرا کر ڈالی جس ذرّہ پہ اس نے اک نگاہ — آسمانِ معرفت کا مہرِ تاباں ہوگیا
مل گیا کھویا ہوا اعزازِ انسانی اسے — صاحبِ جاہ و جلال و عزت و شاں ہوگیا
اب وہی وحشی وہی جاہل وہی بے معرفت — مصدرِ اخلاق و علم و فضل و احساں ہوگیا
بربریت میں کبھی جو شہرۂ آفاق تھا — امن و صلح و آشتی کا مردِ میداں ہوگیا

مفلسی اس کی تمول سے بدل کر رہ گئی
مورِ بے مایہ تھا یا رشکِ سلیماں ہوگیا

نصرتِ حق نے کیا ہر بزم میں منصور اسے
ٹھوکروں پر اس کی قرباں تاجِ شاہاں ہوگیا

دم کے دم میں حسنِ خُلق و جوہرِ تنظیم سے
فاتحِ شام و عراق و مصر و ایراں ہوگیا

عدل کے ہاتھوں میں رکھی سلطنت کی باگ ڈور
مثلِ مسلم ذمیوں کا بھی نگہباں ہوگیا

رحمت للعالمیں کی تربیت کے فیض سے
ایک سے اک بڑھ کے ذی اعزاز و ذیشاں ہوگیا

کوئی صدیقؓ معظم کوئی فاروقؓ جلیل
اور کوئی جامعِ آیات قرآں ہوگیا

حیدر کرارؓ بن کر کوئی چمکا اس طرح
نامِ نامی سن کے جس کا کفر لرزاں ہوگیا

ایک وہ تھے جن کے دم سے دینِ حق پھولا پھلا
ایک ہم ہیں جن سے رخصت نورِ ایماں ہوگیا

گوشت کھانے سے غرض ہے اور سمجھتے ہیں یہ بس
''ہوگئی جس کی مسلمانی مسلماں ہوگیا''

سخت بیہودہ تخیل ہے یہ اے عالی نژاد
غور کر کیا تجھ کو آخر اے مری جاں ہوگیا

شیر خصلت ہو کے تو روباہ سے بدتر ہے آج
اور روباہ تھا شیر نیستاں ہوگیا

دیکھ کر سن کر سمجھ کر اُف تری بربادیاں
خونِ دل خونِ تمنا خونِ ارماں ہوگیا

تیری غیرت کیا ہوئی تیری حمیت کیا ہوئی
سچ بتا کیا تجھ کو اے غافل مسلماں ہوگیا

جتنی چیزیں ہیں جہاں کی ان کی قیمت بڑھ گئی
جائے عبرت ہے کہ تیرا خون ارزاں ہوگیا

کہہ رہی ہے واقعاتِ دہر کی رفتار صاف
اب ترا دورِ زمانہ دشمنِ جاں ہوگیا

گوشہ گوشہ سے برابر آرہی ہے یہ صدا
جس طرف دیکھو اُدھر گنجِ شہیداں ہوگیا

پر ضرورت ہے کہ رکھ ہوش و حواس اپنے بجا
بھول ہوگی تو اگر دہشت سے لرزاں ہوگیا

دیکھ آنکھیں کھول ہوکر تاریخِ عالم ہے گواہ
حق کو جب باطل نے چھیڑا خود پریشاں ہوگیا

ایسے طوفاں سینکڑوں اسلام پر آئے گئے
کیا نئی اُفتاد ہے جو تو ہراساں ہوگیا

یاد کر وہ فتنۂ تار تار کی سفاکیاں
لوگ جب سمجھے کہ غارت اب مسلماں ہوگیا

موت نے تجھ کو دکھایا زندگی کا راستہ
درد جو اٹھا وہ تیرے حق میں درماں ہوگیا

تو تو رہتا تھا کبھی سر سے کفن باندھے ہوئے
بزدلی سے آج کیوں سر در گریباں ہوگیا

یاد کر ہاں بدر کے ان سرفروشوں کو ذرا
جن کے استقلال سے کارِ نمایاں ہوگیا

دیکھ کر جن غازیوں کی بے سر و سامانیاں
سر بہ سجدہ کوہ پر شاہِ رسولاںؐ ہوگیا

اور دعا کی گڑگڑا کر یہ خدائے پاک سے
رحم کر اے خالقِ اکبر کہ طوفاں ہوگیا

مٹ گئے یارب یہ مٹھی بھر مسلماں آج اگر
کفر اگر غالب ہوا مغلوب ایماں ہوگیا

پھر قیامت تک نہ پوجا جائے گا تو اے خدا
سدِ راہِ حق اگر یہ کذب و بطلاں ہوگیا

اللہ اللہ اس دعا کے پاک جملوں کا اثر
کھل گیا بابِ اجابت فضل رحماں ہوگیا

زعم کثرت سے جو تھے مغرور پسپا ہوگئے
مرحلہ تبلیغِ دینِ حق کا آساں ہوگیا

یاد کر غافل شہید کربلا کو یاد کر
عالم انسانیت پر جس کا احساں ہوگیا

وہ بہادر جس کا پورا خانداں کا خانداں
حق کے مشہد پر بقائے دیں میں قرباں ہوگیا

جان کی بازی لگا دی پر نہ باطل سے دبا
مٹ کے یہ ابھرا کہ دیکھا جس نے حیراں ہوگیا

ظالموں میں سے بتا دے کون باقی رہ گیا
اور باقی رہ کے پھر باعزت و شاں ہوگیا

رنگ لایا جب کہ مظلوموں کی آہوں کا اثر
ظلم کا گھر اس طرح اجڑا کہ ویراں ہوگیا

برخلاف اس کے وہی اسلام پھر پھولا پھلا
آبِ نیساں قطرۂ خونِ شہیداں ہوگیا

ہے اگر پیشِ نظر تیرے مآلِ کارِ ظلم
اپنے مظلومی سے کیوں مایوس و نالاں ہوگیا

مل رہی ہے یہ ترے اعمال تجھ کو سزا
توبہ کر کیوں مبتلائے فسق و عصیاں ہوگیا

ٹکڑے ٹکڑے ہوکے تو از خود ہوا خوار و ذلیل
فرقہ فرقہ ہوکے خود رسوائے دوراں ہوگیا

اپنے چلتوں اپنے باعث اپنے ہی کردار سے
پائمال گردشِ گردونِ گرداں ہوگیا

بیوفائی کا گلہ غیروں سے کوئی کیا کرے
جب کہ دشمن خود مسلماں کا مسلماں ہوگیا

جو ہوا جو کچھ ہوا کر دے اسے رفت و گذشت
اب بھی ہو بیدار جانے دے جو نقصاں ہوگیا

دور کر سینہ سے کینہ چھوڑ دے بغض و نفاق
ہے یہی تیرا مرض جو دشمنِ جاں ہوگیا

تھام لے مضبوط بڑھ کر رشتۂ حبل المتیں
کس قدر ناعاقبت اندیش و ناداں ہوگیا

متحد ہوکر کوئی راہِ عمل ایسی نکال
دور یہ فتنہ ہو برپا جس سے طوفاں ہوگیا

آ سمٹ کر ایک مرکز پر خدا کے واسطے
کیوں رہِ اسلاف سے غافل گریزاں ہوگیا

ایک مسلک ہو ترا تیری جماعت ایک ہو
یہ نہ ہو شیخ اک طرف اور اک طرف خاں ہوگیا

مژدۂ لا تقنطوا من رحمۃ اللہ یاد کر
بھول بیٹھا کیوں اسے کیا تجھ کو نسیاں ہوگیا

برقؔ خائف کیوں ہے آخر تو انھیں میں سے تو ہے
آبِ خنجر جن کے حق میں آبِ حیواں ہوگیا

نظم

الموسوم بہ رازِ حیات

وہ مرد کیا جو ضبط کا ساماں نہ کرسکے
ناکامیوں کو کام کا عنواں نہ کرسکے

مردانگی ہے اس میں وہ دراصل مرد ہے
کوہِ الم بھی جس کو ہراساں نہ کرسکے

سمجھا ہے تو مرض جسے دراصل ہے علاج
احساس گو ترا دلِ ناداں نہ کرسکے

آ تجھ کو میں بتادوں وہ رازِ نہاں کہ پھر
کوئی بھی سانحہ تجھے حیراں نہ کرسکے

ٹھوکر وہ کیا سنبھال نہ دے آدمی کو جو
فکر وہ کیا درست جو اوساں نہ کرسکے

وہ درد کیا دوا کا نہ بن جائے جو سبب
غم کیا جو انبساط کا جویاں نہ کرسکے

خنجر وہ کیا کرے نہ جو سینہ سپر ہمیں
نشتر وہ کیا جو زخم کو خنداں نہ کرسکے

وہ زخم کیا جو پھول نہ بن جائے جسم پر
وہ داغ کیا جو دل میں چراغاں نہ کرسکے

وہ موت کیا جو کھول نہ دے زندگی کی راہ
وہ زیست کیا جو درد کو درماں نہ کرسکے

وہ شرک کیا جو تجھ کو موحد بنا نہ دے
وہ کفر کیا جو تجھ کو مسلماں نہ کرسکے

وہ نظم کیا جو خون کا دوراں نہ کردے تیز
وہ شعر کیا جو روح کو رقصاں نہ کرسکے

مشکل وہ کون ہے جسے آساں کریں نہ ہم
مشکل وہ کون تھی جسے آساں نہ کرسکے

آئے ہزار جھونکے غم و رنج کے مگر
پائے ثبات کو مرے لرزاں نہ کرسکے

تاریخِ ابتلا ہی یہ کھل کر کہے کہ ہم
تھا کون زخم جس کو رگِ جاں نہ کرسکے

پھانسی پہ چڑھ کے بہرِ وطن ہم نے جاں نہ دی
آباد یا کہ خانۂ زنداں نہ کرسکے

لیتے ہیں امتحانِ وفا وہ خدا کی شان
پورا جو اپنا ایک بھی پیماں نہ کرسکے

لالہ بنا زمیں پہ شفق آسمان پر
تم ہی تمیز خونِ شہیداں نہ کرسکے

پھر بات کیا جو ان کا ہر اندازِ دل شکن
اپنے کیے پہ ان کو پشیماں نہ کرسکے

رکھتے ہیں جانور بھی سب آپس میں میل برقؔ
انساں وہ کیا جو عزت انساں نہ کرسکے

ذرا دیکھ اے مسلماں کیا سے کیا اب تیری حالت ہے

نہ یہ نااتفاقی تھی نہ یوں رسوائے عالم تھے　　کبھی اک روز وہ تھا جب کہ دنیا میں ہمیں ہم تھے
ہمارے آگے سب شیرازۂ اقوام برہم تھے　　عرب میں اپنا ڈنکا تھا عجم میں اپنے پرچم تھے
جلال و جاہ سے اک دھوم عالم میں مچادی تھی
صدائے نعرۂ تکبیر سے دنیا ہلا دی تھی
ہماری قوم کا ہر فرد فخرِ نسلِ آدمؑ تھا　　کوئی صدیق اکبرؓ تھا کوئی فاروقِ اعظمؓ تھا
سرِ میداں کہیں شیرِ خداؓ ٹھوکے ہوئے خم تھا　　لقب سے کوئی ذوالنورینؓ کے مشہورِ عالم تھا
کسی کے دید کی مشتاق و شیدا حور جنت تھی
کسی کے جنتی ہونے کی دنیا میں بشارت تھی
نمایاں تھا زمانہ بھر میں عجز و انکسار اپنا　　سواری پر غلام آیا تو پیدل شہسوار اپنا
یہ تھا اخلاق یہ ایثار نفسی یہ شعار اپنا　　زمانہ بھر کی نظروں میں اسی سے تھا وقار اپنا
منور روشنئ علم دیں سے جب کہ سینہ تھا
دلِ درد آشنا کعبہ جگر اپنا مدینہ تھا
بہت ممتاز ہر پہلو سے تھے ہم ساری خلقت میں　　سخاوت میں شجاعت میں اخوت میں مروت میں
سیاست میں سیاحت میں فصاحت میں بلاغت میں　　ریاضی میں ادب میں فلسفہ میں علم و حکمت میں
نہ رکھتے تھے کہیں آفاق میں اپنا کوئی ثانی
سمجھتے تھے فلاطوں کو بھی اک طفل دبستانی
ہمیں کچھ کچھ ابھی تک یاد ہے وہ قصۂ ماضی　　نماز اک روز تلواروں کے سایے میں ادا کی تھی
مگر اب تو ادا مسجد میں بھی یہ ہو نہیں سکتی　　کہاں ہے آج وہ دل وہ جگر وہ حوصلہ مندی
ذرا دیکھ اے مسلماں کیا سے کیا اب تیری حالت ہے
وہ اندازِ مروت ہے نہ وہ شانِ اخوت ہے
ہلادی فرقہ بندی سے بناء دینِ حق تو نے　　نہ سیکھا جز نفاق باہمی کوئی سبق تو نے

گلِ باغ شریعت کا بکھیرا ہر ورق تو نے — اصول آساں تھا مذہب کا مگر سمجھا ادق تو نے

خمارِ خواب سے اٹھ سونے والے آنکھ کھول اب بھی
زرِ ایماں نہ گم ہو جائے جیبِ دل ٹٹول اب بھی

دکھا دے پھر وہی اگلا سا منظر دینِ فطرت کا — پڑھا دے پھر زمانے کو سبق خُلق و مروت کا
قدم اِنّا فتحنا پڑھ کے رکھ آگے کو ہمت کا — عجب کیا پھر ترے سر پر ہو سہرا فتح و نصرت کا

تُلے ہیں برقؔ سب اعدائے دیں تیرے مٹانے کو
دکھا دے جوہرِ تنظیم تو بھی اب زمانے کو

قطعات

فارسی کے ایک مشہور و معروف مصرعہ پر تضمین

ہیں مائل ستم جو یہ زر دار و زر پرست — ہم کو سمجھ کے تہی دست و فاقہ و مست
اے برقؔ کاش کہہ دے کوئی ان سے جا کے یہ — دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

گھبرا نہ تو اگرچہ ہے مظلوم و زیر دست — ہمت کو رکھ بلند نہ کر حوصلہ کو پست
فضلِ خدائے پاک کی ہر وقت رکھ امید — دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

مانا کہ ہو رہا ہے پریشان و تنگ دست — لیکن مٹا سکیں گے نہ تجھ کو یہ زر پرست
اس نقطۂ لطیف پہ اے برقؔ رکھ نظر — دشمن اگر قوی است نگہباں قوی تر است

خار مارکہ بہار

کیا ماجرا سناؤں غمِ روزگار کا　　پوچھو نہ حال میرے دلِ بے قرار کا
دیکھو یہ کھیل گردشِ لیل و نہار کا　　گجرا پہن کے میرے گریباں کے تار کا
دیوانے منہ چڑھاتے ہیں فصلِ بہار کا

خطرہ ہے اس میں روز نئے خلفشار کا　　فصلِ بہار ہے یہ عجب خار مار کا
کہنا ہے اب چمن میں یہ ہر سوگوار کا　　نشتر کہیں چبھے نہ رگِ گل میں خار کا
''جھونکا اِدھر نہ آئے نسیمِ بہار کا''

اپنوں پہ صرف لطف کی رکھتے ہیں وہ نظر　　اوروں کو چھانٹ دیتے ہیں بیگانہ جان کر
یہ جانچنے کے واسطے گلچیں نے چیخ کر　　پوچھا جو کس کا باغ میں روندا گیا ہے سر
سبزہ نے عاجزی سے کہا خاکسار کا

مانا کہ الوؤں میں گئی ہر طرف سے گھر　　کوؤں کی کاؤں کاؤں سے ہیں تیرے کان کر
بلبل ! فرار پھر بھی ترے حق میں ہے مضر　　گلشن سے بوئے گل جو گریزاں ہوئی تو پھر
دوشِ صبا پہ ہے وہ جنازہ بہار کا

نمرودِ وقت بن کے جو ابھرے ہیں اہلِ کیں　　کمزور مچھروں سے فنا ہوں عجب نہیں
نکتے کی بات ہے یہ سمجھ لے دلِ حزیں　　مثلِ خلیل ہو جو خدا پر تجھے یقیں
آتش دکھائے اب بھی تماشا بہار کا

چیلنج کر رہا ہے عبث سیلِ آب کو　　دریا سے کہہ دو بیٹھ کے روئے حباب کو
رکھتا ہے نظم و ضبط میں گر پیچ و تاب کو　　لے ڈوبتا ہے مہر جلالت مآب کو
پامالیوں کے بعد بھی لشکر غبار کا

صرصر کی کیا مجال مٹا دے ترا نشاں　　موجِ نسیمِ رحمتِ حق ہے جو مہرباں
چھانٹا گیا جو باغ وہ پنپے گا بے گماں　　اہلِ نظر کے واسطے یہ صفحۂ جہاں
دفتر ہے برقِ معرفتِ کردگار کا

جشن جمہوریت

آئی چھبیسویں جنوری کی لگن جشن جمہوریت سب منانے لگے
صدر کے پاس دنیا کے ہر ملک سے تہنیت کے پیامات آنے لگے
صحن گلشن میں جیسے بہار آگئی جتنے غنچے تھے سب مسکرانے لگے
طائران چمن مست ہو ہو کے سب اپنی اپنی زبانوں میں گانے لگے

سب نے مل جل کے جشن بہاراں کیا جگنوؤں نے چمن میں چراغاں کیا
دیپ دیپاولی کی طرح بھارتی اپنے اپنے گھروں میں جلانے لگے
اہل گلشن کی محفل سجی دیکھ کر سب کے چہروں سے ظاہر خوشی دیکھ کر
رقص کرنے لگی جب کہ بادِ صبا جتنے پتے تھے تالی بجانے لگے

جس کلی پر بھی اس کی نظر جا پڑی چشم نرگس کھلی کی کھلی رہ گئی
اس قدر باغ کی دلکشی بڑھ گئی بیل بوٹے سبھی دل لبھانے لگے
جس طرف دیکھئے ہے خوشی ہی خوشی مٹ گئے جملہ آثار پژمردگی
چاہے کوئل کے ہوں یا وہ بلبل کے ہوں سب کے نغمے دلوں میں سمانے لگے

ہوں وہ گاندھی جواہر کہ آزاد ہوں یا محمد علی ہوں کہ شوکت علی
جنگ آزادی کے جتنے ہیرو ہیں وہ خود بخود اس گھڑی یاد آنے لگے
جان کردی جنھوں نے وطن پر فدا ان شہیدوں کو کیوں بھول جائیں بھلا
خون سے اپنا سینچا گلستاں کو یوں پھول پتے سبھی لہلہانے لگے

ایسے انداز دلکش میں لکھی گئی ہر محبّ وطن کو پسند آگئی
گلشن ہند میں ہر طرف نغمہ خواں برقؔ کی یہ غزل گنگنانے لگے

نظم

بات چیت

کل میرے ایک دوست نے اے برقؔ مجھ سے کی
ہندی زبان پڑھنے پڑھانے کی بات چیت

اردو کا ذکر میں نے جو چھیڑا تو بول اٹھے
کیجے اسے نہ بیچ میں لانے کی بات چیت

اچھا تو ہوگا یہ کہ جہاں تک ہو کیجئے
بھارت سے اس کا نام مٹانے کی بات چیت

ہندوستاں کی یہ تو زباں ہی نہیں کوئی
سکّہ کریں نہ اس کا چلانے کی بات چیت

میں نے کہا یہ قول نہیں آپ کا درست
سچ بات کیجئے نہ چھپانے کی بات چیت

بیچی نہ مجھ سے جائے گی آزادئ ضمیر
کیا کر رہے ہیں آپ کرانے کی بات چیت

بھارت میں ہے اگر تو وہ اردو زبان ہے
کرتی ہے جو دلوں کو ملانے کی بات چیت

یکجہتی ملل کی یہ زندہ مثال ہے
مردہ اسے کریں نہ بنانے کی بات چیت

جمہوریت کا نام بھی روشن اسی سے ہے
اس شمع کو کریں نہ بجھانے کی بات چیت

انکار سربلندئ اردو سے کر کے خود
کرتے ہیں آپ اپنے گرانے کی بات چیت

اردو زباں سے آنکھ ملانے کا تذکرہ
سورج کو ہے چراغ دکھانے کی بات چیت

غالبؔ چچا کو بھول چکے ہیں اگر حضور
چکبستؔ کو کریں نہ بھلانے کی بات چیت

منشی تلوک چند بھی محروم کیوں رہیں
چلتی ابھی ہے ان کے فسانے کی بات چیت

کہنے لگے کہ آپ بھی کتنے عجیب ہیں
کرنے چلے ہیں اگلے زمانے کی بات چیت

میں نے کہا کہ آپ کو نسیان تو نہیں
بھولے ہیں وہ نہیں جو بھلانے کی بات چیت

ملّاؔ ابھی حیات ہے زندہ ابھی فراقؔ
کیجے انھیں گلے سے لگانے کی بات چیت

ہیں عرشؔ ملسیانی و آزادؔ بھی حیات
کس کس کو کیجئے گا چھپانے کی بات چیت

کس کس کا نام لوں کہ ہے ملحوظ اختصار
مقصد نہیں ہے نام گنانے کی بات چیت

پانڈے[1] شہید ہوگئے اردو کے واسطے — گھر گھر ہے جن کا سوگ منانے کی بات چیت
آپ اپنے ہی ریکارڈ پہ دیکھیں تو پائیں گے — اردو میں بھی حلف کے اٹھانے کی بات چیت
کہنے لگے کہ اور کوئی بات کیجئے — سچ ہے مگر ہے دل کے دکھانے کی بات چیت
لب خشک ہو رہے ہیں مرے اب تو پیاس سے — بہتر ہے کچھ ہو پینے پلانے کی بات چیت
میں نے کہا کہ چائے تو بولے جو کیک ہو — بسکٹ نہ کیجئے گا منگانے کی بات چیت
میں نے کہا حضور میں مطلب سمجھ گیا — درپردہ ہے یہ میرے ستانے کی بات چیت
یہ دیکھتے نہیں کہ گرانی ہے کس قدر — ہر پھر کے آپ کرتے ہیں کھانے کی بات چیت
ہنس کر کہا کہ بھوک تو ہے واقعی مگر — کرتے ہیں آپ دیر لگانے کی بات چیت
پٹھے پہ ہاتھ پھیرنے دیتے نہیں کبھی — کرتا ہوں لاکھ راہ پہ لانے کی بات چیت
میں نے کہا کہ گھر میں ہے جھاڑو پھری ہوئی — آگے نہیں کچھ اور بتانے کی بات چیت
کہیے تو لا کے پیش کروں دھمڑ ڈنڈکا — ہنسکر کہا کہ ہے یہ جلانے کی بات چیت

میں نے کہا کہ برقؔ سے امید اور کیا
اس کو نہ کیجئے گا بنانے کی بات چیت

نظم بسلسلہ جشن تولد

مہاتما گاندھی

باپو تری ہستی سے اتنی مجھے الفت ہے — جاں تجھ پہ نچھاور ہے دل نذرِ عقیدت ہے
ہر سو ترا چرچا ہے ہر سو تری شہرت ہے — تو قوم کا ہیرو ہے تو دیش کی عزت ہے
بھاگی ہے خزاں سن کے نعرہ ترے بیروں کا — گلشن میں بہار آئی تیری ہی بدولت ہے
تو وہ گلِ رعنا ہے بھارت کے گلستاں کا — خوشبو سے بسی جس کی دنیائے محبت ہے

---

[1] پنڈت دیونرائن پانڈے شہید اردو

پنہاں ترے سینے میں وہ راز محبت تھا
کھلنے سے بندھا جس کے شیرازۂ ملت ہے

مضبوط ترے دم سے ہے عدل کا سر رشتہ
مخفی ترے بازو میں انصاف کی قوت ہے

ہر طرز عمل تیرا مبنی ہے اہنسا پر
ہر ایک ادا تیری پیغام اخوت ہے

توڑا ہے تشدد کا سر تو نے اہنسا سے
اعجاز یہ تیرا ہے یہ تیری کرامت ہے

قرباں ترے قدموں پر بھکتی بھی شجاعت بھی
تو کرشن کا پیکر ہے تو رام کی مورت ہے

دشمن کی کہاں جرأت ٹھہرے جو ترے آگے
تو بان ہے ارجن کا تو بھیم کی طاقت ہے

اے برقِ تشدد کی جب جب بھی وبا پھیلے
ہر دور میں دنیا کو گاندھی کی ضرورت ہے

جشن ہولی

پہن کے آیا ہے پھولوں کا ہار ہولی میں
وہ رشکِ گل ہے مجسم بہار ہولی میں

کلی کلی پہ ہے دونا نکھار ہولی میں
چمن چمن ہے بنا لالہ زار ہولی میں

بسا ہے باس سے پھولوں کی گلشن عالم
نسیم پھرتی ہے مستانہ وار ہولی میں

تمام اہل چمن کے دلوں کو موہ لیا
عروس سبزہ نے کر کے سنگار ہولی میں

مہک اٹھا ہے ریاضِ جہاں کا ہر گوشہ
فضائے دہر ہے سب مشکبار ہولی میں

زمانے بھر میں مسرت کی لہر دوڑ گئی
رہا نہ کوئی کہیں سوگوار ہولی میں

غم والم کا نشاں تک نہ رہ گیا باقی
خوشی سے سب نے کیا سب کو پیار ہولی میں

یہ دھوم دھام ہے کیوں آ تجھے بتاؤں میں
کہ تو ہو جس کے سبب ہوشیار ہولی میں

جلے نہ بھگت پرہلاد جل گئی ہولیکا
خدا رسیدہ سے پایا نہ پار ہولی میں

وہ اپنے بھگتوں کی کرتا ہے اس طرح رکشا
عیاں ہے قدرتِ پروردگار ہولی میں

بھرا تھا نشہ نخوت سے جو ہرناکشیپ
ہوا بہت ہی ذلیل اور خوار ہولی میں

ہمارے پیش نظر ہے وہیں سماں اب تک — منار ہے ہیں وہی یادگار ہولی میں
خوشی بجا ہے مگر اے مرے عزیز نہ کھا — فریب ہستی ناپائیدار ہولی میں
پچھاڑ حرص کو مردانگی ہے گر تجھ میں — غرور نفس کو تو اپنے مار ہولی میں
برائیوں کو مٹانے کا عہد کر اس دن — سدھر خود اور جہاں کو سدھار ہولی میں

سنا انھیں جو ہیں فسق و فجور کے حامی
کلام برقؔ حقیقت نگار ہولی میں

ڈیڑھ اینٹ کی مسجد

شیخ جی ہوں یا مرزا جی سب کا پھوٹا بھاگ ہے — اپنی اپنی ڈفلی ہے اپنا اپنا راگ ہے
ڈیڑھ اینٹ کی مسجد ہے جدا جدا ہر فرقے کی — کھمبے ٹوٹے پھوٹے ہیں چھت بالکل بے لاگ ہے
جس کو دیکھو گذرا ہے اپنی حد سے اے ہمدم — صوفی بے حد بے حس ہے واعظ بیحد گھاگ ہے
شیخ بتوں پر عاشق ہے اور جنوں کے ہاتھوں سے — چیتھڑے چیتھڑے دامن ہے ٹوٹا اک اک تاگ ہے
کیا حسن تدبیر ہے یہ دیجے اس کی داد ذرا — فکر کنوئیں کی اب ہے جب گھر میں بھڑکی آگ ہے
انڈا اور پراٹھا ہے نیتا جی کے ٹیبل پر — شیخ حرم کی قسمت میں اب ستو یا ساگ ہے
ورد زباں بس نعرہ ہے پدرم سلطان بود کا — علم وعمل سے عاری ہیں ہوش وخرد کا تیاگ ہے
تجھ کو اے بد قسمت کیا نسبت ہے اسلاف سے — وہ ہنسوں میں شاہیں تھے تو ہنسوں میں کاگ ہے
نیند کے ماتے کروٹ لے سورج سر پر آپہنچا — تو غفلت میں سوتا ہے ہر سو جا گا جاگ ہے
منزل کالے کوسوں ہے سوچ سمجھ کر اے راہی — جنگل جنگل شعلہ ہے گلشن گلشن آگ ہے
سب سے رحم کے قابل ہے تیری حالت اے شاعر — ابرو تجھکو خنجر ہے گیسو تجھ کو ناگ ہے

کیوں بے راہ بھٹکتا ہے موڑ دے رخ سوئے منزل
خیر سے تیرے ہاتھوں میں اسپ خرد کی باگ ہے

طنز یہ سب پر کرتا ہے اس کو نکالو محفل سے
برقؔ ہے بزم یاراں میں یا خرمن میں آگ ہے

غیب کی آواز

حقیر مجھ کو سمجھتے تھے زندگی میں مگر
پس فنا جو کھلا سب پہ میرے عشق کا راز

مرے کفن سے مصلے کی کھینچ کر چادر
بصد خشوع و بصد جذبۂ ادائے نیاز

امام مجھ کو بنا کر امام مسجد نے
مرے جنازے کے پیچھے پڑھائی سب کو نماز

نیازِ عشق کا اعجاز دیکھ لے دنیا
کہ ہمکنار حقیقت سے ہوگیا ہے مجاز

دہان نے ہے ملانے نواز کے منھ سے
ندائے برقؔ ہے دراصل غیب کی آواز

رئیس الابرار حضرت علی احمد صاحب کاکوروی خادم آستانہ قلندریہ تکیہ شریفہ کاظمیہ کی خدمت میں عید قرباں کے موقع پر ایک منظوم خط

اے علی احمد ! مرے اے یارِ جانی السلام
السلام اے بلبل باغ معانی السلام

بے سبب کب تیرے اوپر دل مرا دیوانہ ہے
نام ہی سے تیرے ظاہر شوکتِ شاہانہ ہے

تجھ میں ہے جودِ علیؓ اور خُلقِ احمدؐ کی جھلک
بے بہا بحرین کا تو گوہرِ یکدانہ ہے

کوئی سمجھے یا نہ سمجھے میں سمجھتا ہوں اسے
تیرے اوپر جو نگاہِ ساقیٔ میخانہ ہے

قطب بینا دلؒ کی آنکھیں ہیں تری جانب لگی
مہرباں تجھ پر حبیبِ حیدرؒ فرزانہ ہے

عیدِ قرباں کی مبارک باد دیتا ہوں تجھے
آج کا دن یادگارِ ہمت مردانہ ہے

جمع ہیں مکہ میں دنیا بھر کے پروانہ صفت
ضو فگن کعبہ میں شمع جلوۂ جانانہ ہے

پی رہے ہیں باندھ کر احرام رندان ولا
مے براہیمیؑ ہے لیکن احمدیؐ پیمانہ ہے

ہے لبوں پر نعرۂ تکبیر کی دلکش صدا
شوق میں ہر ہر قدم پر سجدۂ شکرانہ ہے

اذن ہے پیاسا نہ جائے کوئی رندِ معرفت
جوش پر دریا دلیٔ ساقیٔ میخانہ ہے

صف بہ صف مستوں کی ٹولی ہے پرا باندھے ہوئے
نعرۂ تکبیر سے گونجا ہوا میخانہ ہے

کیوں نہ ان بندوں کی قسمت پر فلک کو رشک ہو
رحمتِ حق جن کے شانوں سے ملائے شانہ ہے

ہوشیار اے مرغِ شاخِ نخلِ طوبیٰ ہوشیار
حبّ دنیا دام ہے حرص زمانہ دانہ ہے

حسنِ اخلاق و مروت پر ہے سب کچھ منحصر
کوئی اپنا ہے نہ دنیا میں کوئی بیگانہ ہے

بوئے الفت گر نہیں تجھ میں تو ہے ننگ چمن
دیکھ سبزہ جزو گلشن ہو کے بھی بیگانہ ہے

غور سے سن برقؔ کے اشعار اور دل سے سمجھ
کام کی باتیں ہیں گو انداز گستاخانہ ہے

کیا عجب رہ جائیں یہ اشعار اپنی یادگار
لوگ سُن سُن کر کہیں کس مست کا افسانہ ہے

برقؔ کس کا نام ہے اور یہ علی احمد ہیں کون
کس مزے کی دوستی کس لطف کا یارانہ ہے

آتش عشق و محبت میں لگاتے ہیں چھلانگ
عاشقِ صادق ہیں ان میں ہمت پروانہ ہے

لڑکھڑاتے بھی ہیں یہ تو پائے ساقی کی طرف
ہوش میں ڈوبی ہوئی ہر لغزش مستانہ ہے

پپیہے سے خطاب اور اس کی بولی (پی کہاں) پر تبصرہ

ہم عشق کے ماروں کو ظالم اس طرح نہ دل سے بھلائے جا
بھولے بھٹکے گاہے ماہے پرسش کے لئے تو آئے جا
جو کچھ بھی گذرتی ہے تجھ پر اک شمہ ہمیں بھی سنائے جا
پیتم کی یاد دلائے جا گائے جا پپیہے گائے جا
عشاق کا دل تڑپائے جا گائے جا پپیہے گائے جا

ہے کس کی تلاش میں سرگرداں کیوں لب پہ ہے پی پی پے در پے
میخانہ رازِ محبت سے کیا تو نے بھی پی ہے عشق کی مے
ہیں درد بھرے نغمات ترے نالوں سے ہویدا صورتِ نئے
قانونِ وفا کہتے ہیں کسے آئینِ محبت ہے کیا شے
سمجھا ہے جو کچھ تو نے پنچھی مجھ کو بھی ذرا سمجھائے جا

دنیائے محبت میں تیرے نالوں سے قیامت ہے برپا
جس اہلِ محبت نے بھی سنا چپکے سے کلیجہ تھام لیا
محفل میں محبت والوں کی ہے کیف سماع کا اک نقشا
طوطی کی طرح سو بات نہ کر بلبل کی طرح سو راگ نہ گا
بس ایک ہی جملہ کافی ہے ہر وقت وہی دہرائے جا

اُف صحنِ گلستان کا منظر لہکی ہوئی پھولوں کی لالی
کالے سے بھی بڑھ چڑھ کر ہیں کہیں سنبل کی لٹیں کالی کالی
ہے جوشِ بہاراں چار طرف تا حد نظر ہے ہریالی
ایسے میں پسند آتی ہے تجھے کیوں صرف درختوں کی ڈالی
کلیوں سے کلیلیں کرتا جا پھولوں سے بھی دل بہلائے جا

اب دشمنِ عشق ہے ہر عاشق اب درپۓ حسن ہر ایک حسیں
نکلی جو ہوس تسکین ہوئی نکلی نہ ہوس تو چیں بہ جبیں
بے لوث محبت ہو جس میں لاکھوں میں کوئی ایک ایسا نہیں
لیلیٰ ہے نہ اب ہے قیسِ حزیں شیریں ہے نہ اب فرہاد کہیں
سناٹا ہے بزمِ الفت میں محفل کو ذرا گرمائے جا

پی پی کا مچاکر شور و شغب عشاق پہ تو بیداد نہ کر
گزری ہوئی باتیں جانے دے بھولا ہوا قصہ یاد نہ کر
سرمایۂ زیست ہے دولتِ غم نالوں سے اسے برباد نہ کر
اے مکتبِ عشق کے ابجد خواں یوں شور نہ کر فریاد نہ کر
رہ خون جگر پی پی کے یہاں خاموشی سے ہر غم کھائے جا

تعلیم رموز عرفاں کی مرشد نے تجھے دی ہے کہ نہیں
کالج سے محبت کے تو نے تکمیلِ وفا کی ہے کہ نہیں
ابہام تری تقریر میں ہے خود تو نے بھی سمجھی ہے کہ نہیں
ذو معنی ہے ظالم بات تری کھلتا ہی نہیں پی ہے کہ نہیں
حیران ہے برقؔ اس گتھی کو از راہِ کرم سلجھائے جا

نوٹ: پی کہاں کے جملہ سے دو متضاد معنی پیدا ہوتے ہیں:

(۱) پی یعنی معشوق حقیقی کہاں ہے اس کی تلاش ہے

(۲) پی ہے کہاں یعنی وہ ہے ہی نہیں

نتیجہ:- اب معلوم نہیں کہ پپیہا مومن ہے یا کافر

دنیا کی بے ثباتی پر ایک نظر

آج تجھ کو دکھاؤں اے ہمدم گلشن کے نظاروں کا منظر
تانے ہیں سناں پھولوں کے قریں چل دیکھ تو خاروں کا منظر
روتا ہے تری کم نظری پر شبنم کے پھواروں کا منظر
غافل نہ فدا ہو دیکھ کے یوں پُر کیف نظارو ں کا منظر
فانی یہ گلستاں ہے خود ہی فانی ہے بہاروں کا منظر

دنیا ہے سنیما گھر ہم تم چلتی پھرتی تصویریں ہیں
مضمون فنا پر چڑیوں کی چوں چوں میں نہاں تقریریں ہیں
بچ جاؤ تو زلفیں کچھ بھی نہیں پھنس جاؤ تو یہ زنجیریں ہیں
سبزہ کی لہک پھولوں کی مہک بلبل کی چہک تفسیریں ہیں
مصحف ہے کتاب کون و مکاں ہر شے میں ہے پاروں کا منظر

عقبیٰ پہ نگاہیں رکھ غافل دنیا میں نہ پھنس کر ہو دہری
انجام فنا پر ہو جس کا پھر اس کی حقیقت کیا ٹھہری
بیداری سمجھتا ہے جس کو وہ نیند ہے غفلت کی گہری
غربت میں وطن کو بھول نہ جا اے شہرِ خموشاں کے شہری
کہتا ہے زبان حال سے یہ خاموش مزاروں کا منظر

کچھ بھرتے ہیں سسکی رو رو کر کچھ ہاتھوں کو اپنے ملتے ہیں
کچھ سر کو پکڑ کر بیٹھے ہیں کچھ غم کی فضا میں ٹہلتے ہیں
آپہنچے فرشتے موت کے جب کب ٹالے کسی کے ٹلتے ہیں
احباب جنازہ لے کے کوئی جب دفن کی خاطر چلتے ہیں
پھر جاتا ہے نظروں میں اپنی ڈولی کے کہاروں کا منظر

سیاحِ رہ حقیقت میں پاؤں کے پھپھولے جب پھوٹے
ہر نقش قدم سے ہوئے پیدا صحرائے جنوں میں گل بوٹے
دیدار سے بڑھ کر کیا لذت ہو جس کے مقدر میں لوٹے
بیگانۂ لطف مے نوشی پیمانہ و ساغر پر ٹوٹے
دیکھا کیے ہم میخانے میں ساقی کے اشاروں کا منظر

کیوں یادِ خدا سے غافل ہے یہ بات جو تو نے مانی ہے
موت ایک نہ اک دن آنی ہے جان ایک نہ اک دن جانی ہے
ہشیاری سمجھتا ہے جس کو غافل وہ تری نادانی ہے
ہستی حباب اک دھوکہ ہے موجوں کی حقیقت پانی ہے
کشتی کو سنبھال یہ کہتا ہے طوفان کے دھاروں کا منظر

یہ جملہ مظاہر پردہ ہیں پڑتی ہیں نگاہیں پردے پر
جز اس کے نہ کچھ موجود رہے پردے سے جو وہ نکلے باہر
مہر رخِ جانانہ دم بھر اے برقؔ جو ظاہر ہو کھل کر
شبنم کی طرح اڑ جائے زمیں ہو طورِ فلک بھی خاکستر
اوجھل ہو نگاہوں سے یکسر چاند اور ستاروں کا منظر

کسان

اے کسان اے محسن اقوام فخر روزگار مجھ سے پوچھے کوئی تیرا مرتبہ تیرا وقار
لہلہاتے کھیت عمدہ باغ خوش کُن سبزہ زار تیری ہی ہاں تیری ہی محنت کے ہیں سب برگ و بار
ہر گھڑی ہے کام میں مصروف تو دن ہو کہ رات
کھانے والے سب کمانے والی تنہا تری ذات

تیرے ہی دم کا دمامہ ہے یہ اے مردِ جری — خشک اور چٹیل زمیں تیری بدولت ہے ہری
گود کھیتوں کی ہے رنگا رنگ پھولوں سے بھری — قطرۂ شبنم میں ہے تیرے پسینہ کی تری
ہے عروس سبزہ اچھی طرح تجھ کو جانتی
زور بازو کا ترے لوہا زمیں ہے مانتی

کوئی کیسی ہی ہو مشکل اس کو سر کرتا ہے تو — تختۂ روئے زمیں زیر و زبر کرتا ہے تو
بنجر اور اوسر کو بھی غلہ کا گھر کرتا ہے تو — خاک کے سینہ سے پیدا سیم و زر کرتا ہے تو
کیمیا کی اس میں ہے تاثیر گویا اے کسان
خاک ہے تیرے لئے اکسیر گویا اے کسان

دہر میں سچا بہادر درحقیقت تو ہے تو — پیکر جرأت ہے تو جانِ شجاعت تو ہے تو
راحتِ جان و دلِ ارباب ہمت تو ہے تو — سرخ رو دنیا میں محنت کی بدولت تو ہے تو
باعثِ صد فخر ہے دنیا میں تیری زندگی
تجھ سے بڑھ کر کون کرسکتا ہے خدمت قوم کی

دوپہر کی دھوپ اور تپتا مہینہ جیٹھ کا — آگ کے شعلوں کی صورت جب کہ چلتی ہے ہوا
تلملاتی سی نظر آتی ہے گرمی سے فضا — ہر بگولہ جب ہے بے چینی سے چکر کاٹتا
آتشِ دوزخ کی جب ہوتی ہے گرمی ریت میں
ہم نے دیکھا ہے تجھے پانی چلاتے کھیت میں

ماگھ کی سردی میں جب ہر سو فضا میں ہو کہر — اور زلفِ لیلیٰ شب آچکی ہو تا کمر
جانور ٹھٹھرے ہوئے ہوں کانپتا ہو ہر بشر — تھرتھراتے ہوں پرندے گھونسلوں میں بیٹھ کر
اور ہوں کیڑے مکوڑے ڈھونڈھتے پتوں کی آڑ
تو ہی ہے وہ مردِ میداں جو کماتا ہے کولھاڑ

برق چمکے رعد کڑکے اور ہو بارش جوش میں — بچے جب لپٹے ہوں ڈر سے ماؤں کی آغوش میں
ہو گھروں کے گرنے سے کوئی نہ اپنے ہوش میں — اور دھماکے کی صدا آتی ہو ہر دم گوش میں
اُس گھڑی تو دھان کے کھیتوں میں ہے مصروف کار
تیری محنت تیری جرأت تیری ہمت کے نثار

جب کہ دریاؤں کا طوفاں ہو نظر کے سامنے ابرِ نیساں کھیل کھیلے چشم تر کے سامنے
ایک دریا موجزن ہو سب کے گھر کے سامنے پانی ہی پانی ہو جب دیوار و در کے سامنے
مینڈ پر دوڑا گیا تو ہاتھ میں لے کر کدال
باندھ کر ایک سمت دی اک سمت کو نالی نکال

الغرض ہر موسم و ہر فصل ہر ایام میں ہر گھڑی ہر وقت ہے مصروف اپنے کام میں
غلہ پہنچاتا ہے بے تخصیص خاص و عام میں یوں لگا رہتا ہے ہردم خدمت اقوام میں
بھوک کی شدت کا کر کر کے تصور ڈر ہی جائیں
تو نہ ہو تو کوٹ اور پتلون والے مر ہی جائیں

تو نہ ہو تو درہم و برہم نظام دہر ہو بستیاں ویران ہوں نذرِ حوادث شہر ہو
غم ہو آفت ہو مصیبت ہو بلا ہو قہر ہو پیٹ خالی ہو تو پھر آب بقا بھی زہر ہو
برقؔ کی نظروں میں تو ہی قوم کا سرتاج ہے
در حقیقت تیرے ہاتھوں میں وطن کی لاج ہے

بزم صوفیہ

گنوانی ہو جسے جاں سایہ تلوار میں آئے کھجائیں جس کے تلوے وادیٔ پُر خار میں آئے
گلوں سے ہو محبت جس کو وہ گلزار میں آئے نبیؐ سے عشق ہو جس کو وہ اس دربار میں آئے
خدا سے جس کو ملنا ہو وہ اس سرکار میں آئے
ہو جس کو رہروانِ عشق کی منظور ہمراہی فقیری میں بھی کرنی ہو جسے اک طرح کی شاہی
جسے منظور ہو رہنے نہ پائے کوئی کوتاہی جسے منظور ہو تعلیمِ آدابِ خود آگاہی
وہ بزمِ صوفیائے محرمِ اسرار میں آئے

فلاح دین و دنیا کیا ملے افراد کاہل کو
جو تھک کر بیٹھ جائیں خاک وہ پائیں گے منزل کو
کریں کیا حل وہ لاینحل سمجھ بیٹھیں جو مشکل کو
ملے کیوں گوہرِ مقصد سبکسارانِ ساحل کو
یہ اُس کا حق ہے غواصی کو جو منجدھار میں آئے

نہاں رازِ شہادت ہے محبت کی اداؤں میں
پرستارانِ حق ثابت قدم نکلے جفاؤں میں
نہ لرزہ جسم پر طاری نہ تھراہٹ تھی پاؤں میں
سوئے مقتل بڑھے عشاق تلواروں کی چھاؤں میں
سوئے زنداں کبھی زنجیر کی جھنکار میں آئے

ہوا جو کچھ وہ سب روشن ہے ارباب معانی پر
یقیں کس کو نہیں ہے طور و موسیٰ کی کہانی پر
مگر میں تو فدا ہوں اس ندائے آسمانی پر
انھیں جو جان دیتے ہوں کسی کی لن ترانی پر
مزہ اقرار سے بڑھ کر نہ کیوں انکار میں آئے

مؤذن کی اذاں میں حُسن تکبیرِ مکبّر میں
کلیساؤں میں کعبہ میں مساجد میں منادر میں
ہواؤں میں فضاؤں میں خلاؤں میں عناصر میں
تو ہی تو جس کے ہو پیشِ نظر جملہ مظاہر میں
خیال ماسوا کیوں اُس دلِ خوددار میں آئے

نہاں کثرت کے پردے میں ہے اے دل رازِ وحدت کا
حقیقت ایک ہے سب کی وہ قطرہ ہو کہ ہو دریا
سمجھ کا پھیر ہے سب کچھ نظر کا صرف ہے دھوکا
محبت کی نگاہوں نے انھیں بھی پھول ہی سمجھا
کہ جو کانٹے الجھ کر دامنِ صدتار میں آئے

وہی کچھ اس کو سمجھے گا جو اس وادی میں آنکلا
نئی ہے عشق کی دنیا نرالا عشق کا کوچا
کرشمہ سازی الفت بدل دیتی ہے سب نقشا
مژہ تک آتے آتے ہوگئے رشکِ دُرِ یکتا
جو قطرے دل سے چل کر دیدۂ خونبار میں آئے

پسِ مُردن بھی ظاہر ہو رہی ہے شان رفعت کی
وفورِ ناز سے مٹی اُبھر آئی ہے تربت کی
تعالی اللہ شخصیت شہیدانِ محبت کی
ملی ہے چاشنی ہر شعر میں اُن سے عقیدت کی
مزہ کیونکر نہ سب کو برق کے اشعار میں آئے

بادۂ عرفاں

افتادگیٔ دل حد سے بڑھی اُکتا کے مجھے پینا ہی پڑا
اللہ رے میخانے کی کشش خود جا کے مجھے پینا ہی پڑا
الزام شکستِ توبہ سے تھرّا کے مجھے پینا ہی پڑا
کھائی تھی قسم پینے سے مگر پچھتا کے مجھے پینا ہی پڑا
ساقی کی نگاہیں جب اٹھیں للچا کے مجھے پینا ہی پڑا

احباب نے طعنے تشنے دیئے واعظ نے بھی کوشش کی انتھک
کیا کہیے جنابِ شیخ کا ان حضرت نے تو سر کھایا بک بک
چھٹنا تھا مگر نہ چھٹا چسکا سُن سُن کے یہ باتیں جی گیا پک
توبہ کا تصور کرتے ہی دل کرنے لگا دھک دھک دھک
ڈر تھا کہ جائے ٹوٹ کہیں گھبرا کے مجھے پینا ہی پڑا

سمجھانے جو لوگ آئے مجھکو وقت ان کا تمام فضول گیا
میں ہوش و خرد سے درگزرا جھولے میں جنوں کے جھول گیا
دھکے دیئے ناصحِ مشفق کو واعظ کی نصیحت بھول گیا
جب رحمتِ باری یاد آئی دل فرطِ خوشی سے پھول گیا
اک لہر طبیعت میں اٹھی لہرا کے مجھے پینا ہی پڑا

یہ خام خیالی ہے زاہد غرّہ ہے تجھے جو عبادت کا
پاپی سے بھی پاپی کو چاہے دے دے وہ قبالہ جنت کا
بگڑی کو بنا دینا پل میں اک کھیل ہے اسکی قدرت کا
دیکھا جو گنہ گاروں پہ کرم اُس ربِ غفور کی رحمت کا
ناکردہ گناہی پر اپنی شرما کے مجھے پینا ہی پڑا

مستی میں جو موت آئے تجھ کو وہ موت ہے بہتر جینے سے
سمجھا دی یہ بات آخر مجھکو ساقی نے لگا کر سینے سے
جاں پاک ہوئی اب نخوت سے دل صاف ہوا اب کینے سے
ناسمجھی سے تھا محروم اب تک میں بادۂ عرفاں پینے سے
جس وقت سمجھ آئی دل کو سمجھا کے مجھے پینا ہی پڑا

جامِ مئے الفت کی مستی روکے نہ رکی تھامے نہ تھمی
اب سوز و گداز عشق سے ہے سینے میں جلن آنکھوں میں نمی
پوری ہوئی فیض ساقی سے جو نورِ بصیرت میں تھی کمی
پیمانۂ دل پر مدت سے جو گردِ مجاز آکر تھی جمی
صہبائے حقیقت سے اس کو دھو دھا کے مجھے پینا ہی پڑا

محدود نہیں تعریف ہے کچھ رندوں ہی کے لب پر ساقی کی
کرتے ہیں جنابِ واعظ بھی مدحت سرِ منبر ساقی کی
ہر سمت ہے چرچا ساقی کا اک دھوم ہے گھر گھر ساقی کی
قرآں میں نگاہوں سے گذری جب نعت مطہر ساقی کی
انا اعطینک الکوثر گا گا کے مجھے پینا ہی پڑا

شبلیؒ و جنید بغدادیؒ تبریزیؒ و رومیؒ و بسطامیؒ
عطارؒ و عراقیؒ و سرمدؒ منصورؒ و نظامیؒ و جامیؒ
سمنانیؒ و شرف الدینؒ خسروؒ باقیؒ و نظام الدینؒ نامیؒ
میخانۂ وحدت میں سُن کر اِن لوگوں کو بھی مے آشامی
خاموش میں بیٹھا رہ نہ سکا چلا کے مجھے پینا ہی پڑا

اجمیر کے ساقی کی اٹھی جس وقت نگاہِ فیض اثر
ہر آنکھ تھی مثل پیمانہ ہر دل تھا بجائے خود ساغر
پی پی کے بقدرِ ظرف کوئی تھا قطبؒ تو کوئی گنج شکرؒ
میخانہ چشتیؒ میں دیکھا جب جنت ماویٰ کا منظر
اے برقؔ خیالِ دوزخ کو ٹھکرا کے مجھے پینا ہی پڑا

بادۂ وحدت کا ایک چھلکتا ہوا جام

لہراتی ہے وہ زلف اپنی جگہ بس شانے بدلتے رہتے ہیں
مہرہ تو محبت کا ہے وہی ہاں خانے بدلتے رہتے ہیں
کچھ لے میں تفاوت ہوتا ہے کچھ گانے بدلتے رہتے ہیں
توحید کا عنواں ایک ہے پر افسانے بدلتے رہتے ہیں
لو شمع حقیقت کی ہے وہی پروانے بدلتے رہتے ہیں

اللہ رے شراب وحدت کا ہر رند میں رنگا رنگ اثر
بو بکرؓ کوئی۔ کوئی ہے عمرؓ ۔ عثمانؓ کوئی۔ کوئی حیدرؓ
قنبرؓ ہے کوئی تو بلالؓ کوئی۔ سلمانؓ ہے کوئی۔ تو کوئی بوذرؓ
شبلیؒ ہوں جنیدؒ کہ بسطامیؒ ہیں مست مئے وحدت پی کر
ہے ایک ہی مے بوتل میں مگر پیمانے بدلتے رہتے ہیں

رہتا نہیں آپے میں ہرگز اس مے کے جو پڑ جائے پالے
کافر ہے وہ جو تفریق پرستارانِ مودّت میں ڈالے
سب ایک ہی رشتے میں ہیں بندھے چشتیؒ ہوں کہ ہوں کلیرؒ والے
سرمدؒ ہوں کہ ہوں منصورؒ مئے وحدت ہی کے ہیں سب متوالے
ہے وجہِ جنوں صرف ایک مگر دیوانے بدلتے رہتے ہیں

خاصان خدا کی باتوں کو ذلت سے نہ ہرگز ٹھکراؤ
تعلیم علوم ظاہر پر نخوت سے نہ اتنا اِتراؤ
عرفاں کا خزانہ دیتے ہیں تم لیتے نہیں اچھا جاؤ
اے نشۂ عقل کے متوالو شاید کبھی رستے پر آؤ
ہوتا ہے تغیر عقل میں بھی فرزانے بدلتے رہتے ہیں

ہے سب کی رگوں میں ایک ہی خوں ہر شخص ہے نسل آدمؑ سے
تفریقِ عقاید سے لیکن ہم اس سے جدا وہ الگ ہم سے
سمجھا دے یہ نکتہ دنیا کو آزاد ہو تا پیچ و خم سے
بیگانہ سمجھ کر لوگوں کو مغموم عبث ہے تو غم سے
مل جائے جو اپنانے والا بیگانے بدلتے رہتے ہیں

وہ ہند میں ہو یا روس میں ہو یا چین میں یا در ملک عجم
اسلام کے ہر میخانے پر وحدت کا ہے یک رنگا پرچم
پڑتی ہے برابر ہر اک پر تنویر شعاع شمع حرم
جی چاہے جہاں پی کر دیکھو کہہ دوگے یہ خود تم کھا کے قسم
کیفیتِ مے میں فرق نہیں میخانے بدلتے رہتے ہیں

باطل کی ہوا لگتے لگتے دنیا کا گیا تھا رنگ بدل
تکفیر کے بادل چھائے تھے توحید کا ڈھیلا تھا کس بل
تعلیم رسول اکرمؐ سے جب کھلنے لگے وحدت کے کنول
زمزم کی اُبھرتی موجوں میں غرقاب ہوئے سب لات و جبل
کعبہ سے ملا ہم کو یہ سبق بت خانے بدلتے رہتے ہیں

ہیں جتنے مسلمانانِ جہاں توحید ہے سب کی روحِ رواں
اے دوست تو ہی انصاف سے کہہ اسلام میں فرق ذات کہاں
سید ہے کوئی مرزا ہے کوئی ہے شیخ کوئی تو کوئی ہے خاں
ہے نشۂ بادۂ وحدت کا اندازِ توازن تو یکساں
پی پی کے بقدرِ ظرف مگر مستانے بدلتے رہتے ہیں

منسوب بہ حنبلؒ ہے کوئی نسبت ہے کسی کی احنافیؒ
حلوائی کوئی بزاز کوئی پیشہ ہے کسی کا ندافی
پوچھے جو کوئی برقؔ اس کا سبب دے دو یہ جواب اسے شافی
ہے جملہ مسلمانوں کے لئے بس رشتۂ حبل متیں کافی
تسبیح کا ڈورا ایک ہے لیکن دانے بدلتے رہتے ہیں

خمسہ در نعت

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

خواہشِ حور جسے تھی وہ اِرم تک پہنچا　　مائلِ حسنِ صنم کوئے صنم تک پہنچا
شوقِ صحرا میں کوئی خارِ الم تک پہنچا　　دیر تک کوئی گیا کوئی حرم تک پہنچا
تیرا دیوانہ ترے نقشِ قدم تک پہنچا

بھیج کر احمد مختارؐ کو سوئے امت　　حق نے فرمایا کہ اتممت علیکم نعمت
کور باطن کوئی کیا سمجھے مقامِ حضرت　　اللہ اللہ مرے سرکارؐ کی نورانیت
سایہ بے نام و نشاں ہو کے عدم تک پہنچا

کام جذباتِ محبت سے لیا جب میں نے　　حل کیے عشق کے اسرار جو تھے سب میں نے
بحر قرآں سے نکالا دُرِ مطلب میں نے　　فکر یوں معنیٔ واللیل میں کی شب میں نے
سلسلہ یہ تری زلفوں کی قسم تک پہنچا

جس نے مانگا ہے تجھے اپنے خدا سے پہلے　　پائی ہے تیری مہک اس نے صبا سے پہلے
کیوں نہ کر دوں میں فدا جان فنا سے پہلے　　شانہ صد چاک ہوا تیغِ ادا سے پہلے
تب کہیں جا کے تری زلف کے خم تک پہنچا

توبہ کی میں نے گناہوں سے جو با دیدۂ تر　　دُھل گئی دفترِ عصیاں کی سیاہی یکسر
ابرِ رحمت ہوا سر پر مرے سایہ گستر　　ہاتھ میں اب تو ہے دامانِ شفیعِ محشر
سلسلہ میرے گناہوں کا کرم تک پہنچا

طاعتِ حق کو ہیں موجود مہ و انجم تک　　کرتے ہیں سجدۂ معبود مہ و انجم تک
ہے نگاہوں کی اُچھل کود مہ و انجم تک　　آنکھ کا نور ہے محدود مہ و انجم تک
قلب کا نور مگر لوح و قلم تک پہنچا

بحث میں حاضر و غائب کی جو الجھا واعظ — عمر بھر رہ گیا تحقیق سے کورا واعظ
یا محمدؐ کی صدا سنتے ہی چونکا واعظ — قُرب اور بُعد تھے بے اصل یہ سمجھا واعظ
جب بیک چشمِ زدن ملک عدم تک پہنچا

قصۂ شیریں و فرہاد کسی نے لکھا — اور کسی نے رگِ گل سے پرِ بلبل باندھا
کوئی ہے پیچ و خم زلف بتاں میں الجھا — سن کے جو ذکر فرشتے بھی کہیں صلے علا
وہ مرے خامۂ اعجاز رقم تک پہنچا

میرِ کوثر کے مراتب کو ہے سمجھا کس نے — جو سمجھ جائے گا پیشانی لگے گا گھسنے
کچھ جو مستی میں ہے سمجھا تو ہے سمجھا اس نے — برقؔ وہ رندِ خرابات نشیں ہے جس نے
پی کے جو پھینک دیا جام وہ جم تک پہنچا

خمسہ درنعت سرور کائنات

احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

واقفِ سرِّ معرفت صدر نشینِ بزم جود — تیری ہر اک ادا سے خُلق عظیم کی نمود
میرے لیے جو غیب ہے ترے لیے وہ ہے شہود — اے کہ ہے تری ذات پاک وجہِ وجود ہست و بود
تجھ پہ ہزارہا سلام تجھ پہ ہزارہا درود

روحِ ابوالبشر ہوئی داخلِ جسم جس گھڑی — ان کی نگاہِ اولیں تیرے ہی نور پر پڑی
تیری متابعت کی تھی نوحؑ کو آرزو بڑی — عیسیٰ باصفا کا قول تیری ثنا کی ایک کڑی
مدح میں تیری موجزن زمزمۂ لطیف ہوئے

تیری ضیائے حسن سے جلوۂ ماہ بھی خجل — تیری شمیم زلف ہے داروئے قلب مضمحل
تو ہے خدا سے متصل تجھ سے خدا ہے متصل — تیری جناب پاک میں خم ہے جبینِ اہل دل
ہیچ ہے نزدِ عاشقاں بحث قیام یا قعود

قبل ترے جہاں میں اک آگ تھی ہر طرف لگی — فسق و فجور و جہل تھے جزوِ سرشتِ آدمی
تجھ سے ملی ہر ایک کو علم و عمل کی روشنی — مُردہ دلوں کے جسم میں روحِ حیات پھونک دی
ورنہ جہاں میں چارسو چھایا ہوا تھا اک جمود

عشقِ رسول عشق ہے اِس کے سوا ہے سب ہوس — دل نہ فدا ہو کیوں مرا ان پہ بغیر پیش و پس
کس کا ہے ایسا مرتبہ تو ہی بتادے ہم نفس — روئے جمیل دیکھ کر دستِ کرم سے ہو کے مس
برگ و شجر کریں سلام کنکریاں پڑھیں درود

ذرّوں نے کسبِ نوریوں کرلیا روئے ماہ سے — کفر کی تیرگی ہٹی منزل حق کی راہ سے
آئینہ ہوگئے قلوب فیض نگاہِ شاہ سے — گونج اٹھی فضائے دہر نغمۂ لا الہ سے
حل ہوئے عُقدہ ہائے راز کھل گیا دفتر کشود

حور پہ کیوں فدا ہو وہ ہو جو نبیؐ کی چاہ میں — جان عبث گنوائے کیوں حسرت عزّ و جاہ میں
جاہِ وقوع خلد ہے منزلِ حق کی راہ میں — حور و قصور ہیچ ہیں برق مری نگاہ میں
حُبِّ رسولؐ اصل ہے باغ جناں ہے اس کا سود

خمسہ درنعت

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

رگوں میں برق سی دوڑی طبیعت ہوگئی جھن سے — کنکشن کس کی نظروں کا ملا دل کے کنکشن سے
ملی پھر بلبلِ شیدا گلے شاخِ نشیمن سے — صبا کیا جانے کیا کہتی ہوئی گزری ابھی سن سے
خزاں نے سنتے ہی ڈیرا اٹھایا صحنِ گلشن سے

بہار آئی تو اپنے ساتھ کیا کیا نعمتیں لائی — ملی پھولوں کو خوشبو ہر کلی نے تازگی پائی
تعالی اللہ یہ سج دھج گلستاں کی یہ رعنائی — بساط خاک سے پودے اٹھے ہیں لیکے انگڑائی
گڑے مُردے نکل آئے ہیں یا یہ خاکِ مدفن سے

نمو نے خفتگانِ خاک میں وہ جان ہے ڈالی　　نکھر آیا ہے سبزہ چھاگئی ہر سمت ہریالی
ہوئی ہے خلد نظارہ گلوں کے حسن کی لالی　　ادب اہل گلستاں آرہا ہے باغ کا مالی
اشاروں ہی اشاروں میں کہا نرگس نے سوسن سے

بتوں میں پڑگئی ہلچل شیاطیں ہوگئے ششدر　　چمک اٹھا حرم کے طالع بیدار کا اختر
ہوا رشکِ بہارِ باغ جنت آمنہ کا گھر　　زمیں سے آسماں تک چھا گیا اک نور کا منظر
گلی مکہ کی نمبر لے گئی وادی ایمن سے

سلیماں ہوں کہ ہوں داؤدؑ موسیٰ ہوں کہ ہوں عیسیٰ　　خدا کے بعد ہے سب سے بڑا درجہ محمدؐ کا
نظر جس ذرّے پہ ڈالی ستارے کی طرح چمکا　　ملا جو کچھ جسے ہے آپ ہی کی ذات کا صدقا
زمانہ خوشہ چیں ہے رحمت عالم کے خرمن سے

ومن ھذا فرشتے جب کہ پوچھیں گے تہہِ تُربت　　یقیں ہے اہل دل دیں گے جواب ان کو بصد جرأت
یہی تو ہیں ملی جن سے ہمیں ایمان کی دولت　　نہ پوچھ اے ہمنشیں ہم کو محمدؐ سے ہے کیا نسبت
پتنگوں کا تعلق پوچھنا کیا شمع روشن سے

مدد اے رحمت عالم بڑی مشکل میں رہتا ہوں　　زمانہ بھر کے صدمے آپ کی فرقت میں سہتا ہوں
تلاطم میں گھرا ہوں غرق ہوتا ہوں نہ بہتا ہوں　　طبیعت جوش میں آتی ہے تو اکثر یہ کہتا ہوں
تمھارے نام پر کٹتی تو باز آتا میں گردن سے

پکارا یا محمدؐ المدد جب میں نے مشکل میں　　تو خطرہ حاضر و غائب کا اٹھا قلب جاہل میں
سنے تقریر امریکا سے اپنے گھر کی محفل میں　　مگر سو طرح کے شبہے نبیؐ کی ذاتِ کامل میں
کوئی پوچھے تو یہ کیا خبط ہے اس دیں کے دشمن سے

زمانہ بھر کی سننا دیکھ لینا حد دنیا تک　　یہ ثابت روز روشن کی طرح ہے اس میں اب کیا شک
کوئی ذی ہوش کیوں مانے ارے ناداں تری بک بک　　جہاں کی ساری باتیں ریڈیو سے سنتے تھے اب تک
مقرر بھی نظر آنے لگا اب ٹیلی ویژن سے

عمرؓ نے الجبل جب مسجدِ جامع سے فرمایا　　مجاہد ساریہؓ ایران میں سن کر یہ چونک اٹھا
کئی سو کوس تک ثابت ہوا پس دیکھنا سننا　　حجاب اٹھنے کی ہے بس دیر قرب و بُعد پھر کیسا
مری جاں سب ہے ممکن گوش شنوا قلب روشن سے

پس معراج پوچھا مسجد اقصیٰ کا جب نقشہ رسولِ حق نے کڑیوں اور طاقوں تک کو بتلایا
بتا اس گھر کی کڑیاں جس میں تو دن رات ہے رہتا یہ باتیں راز کی ہیں غور سے سُن تھوک دے غصہ
نہ نازاں علم پر ہو آ لپٹ امّی کے دامن سے
مری یہ نظم ہے یا حسنِ معنی کا ہے اک دفتر پرکھ لیں گوہرِ مضموں کی خوبی جوہری آ کر
عیاں جوشِ عقیدت مصرعہ مصرعہ سے ہے سرتاسر تعجب کیا جو برق آنے لگے اس نعت کو سُن کر
صدا اصلِ علیٰ کی عاشقوں کے دل کی دھڑکن سے

خمسہ بتقریب

یوم النبی صلی اللہ علیہ وسلم

وہ جو ہیں بیکسوں کے مونس و غمخوار آئے ہیں وہ جو ہیں غم نصیبوں کے معین و یار آئے ہیں
وہ جو ہیں دافعِ ہر رنج و ہر آزار آئے ہیں بشارت جن کی سب دیتے تھے وہ سرکار آئے ہیں
مبارک اے مسلماں احمدِ مختارؐ آئے ہیں
برآئے مدعا کیونکر نہ اب ہر رند کے دل کا جمے کیونکر نہ رنگ اب کوثر آشاموں کی محفل کا
نہ ہو کیوں راستہ آسان اب عرفاں کی منزل کا جھکے پرچم نہ کیوں تعظیم کو ادیانِ باطل کا
کہ دینِ ربِّ اکبر کے علم بردار آئے ہیں
لقب ہے رحمۃ للعالمین ہیں سر بسر رحمت مری اس بات پر شاہد ہے خود قرآن کی آیت
وہ ہوں گے اور کوئی جن پہ ہوگی سختی و شدت غریقِ قلزمِ عصیاں ہو کیوں سرکار کی امت
لگانے عاصیوں کا جب وہ بیڑا پار آئے ہیں
کوئی سلماںؓ صفت ہے اور کوئی ہم مشربِ رازی کوئی تیرا شہیدِ ناز کوئی ہے ترا غازی
وہ ہندی ہوں کہ چینی ہوں وہ رومی ہوں کہ شیرازی انھوں نے در حقیقت آخرت کی جیت لی بازی
ترے روضے پہ جا کر جو دل و جاں ہار آئے ہیں

تری عظمت پہ شاہد سر بسر آیات قرآنی　　حقیقت میں تجھے زیبا ہے عالم کی جہاں بانی
خدا کے بعد کوئی خلق میں تیرا نہیں ثانی　　اِدھر بھی اک نظر ہاں اے طبیبِ بزم روحانی
مسیحا جان کر تجھ کو ترے بیمار آئے ہیں

جو رفعت حق نے بخشی ہے نبیؐ اور ان کے یاروں کو　　فلک پر چاند ہی کو ہے نہ حاصل وہ ستاروں کو
بتادو برقؔ یہ نکتہ شک و شبہہ کے ماروں کو　　تعجب کیا سمجھتے ہیں اگر غیبی اشاروں کو
ازل ہی سے وہ ہو کر محرم اسرار آئے ہیں

خمسہ بتقریبِ جشن

ولادت النبی صلی اللہ علیہ وسلم

فصلِ گل آئی شگفتہ ہر گلِ تر ہوگیا　　چپہ چپہ گلستاں کا خُلد منظر ہوگیا
قطرۂ شبنم حریفِ آب گوہر ہوگیا　　گیسوئے پیچانِ سنبل یوں معنبر ہوگیا
مرغ دل خود ہی اسیرِ دام بڑھ کر ہوگیا

کوئی عالی منزلت وارد زمیں پر ہوگیا　　سرنگوں فرطِ ادب سے چرخِ اخضر ہوگیا
کثرت انوار سے عالم منور ہوگیا　　مرتبہ بندے کا یہ اللہ اکبر ہوگیا
کارخانہ کُل خدائی کا مسخر ہوگیا

برتر از افلاک ہو کیونکر نہ مکہ کی زمیں　　ہیں برائے تہنیت حاضر ہوئے روح الامیں
خُلد کی حوروں نے بھی خدمات اپنی پیش کیں　　اللہ اللہ آمد مسعود ختم المرسلیں
رشکِ جنت آمنہؓ خاتون کا گھر ہوگیا

مہر فاراں سے یہ بولی روشنئ برق طور　　پیڑ پر چمکی میں کرنیں تیری پہنچیں دور دور
کی روایت ہے یہ ابن سعدؓ نے وقت ظہور　　آمنہ کہتی تھی میرے بطن سے نکلا وہ نور
یک بیک مکہ سے بصرہ تک منور ہوگیا

شرک تھا نذرِ خزاں وحدت کا گُل کھلتا رہا دل بتوں کا تیشۂ تکبیر سے چھلتا رہا
کوئی کیا جانے کہ اس کو کیا مزہ ملتا رہا تین دن تک کعبہ کیفِ وجد سے ہلتا رہا
سرنگوں ہر بت جو تھا کعبے کے اندر ہوگیا

قبل ازیں پانی نہ برسا تھا عرب میں چند سال بھوک سے بستی کی بستی ہوتی جاتی تھی نڈھال
اے تعال اللہ فیضِ سرورِ فرخندہ فال قحط کی ماری ہوئی دنیا ہوئی آسودہ حال
ابر برسا جھوم کر سیراب گھر گھر ہوگیا

رشکِ شاہاں ہے ترے دربار کا اک اک گدا خُلد سے رتبے میں بڑھ کر ہے ترا دولت کدا
ذرہ ذرہ پتہ پتہ ہے شہیدِ ہر ادا استنِ حنانہ سے آتی تھی رونے کی صدا
خطبہ خواں جس وقت تو بالائے منبر ہوگیا

حال ابتر پیاس سے تھا رَن میں شیخ وشاب کا تھا لبوں پر شکوہ ہونے آب کے نایاب کا
مدعا برآیا آخر لشکرِ بیتاب کا انگلیوں کے بیچ سے فوارہ نکلا آب کا
مائلِ اکرام جب ساقیؐ کوثر ہوگیا

لوگ خندق کھودتے تھے مل کے جب بہرِ دفاع حضرت جابرؓ نے دی دعوت کی آکر اطلاع
صدقے اس اعجاز پر دنیا کا سب مال ومتاع اک ہزار اصحاب تھے آٹا مگر صرف ایک صاع
پھر بھی سب کچھ بچ رہا آسودہ لشکر ہوگیا

صدقے ہر ناخن پہ ہے مہر سلیمانؑ کا نگیں کل جہاں ہے زیرِ فرمانِ شہہِ دنیا و دیں
ایں حدیث اے مبتلائے وہم لایعنی ببیں پاؤں گھوڑے کا سراقہ کے دھنسا زیر زمیں
حکم پاکر چاند دو ٹکڑے فلک پر ہوگیا

زلف ورخ پر آپ کے شیدا ہیں جو الفت شعار خود طواف ان کا ہے کرتی گردشِ لیل ونہار
اللہ اللہ برقؔ یہ شانِ رسالت کا وقار جس نے کی تکذیب ہے کذاب پیش کردگار
جس نے کی تصدیق وہ صدیق اکبرؓ ہوگیا

خمسہ در نعت

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم

چراغِ بزمِ الفت کو فروزاں کر کے چھوڑوں گا — جگر کے داغ کو شمعِ شبستاں کر کے چھوڑوں گا
کمالِ شوق کا جوہر نمایاں کر کے چھوڑوں گا — غمِ ہجرِ نبیؐ میں سب کو حیراں کر کے چھوڑوں گا
کسی دن چاک دامن تا گریباں کر کے چھوڑوں گا

کسی کا نورِ انور اپنی ہستی میں تھا جب کامل — تو تھے آدمؑ ابھی اک پیکرِ تخمیرِ آب و گِل
یہ نکتہ کنت کنزاً مخفیاً سے ہو گیا حاصل — حقیقت جب یہی ٹھہری تو کیسی جان کیسا دل
دل و جاں دین و ایماں ان پہ قرباں کر کے چھوڑوں گا

لبِ لعلیں کو ہے ترجیح گر لعلِ بدخشاں پر — تو ہے دُرجِ دہاں گنجینۂ اسرار سرتا سر
دُرِ دنداں کی تابش گوہرِ یکتاں سے ہے بڑھ کر — جبیں کو سورہ والشمس سے تشبیہ دے دے کر
رُخِ پُرنور کو ثابت میں قرآں کر کے چھوڑوں گا

تعال اللہ کیا دلکش نظارا تھا شبِ اسریٰ — یتیمِ آمنہؓ جب تھا امامِ مسجدِ اقصیٰ
اُڑی خوشبوئے گیسو جب تو بولا جھوم کر طوبیٰ — کھنچا جاتا ہے دل پر نقشِ واللیل اذا یغشیٰ
خیالِ زلف کو تارِ رگِ جاں کر کے چھوڑوں گا

دیارِ عشق میں برسوں رہی ہے جادہ پیمائی — جنوں نے کو بکو صحرا بہ صحرا خاک چھنوائی
مزاجِ عاشقی ہے بے نیازِ خوفِ رسوائی — ترقی پر رہا یوں ہی جو شوقِ آبلہ پائی
کسی دن دعوتِ خارِ مغیلاں کر کے چھوڑوں گا

کوئی جا کر یہ کہہ دے نکہتِ بادِ بہاری سے — چمن دل کا ہرا ہے آنسوؤں کی آبیاری سے
مری ناکامیاں بدلیں عجب کیا کامگاری سے — یقیں ہے برق مجھ کو اک نہ اک دن فضلِ باری سے
طوافِ روضۂ شاہِ رسولاں کر کے چھوڑوں گا

خیال نعتیہ

بخشش کا سوالی بن کر جب سوئے محبوب گیا
امت کے گناہوں کا بیڑا دریائے کرم میں ڈوب گیا
پہنچا ہی دیا تا منزل حق تھا عشق جو خضرِ راہ مرا
ہے رشک فرشتوں کو مجھ پر اللہ غنی یہ جاہ مرا
فیضانِ محبت کے صدقے دل ہوگیا حق آگاہ مرا
آئینہ صفت خود صاف ہوا ہر داغ گنہ واللہ مرا
پلکوں سے نبیؐ کے روضے پر دینے کو جو میں جاروب گیا
اِس عشق نے چوب خشک کو بھی ہے خون کے آنسو رُلوایا
مسجد میں ستون حنّانہ فرقت میں نبیؐ کی چلّایا
الفت کی کشش تو وہ شے ہے دم بھر میں پلٹ دے جو کایا
کیا شک ہے جو رابعہ بصری کے دیدار کو کعبہ خود آیا
طالب نے جہاں دم توڑ دیا گھبرا کے وہاں مطلوب گیا
کانٹوں کا انھیں خطرہ کیسا شیدائے گلِ گلزار ہیں جو
ہے درد ہی ان کے دل کی دوا لذت کشِ ہر آزار ہیں جو
سختی سے نہ گھبرائیں گے کبھی الفت کے علمبردار ہیں جو
چھوڑیں گے نہ دامن صبر کا وہ راضی بہ رضائے یار ہیں جو
کیا کیا نہ مصیبت آئی مگر کب صبرِ دل ایوبؑ گیا
ڈوبا ہوا سورج پھر نکلا اعجازِ نبوت کیا کہیے
انگلی کا اشارہ پاتے ہی گردوں پہ قمر تھا دو ٹکڑے

انساں سے ہو کیوں توہین اُس کی اللہ جسے رتبہ بخشے
حیراں ہوا بوجہل اکفر کلمہ جو پڑھا کنکریوں نے
آیا تھا جمانے رعب مگر خود ہو کے لعیں مرعوب گیا

انداز جنوں کہتا ہے یہی ہے عشق نبیؐ سے تجھ کو اگر
بہتر ہے طوافِ کعبہ سے صحرائے مدینہ کا چکّر
خارِ رہِ طیبہ تلووں میں گردِ رہِ طیبہ چہرے پر
دیوانہ صفت سودائی نمط با حالِ پریشاں خاک بسر
برقؔ ان کی گلی سے یوں گزرے سب سمجھے کوئی مجذوب گیا

خمسہ در منقبت امیر المومنین اسد اللہ الغالب حضور سیدنا

علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کسی کے عشق میں عشاق کا طرز فغاں بدلا — محبت کی زمیں بدلی وفا کا آسماں بدلا
مٹیں فرسودہ رسمیں سب نظام دو جہاں بدلا — حرم میں نالۂ ناقوس باطرز اذاں بدلا
علیؑ آئے خدا کے گھر کی رونق کا سماں بدلا

حرم کو پاک کرنا تھا جو اس کا مقصد اولیٰ — امامت جھولنے دوشِ نبوت پر لگی جھولا
ہبل گر کر ہوا لنگڑا تو عزیٰ ہوگیا لولا — خدا کے شیر کی ہیبت سے یوں سینوں میں دم پھولا
مچی ہلچل بتوں نے رُخ سوئے ہندوستاں بدلا

تر و تازہ ہے تیرے دم قدم سے گلشن ایماں — قسم اللہ کی ہے سب کی گردن پر ترا احساں
شجاعت کو بھی تجھ پر ناز ہے اے اشجع الشجعان — ترے آتے ہی فوج دیں کی مشکل ہوگئی آساں
تیری جرأت سے ہر غزوہ کا نقشہ ناگہاں بدلا

چمن دیں کا ہے جوں کا توں چلی سو بار گو آندھی — پکارا یا علیؑ جب آنے والی ہر بلا بھاگی

تری مشکل کشائی نے کچھ ایسی دست گیری کی　　گرجتے رہ گئے بادل چمکتی رہ گئی بجلی
مگر اب تک نہ میں　　بدلا نہ میرا آشیاں بدلا

تری تلوار وہ ہے میان سے باہر اگر آئے　　پلک گرنے سے پہلے سینۂ دشمن میں درآئے
گئے جو سامنے تیرے نہ پھر واپس وہ گھر آئے　　فضا میں گیند کی مانند سر اڑتے نظر آئے
صفیں بچھ بچھ گئیں ایک　　پینترا تو نے جہاں بدلا

تعال اللہ یہ اعجاز زور بازوئے حیدرؓ　　نہ لایا تاب اک جھٹکے کی باب قلعہ خیبر
بھلا کس کھیت کی مولی تھے ظالم مرحب و عنتر　　ملیں روح الامیں تو برق ان سے پوچھئے جاکر
پروں پر ہے ابھی باقی کہ ضربت کا نشاں بدلا

خمسہ دیگر

چمکی ہے کس کے روئے منور کی روشنی　　ہے رشکِ طور خانہ داور کی روشنی
شیشہ سے بڑھ کے ہوگئی پتھر کی روشنی　　دیوار کعبہ دینے لگی در کی روشنی
اندر سمٹ کے آگئی باہر کی روشنی

شمع امید بنیؑ اطہر کی روشنی　　مہر جلال چہرۂ انور کی روشنی
رشکِ قمر جبین منور کی روشنی　　قربان خال رخ مہ و اختر کی روشنی
دنداں پہ لوٹ پوٹ ہے گوہر کی روشنی

پھیلی ہے تجھ سے علم کے جوہر کی روشنی　　مولا ہے تو رسولؐ کے منبر کی روشنی
کعبہ ہے گھر خدا کا تو اس گھر کی روشنی　　رہبر ہے راہ حق کی ترے در کی روشنی
تو سر بسر ہے نور پیمبرؐ کی روشنی

تیرے فرس کی ٹاپوں سے پتھر کی روشنی　　نکلی تو مات ہوگئی اخگر کی روشنی
قندیل عرش ہے ترے مغفر کی روشنی　　بجلی کہاں کہاں ترے خنجر کی روشنی
بجلی کی روشنی تو ہے دم بھر کی روشنی

پائے صبا نہ گرد ترے راہوار کی　　　پیدل لڑے تو ناپ دے گردن سوار کی
لایا نہ عَمرو تاب ترے ایک وار کی　　　دیکھی چمک دمک جو تری ذوالفقار کی
خیرہ تھی چشم مرحب و عنتر کی روشنی

خاکی ہے تو مگر ہے لقب تیرا بوتراب　　　ہے تیری بارگاہ مقدس ملک جناب
آنکھیں ملائے تجھ سے ہے سورج میں کب یہ تاب　　　آبِ دہن سے سرورِ دیں کے ہے فیضیاب
واللہ تیری چشم منور کی روشنی

آئے تھے پوچ پوچ کے لات ومنات کو　　　گل کرنے مصطفٰےؐ کی جو شمع حیات کو
ششدر ہوئے جو دیکھا وہاں تیری ذات کو　　　تھی تیرے جسم پاک پہ ہجرت کی رات کو
سایہ فگن رسولؐ کی چادر کی روشنی

انگشتِ حیدریؑ کی جو طاقت نہ سہہ گئی　　　پھاٹک کے ساتھ کفر کی دیوار ڈھ گئی
رن میں ہوائے نصرت حق جب کہ بہہ گئی　　　جھونکا لگا کچھ ایسا کہ گل ہو کے رہ گئی
دم بھر میں شمع قلعہ خیبر کی روشنی

دہشت سے تپ چڑھی تھی اگر آفتاب کو　　　لرزہ تھا تیرے تیر سے تیر شہاب کو
بڑھ بڑھ کے چومتے تھے فرشتے رکاب کو　　　دیکھا جو تیری تیغِ جلالت مآب کو
پراں تھی جبرئیلؑ کے شہپر کی روشنی

سینہ میں تیرے علم لدنی ہے منجلی　　　مہکی، ہے تجھ سے گلشن دیں کی کلی کلی
تو جانشیں نبی کا خدا کا ہے تو ولی　　　تاروں سمیت تجھ پہ نچھاور ہے یا علیؑ
پیر فلک کے گنبد اخضر کی روشنی

کیا امتحان علم کا لے تیرے ممتحن　　　مشکل کشا تجھے کوئی مشکل نہیں کٹھن
قربان میں تیری آنکھوں کے اے شاہِ انس وجن　　　دیکھی ہے تیری چشم بصیرت نے رات دن
بزم نبیؐ میں نور کے منظر کی روشنی

تو ہے نبیؐ کے دیں کے گلستاں کی آبرو　　　عرفاں کا سلسلہ ہے تری زلف مشکو
قدموں پہ جو جھکے ترے وہ گل ہیں سرخرو　　　نرگس کو تھی جو آنکھ لڑانے کی تجھ سے خو
اندھی ہے کھو کے چشم فسونگر کی روشنی

خود جس کی مدح خالق ارض و سما کرے — انسان اس کی مدح کرے بھی تو کیا کرے
اللہ مستجاب یہ میری دعا کرے — اے برقؔ خواب ہی میں کسی دن خدا کرے
دیکھوں جمالِ حیدرؓ صفدر کی روشنی

خمسہ در منقبت اسد اللہ الغالب امیر المومنین حضور سیدنا

علیؓ ابن ابی طالب

تری تیغ جس وقت رن میں چلی ہے — نہ روکے رکی ہے نہ ٹالے ٹلی ہے
تو وہ سورما ہے تو ایسا بلی ہے — لکھا عرش پر یہ بخط جلی ہے
کہ شیر خدا کوئی ہے تو علیؓ ہے

پجاتے تھے لوگوں سے اپنے کو بے حد — بنے تھے عرب کے خدائے اب وجد
لگے گرنے طاق حرم سے بھدا بھد — یہ کس شیر صفدر کی ہے آمد آمد
کہ بزم بتاں میں مچی کھلبلی ہے

پیام قضا اس کا وار اللہ اللہ — صراط عدم اس کی دھار اللہ اللہ
حسیں تیز رو آبدار اللہ اللہ — چمکتی ہوئی ذوالفقار اللہ اللہ
جلالت کے سانچے میں گویا ڈھلی ہے

جو کرنا تھا چشم زدن میں کر آئی — مراد اس کی ایک ایک کرکے بر آئی
اٹھا پھر نہ سر اس کا جس کے سر آئی — چڑھا رخ پہ جو اس کے دل میں در آئی
بڑی دلربا ہے بڑی منچلی ہے

نہ اعدا کے اڑتے ہوئے سر سے پوچھے — نہ خیبر کے اکھڑے ہوئے در سے پوچھے
نہ مرحب سے پوچھے نہ عنتر سے پوچھے — صبا جاکے جبریل کے پر سے پوچھے
کہ تیغِ علیؓ کس طرح سے چلی ہے

شکم پر بندھا بھوک سے گو ہے پتھر　　دہلتا ہے مرحب لرزتا ہے خیبر
نمازی کا مکھڑا مجاہد کے تیور　　نہیں اس میں شک کوئی ذرہ برابر
خدا کی قسم تو خدا کا ولی ہے

رگ دیں میں ہے تیرے خوں کی حرارت　　بندھا تجھ سے شیرازۂ دین و ملت
فدا تیرے قدموں پہ ہو کیوں نہ امت　　شہِ بحر و بر تیری شمع محبت
پتنگوں کے جلنے سے پہلے جلی ہے

نہ کیوں فاطمہؑ و علیؑ سے ہو الفت　　نہ کیوں دل کو حسنینؑ سے ہو محبت
نہ کیوں آل اطہارؑ سے ہو عقیدت　　خدا کی قسم روکشِ باغِ جنت
گلستانِ احمدؐ کی اک اک کلی ہے

ہے سر تا بپا نورِ ایماں کی مورت　　مجلّا ہے اس کا دل بے کدورت
اسے غازۂ حسن کی کیا ضرورت　　فرشتوں سے افضل ہے خود اس کی صورت
تری خاکِ در جس نے منہ پر ملی ہے

محبت کی شاما پھدکتی ہے جس جا　　مصائب کے بندھن سے مکتی ہے جس جا
فرشتوں کی رفتار رکتی ہے جس جا　　گداگر صفت خلق جھکتی ہے جس جا
وہ ہے تیرا کوچہ وہ تیری گلی ہے

نہ کی کفر نے دیں سے کیا کیا لڑائی　　مگر کوئی کہہ دے نہ کب منہ کی کھائی
نمایاں ہے اعجاز مشکل کشائی　　تری نسل اعدا نے جتنے مٹائی
بفضل خدا اتنی پھولی پھلی ہے

یہ بڑھتا ہوا کفر کا شور پُرشر　　نگاہوں میں مومن کی ہے خس برابر
عبث ہے پریشاں عبث تو ہے ششدر　　مقابل ہو اسلام کے کفر کیونکر
گلے گی نہ دال اس کی اب تک گلی ہے

سنچا ہے شہیدوں کے خوں سے جو یکسر　　اجاڑے گی کیا وہ چمن باد صرصر
زمانہ سے کہہ دو لگائے نہ ٹھوکر　　مٹے برق دنیا سے وہ قوم کیونکر
محمدؐ کی آغوش میں جو پلی ہے

خمسہ در منقبت شیر بیشہ شجاعت اسد اللہ الغالب امیر المومنین

سیدنا حضرت علی ابن ابی طالبؓ

نخل بند گلشنِ صبر و رضا ہیں مرتضیٰؑ　　طرۂ تاج شہیدانِ وفا ہیں مرتضیٰؑ
شمع بزم امت خیرالورا ہیں مرتضیٰؑ　　سر بسر مہر رسالت کی ضیا ہیں مرتضیٰؑ
"رونق دین محمد مصطفےٰؐ ہیں مرتضیٰؑ"

ہیں شیاطیں لرزہ براندام گھبرائے ہوئے　　لات و عزیٰ ہیبت حق سے ہیں تھرائے ہوئے
خانہ داور میں ہیں اس شان سے آئے ہوئے　　ہے جدار کعبہ بھی آغوش پھیلائے ہوئے
اس سے ثابت ہے کہ مطلوب خدا ہیں مرتضیٰؑ

گلشن صولت میں آئی ہے نئے سر سے بہار　　فخر کرتی ہے شجاعت بھی بریں دلدل سوار
ہر طرف گونجی ہوئی ہے یہ صدائے پُروقار　　لا فتا الاّ علی لا سیف الاّ ذوالفقار
وہ بہادر وہ جری وہ سورما ہیں مرتضیٰؑ

ناز کرتا اپنی کمبختی پہ اتراتا ہوا　　پیش مولا رن میں جب آیا وہ غراّتا ہوا
ذوالفقار حیدریؑ نے ہنس کے مرحب سے کہا　　خیریت منظور ہو تو دم دبا کر بھاگ جا
کچھ خبر بھی ہے تجھے شیر خدا ہیں مرتضیٰؑ

جان کی بازی لگی ہے سر ہے طاعت میں جھکا　　اس ادائے جاں نثاری کا بھلا کیا پوچھنا
اے شب ہجرت ببیں ایں عز و جاہ و مرتبہ　　بستر احمدؐ پہ ہیں اس شان سے جلوہ نما
سب سمجھتے ہیں محمد مصطفےٰؐ ہیں مرتضیٰؑ

دور دل سے اپنی قلت کا خیالِ خام کر　　پیرویٔ مرتضیٰ اے پیرو اسلام کر
اہل کثرت سے نہ ڈر یہ راز طشت از بام کر　　ایک جھٹکا جب دیا دو انگلیوں سے تھام کر
بابِ خیبر بول اٹھا مشکل کشا ہیں مرتضیٰؑ

فتح مکہ کا ہے دن ہر اہل حق ہے شادماں — طاق پر رکھے تھے جو ہیں خاک پر سجدہ کناں
مٹ نہ جائے برق کیوں باطل پرستی کا نشاں — دید کے قابل ہے یہ معراج مومن کا سماں
آج بردوش شہِ ہر دوسرا ہیں مرتضیٰؑ

خمسہ در منقبت پیکر صبر و استقامت شیر بیشہ شجاعت سلطان الشہداء حضور سیدنا

امام حسین علیہ السلام

سلام عطر بیز اس پر سرگروہ سرفروشاں پر — درود مشکبار اس پیکر اخلاق و احساں پر
دُرِ مدحت نثار اس معرفت کے مہر تاباں پر — گل مضموں تصدق اس بہار باغ رضواں پر
حسینؓ ابن علی یعنی شہنشاہ شہیداں پر

سلام اے ابن حیدرؑ تو بڑی ہی شان والا ہے — سلام اے نور حق تجھ سے ہی دنیا میں اجالا ہے
تجھی نے عشق کے بار امانت کو سنبھالا ہے — تجھی سے دہر میں انسانیت کا بول بالا ہے
ترا احساں رہے گا تا قیامت نوع انساں پر

سعادت دین و دنیا کی ترے حصہ میں آئی ہے — تجھے زیبا بزرگی ہے تجھے زیبا بڑائی ہے
خدا نے بے سبب کب تجھ کو بخشی ناخدائی ہے — تجھی نے ڈوبنے سے دین کی کشتی بچائی ہے
قسم اس کی میں کھا سکتا ہوں رکھ کر ہاتھ قرآں پر

رہیں گے رہتی دنیا تک ترے افکار مستحسن — بھرا ہے کارناموں سے ترے تاریخ کا دامن
مٹا سکتے نہیں دھویا کریں گو عمر بھر دشمن — خلیلِ حق کا جس سے نام دنیا میں ہوا روشن
تری قربانیاں ہیں چار چاند اس عید قرباں پر

فضائل ظاہر و باہر ترے قرآں کی آیت سے — حدیث مصطفےٰؐ بھی متفق تیری فضیلت سے
رسول پاک کا حلیہ عیاں ہے تیری صورت سے — بلندی کہکشاں کی پست تیرے اوج رفعت سے

فدا حسن مہ و انجم ترے روئے درخشاں پر

دبانے سے کہیں دبتا ہے رتبہ جس کا ہے عالی — چھپانے سے کہیں چھپتی ہے اہل دل کی پامالی
بتا تو روضہ شاہ رسل کی چوم کر جالی — نہیں خون شہیدانِ محبت کی جو یہ لالی

شفق کیسی یہ سرخی ہے تری عصمت کے داماں پر

پکاریں کیوں نہ ہم تم کو حوادث میں جو گھر جائیں — یقیں رکھتے ہیں تم چاہو تو بگڑے دن بھی پھر جائیں
تمہارا حکم ہو تو ڈوبنے والے بھی تر جائیں — مصائب کی ہیں جتنی بیڑیاں سب کٹ کے گر جائیں

نزول رحمت حق ہو ابھی برقِ پریشاں پر

نذرانہ عقیدت دربارگاہ رئیس العارفین سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نوازؒ

معین الدین چشتی اجمیریؒ

مسلمانوں کی کشتی اور ہے منجدھار یا خواجہؒ — ہے وقتِ ناخدائی تھام لے پتوار یا خواجہؒ
بڑی سرکار ہے تیری بڑا دربار یا خواجہؒ — کہیں تجھ سے نہ کیوں ہم اپنا حال زار یا خواجہؒ

کہ جب تو ہے سفیر احمدؐ مختارؐ یا خواجہؒ

رہِ عرفاں کی ہر دشوار گھاٹی تو نے سر کی ہے — ثنا خواں منزل حق بھی ترے عزم سفر کی ہے
عجب تاثیر شاہا تیری چشم حق نگر کی ہے — پلٹ دی اس کی کایا جس پہ تو نے اک نظر کی ہے

مرے دل کو بھی کر دے مطلع انوار یا خواجہؒ

عطا کر بادۂ توحید کا وہ جانفزا ساغر — خمار اترے نہ جس کا میکشوں سے تا دم محشر
ترے دامن سے وابستہ نہ ہوں اہل ولا کیونکر — مرے ساقی ہے تو نورِ نگاہِ ساقی کوثر

ترے دم سے ہے میخانہ بہشت آثار یا خواجہؒ

وہ مے دے جو کہ قطب الدین کاکیؒ کو پلائی تھی — وہ مے دے چھا گئی گنج شکرؒ پر جس کی سرمستی
وہ مے دے فیض سے صابرؒ نے جسکے صابری سیکھی — وہ مے دے جسکو پی کر جھوم اٹھا جیپال جوگی بھی

وہی صہبائے عرفاں مجھ کو ہے درکار یا خواجہؒ

لچک سنبل نے پائی ہے ترے پر کیف گیسو سے — مہک پھولوں میں آئی ہے تری جاں بخش خوشبو سے
پپیہا نغمہ پی پی سے کوئل مست کوکو سے — چڑھا اک رنگ ہے سب پر ترے ذکر ھوالھو سے
تر و تازہ ہے تجھ سے عشق کا گلزار یا خواجہؒ

سمٹ کر مرکز وحدت پہ آئے نوع انسانی — کھلیں آنکھوں کے پردے کھول دے اسرار قرآنی
ضیا بخشی کر ایسی اے چراغ بزم روحانی — صفائے قلب میں ہو بایزیدؒ و شبلیؒ ثانی
ترے خمخانہ عرفاں کا ہر میخوار یا خواجہؒ

سکوں پائیں نہ کیوں ٹوٹے ہوئے دل تیرے کوچے میں — کہ جب آسان ہو جاتی ہے مشکل تیرے کوچے میں
جمی ہے کوثر آشاموں کی محفل تیرے کوچے میں — یہ چل کر آئے ہیں منزل بمنزل تیرے کوچے میں
مئے عشق نبیؐ سے کر انھیں سرشار یا خواجہؒ

خدا نے تجھکو بخشی بحر غم کی ناخدائی ہے — مدد سے تیری منھ مانگی مراد اک نے پائی ہے
ہزاروں قیدیوں کو قید سے بخشی رہائی ہے — ہزاروں غمزدوں کی ڈوبتی کشتی ترائی ہے
مرا بھی کردے بحر غم بیڑا پار یا خواجہؒ

حریفوں نے تو طاقت آزمائی آزمانے کو — مگر رکتے نہ دیکھا عاشقوں کے آنے جانے کو
سرافرازی خدا نے دی ہے تیرے آستانے کو — عطا کر وہ تاثر برقؔ کے دلکش ترانے کو
کہ یہ خمسہ بھی ہو منجملۂ اذکار یا خواجہؒ

خمسہ در فضیلت ماہِ رمضان المبارک

فدا تھا جس کے نورانی سماں پر نیّر اعظم — خجل تھا جس کے اوج مرتبت سے چرخ نہ طارم
بندھا تھا جس کے دم سے قوم کا شیرازۂ برہم — فلک سے بارشِ انوارِ یزداں جس میں تھی پیہم
دل مومن نہ کیوں اُس ماہ کی فرقت سے ہو پُر غم

منور نورِ حق سے جس میں ہر مومن کا سینہ تھا — دلِ اہلِ ولا ایماں کی دولت کا خزینہ تھا
غریق قلزمِ عصیاں کے حق میں جو سفینہ تھا — نمایاں خاتم توحید میں مثل نگینہ تھا
تھی جس میں ایک شب خیر من الف شہر اے ہمدم

مقید حکم حق سے جس میں تھا ابلیس کا لشکر — در دوزخ تھا جس میں بند وا جنت کا تھا ہر در
نمازی جس میں تھے زینت دہِ ہر مسجد و منبر — دلالت کر رہی ہے جس کے اعزازِ فضیلت پر
کلام حضرتِ رب العلا کی آیۂ محکم

گنہ گاروں نے توبہ جس میں کر لی تھی گناہوں سے — بہا تھا اشک ہو کر خونِ دل آنکھوں کی راہوں سے
نمایاں جوہر عصمت تھا شرمیلی نگاہوں سے — تپش آمادہ تھی بزم گنہ پُرسوز آہوں سے
ہوا تھا جس میں ہر سرکش مطیع سرور عالمؐ

حضورِ دل سے جس میں لطف آتا تھا عبادت کا — کھلا رہتا تھا جس میں رات دن دروازہ رحمت کا
مزہ آتا تھا جس میں صوم و افطار و تلاوت کا — برابر فرض کے ملتا تھا جس میں اجر سنت کا
مریض ہر گنہ کے حق میں تھا جو عیسی مریم

حقیقت اسکے جلووں کی جو ظاہر تجھ پہ ہو کھل کر — نظر آئے زمانہ مطلع انوار سر تا سر
وداع ماہ رمضاں کے الم سے اے ہنر پرور — دلوں کی بے قراری کا اگر تو دیکھ لے منظر
جھڑی اشکوں کی بندھ جائے مثال گریہ شبنم

دم افطار جمتی تھیں صفیں یوں روزہ داروں کی — لب کوثر لگی ہو بھیڑ جیسے بادہ خواروں کی
نظر کے سامنے ہیں صورتیں پرہیزگاروں کی — رہے گی سال بھر تک یاد ان رنگیں نظاروں کی
نہ بھولیں گے کبھی اے برقؔ اس دلکش سماں کو ہم

خمسہ

مئے دو آتشہ الفت کی پی کر رقص کرتا ہے — شرابِ معرفت سے مثل ساغر رقص کرتا ہے
ہے فطرت اس کی سیمابی برابر رقص کرتا ہے — خیال اس شوخ کا یوں دل کے اندر رقص کرتا ہے
حرم میں جس طرح کوئی کبوتر رقص کرتا ہے

تعالی اللہ یہ اعجاز عشق خالقِ اکبر — خموشی پر مری اب روح گویائی بھی ہے ششدر
سخن کا جس کو دعویٰ ہو ملائے مجھ سے آنکھ آکر — دم تقریر واعظ جوش میں رقصاں ہے منبر پر
مرے پاؤں کی آہٹ پا کے منبر رقص کرتا ہے

عروس عشق کا ہر کام ہے نیارا ارے توبہ
بیک عشوہ جسے چاہا اسے مارا ارے توبہ
محبت کا محل اور خون کا گارا ارے توبہ
کسی کے ابروئے پُرخم کا نظارہ ارے توبہ
مری نظروں کے آگے جیسے خنجر رقص کرتا ہے

نظر آئے بھلا کیا وا نہ ہو جب دیدۂ بینا
نہاں ہے یوں تو ہر ذرہ میں شانِ وسعت صحرا
لئے سینے میں اپنے ایک طوفانِ فلک پیما
خدا جانے ملا ہے اس میں آکر کونسا قطرا
جو یوں گرداب بن بن کر سمندر رقص کرتا ہے

کبھی کم شان ارباب تجمل ہو نہیں سکتی
مصیبت کوئی سد راہ بالکل ہو نہیں سکتی
جلی ہے دل میں شمع آرزو گل ہو نہیں سکتی
اسیری مانعِ پرواز بلبل ہو نہیں سکتی
فضا میں دیکھ لو ٹوٹا ہوا پَر رقص کرتا ہے

پھرے آوارہ جو تا زندگی دیدار کی خاطر
پسِ مُردن فنا ہو کر بھی جی ان کی نہیں اِستھر
حقیقت لاکھ پردوں میں بھی چھپ کر رہتی ہے ظاہر
جو دیوانوں کی خاک اس میں نہیں شامل تو برق آخر
بگولہ کھا کے کیوں چکر پہ چکر رقص کرتا ہے

خمسہ در فضائل کلمہ طیب

انوار کا مصدر الا اللہ اسرار کا حامل الا اللہ
ٹکرائیں حقیقت کی موجیں جس سے ہے وہ ساحل الا اللہ
آئینۂ لا میں دیکھ ذرا ہے مدِّ مقابل الا اللہ
اقرار نفی ہے کلمہ لا اثبات کا حاصل الا اللہ
ہے جادۂ عشق میں سالک کا خضرِ رہِ منزل الا اللہ

لا کہتا ہے جس دم دل سے کوئی کُل عالم کی کرتا ہے نفی
اور الا اللہ کے متن میں ہے تفسیر وجودِ وحدت کی
نافہم کوئی کیا سمجھے اسے جو بات ہے دو لفظوں میں چھپی
دراصل یہ کلمہ بر حق ہے اسرارِ حقیقت کی کنجی
عرفان جو حاصل کرنا ہے پڑھ شوق سے اے دل الا اللہ

ہے کلمۂ طیب وہ خنجر کرتا ہے سرِ باطل جو قلم
لے کام جو اس سے پھر اس کو کس بات کا ڈر کس چیز کا غم
اک مست الست قلندر کا ہے خوب یہ قولِ مستحکم
جو ورد رکھے اس کا ہر دم دور اس سے رہے ہر رنج و الم
کیونکر وہ پھنسے آفت میں کہ ہے غارت گرِ مشکل الا اللہ

مضطر جو پڑھے اس کو دل سے تو جائے طبیعت اس کی بہل
مغموم جو اس کا ورد کرے کردے یہ تمام اشکال کو حل
دھو دیتا ہے یکسر میل گنہ کھل جاتا ہے اس سے دل کا کنول
سچ ہے کہ صفائے باطن میں بہتر نہیں اس سے کوئی عمل
ارباب طریقت کے حق میں ہے مغز مشاغل الا اللہ

کافر کو بنا دینا مومن ادنیٰ سا کرشمہ ہے اس کا
حاجت ہے نہ کچھ بپتسمہ کی جھگڑا ہے نہ شدھی کرنے کا
اے برقؔ یہ کلمہ جس نے پڑھا چکر سے تناسخ کے چھوٹا
مکتی ہو تجھے منظور تو آ اے دوست صفِ اسلام میں آ
اک چشم زدن میں ناقص کو کر دیتا ہے کامل الا اللہ

تضمین بر کلام قدسیؒ

در نعت سرورِ کائنات ﷺ

مظہر شان خدا سرورِ عالی نسبی
شافع روز جزا وقت شفاعت طلبی
تجھ کو سب کہتے ہیں اللہ کا محبوب نبیؐ
مرحبا سید مکی مدنی العربی
دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

تیرے ہی نور سے پیدا ہوا سارا عالم
اے شہہِ کون و مکاں باعثِ فخر آدم
جس حسین نے تجھے دیکھا یہ کہا حق کی قسم
من بیدل بجمال تو عجب حیرانم
اللہ اللہ چہ جمال است بدیں بوالعجبی

دل مدینہ کی تمنا میں بے حد مضطر
ہجر میں تیرے ہے اب ہند میں جینا دوبھر
تجھ سے فریاد یہی ہے مری بادیدۂ تر
چشم رحمت بکشا سوئے من انداز نظر
اے قریشی لقبی ہاشمی و مطلبی

تیری تعلیم مساوات کا وہ فیض ہے عام — ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں آقا و غلام
اے شہنشاہ رسل باغ و بہار اسلام — نخل بستان مدینہ زتو سرسبز مدام
زاں شدہ شہرۂ آفاق بہ شیریں رطبی

انبیا جن کی ہدایت کے لیے تھے مامور — ان کی تفہیم کو لازم تھی زباں ان کی ضرور
ہے یہی خالق عالم کا ازل سے دستور — ذات پاک تو چو در ملک عرب کردہ ظہور
زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

جب ترے نور کو اللہ نے چمکایا تھا — تب نہ آدم کا نشاں تھا نہ وجود ہوا
شاہد عدل ہے اس بات کا لولاک لما — نسبت نیست بذات تو بنی آدم را
برتر از عالم و آدم تو چہ عالی نسبی

گرمئ حشر سے جل کر بہ تمنائے نجات — حوض کوثر پہ تجھے دیکھ کے اے موج صفات
کیا عجب زور سے چلائے یہ پیاسوں کی برات — ما ہمہ تشنہ لبانیم و توئی آب حیات
رحم فرما کہ زحد می گذرد تشنہ لبی

فضل حق سے ہوئی دم میں تری طے گلگشت — بھر گیا مائے مسرت سے طبیعت کا طشت
اور تھے جتنے مسافر وہ پھرے دشت بہ دشت — شبِ معراج عروجِ تو ز افلاک گذشت
بمقامیکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

تیری گلیوں سے گذرنا یہی کیا اس کو ہے کم — ہند میں میں وہ مدینہ میں ترے زیر قدم
فخر قربت اسے حاصل مجھے دوری کا ہے غم — نسبت خود بہ سگت کردم و بس منفعلم
زانکہ نسبت بہ سگ کوئے تو شد بے ادبی

آگ سینوں میں دبی عشق کی ہے صورت راز — کون سا دل ہے نہیں جس میں ترا سوز و گداز
مثل پروانہ فدا ہونے کو اے شمع حجاز — بہ در فیض تو استادہ بصد عجز و نیاز
ہندی و رومی و طوسی یمنی و حلبی

خواب ہی میں سہی شکل اپنی تو دکھلا دو کبھی — برقؔ کو ایک زمانے سے یہی لو ہے لگی
کب تک آخر یہ سہے صدمہ درد دوری — سیدی انت حبیبی و طبیب قلبی
آمدہ سوئے تو قدسی پئے درماں طلبی

تضمین بر اشعار حضرت جامیؒ

وہ فخرِ انبیا و شہنشاہ بحر و بر　　معراج میں جو ہفت فلک سے گئے گزر
قدوسیان عرش پہ بولے جھکا کے سر　　یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر

سمجھے تھے سب بڑھ کے حسیں ہیں ہمیں مگر　　غارِ حرا میں سرور عالمؐ کو دیکھ کر
جبریل نے بچھا دیے یہ کہہ کے اپنے پَر　　یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر

کی ابن سعدؓ نے یہ روایت ہے معتبر　　بصرہ کے آئے وقت ولادت محل نظر
فرمایا آمنہ نے یہ اعجاز دیکھ کر　　یا صاحب الجمال و سید البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر

مدحت میں تیری مست ہے ہر پھول ہر شجر　　سبزہ بھی محوِ وجد ہے کیا کیا نکھر نکھر
گاتی ہیں بلبلیں یہ ترانہ دم سحر　　یا صاحب الجمال و یا سید البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر

شبنم سے کر کے صحن میں گلزار کے وضو　　کہتے ہیں سب یہ اہل چمن ہو کے قبلہ رو
اے رشک گل ہے حاصل فصلِ بہار تو　　لا يمكن الثناء كما كان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

روز حساب تو ہی بچائے گا آبرو　　ہم عاصیوں کا ایک سہارا ہے صرف تو
روشن ہے تجھ سے شمع شبستانِ آرزو　　لا يمكن الثناء كما كان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

قائم ہے تجھ سے گلشن ہستی کی آبرو　　مہکا ہے تیرے دم سے گلستانِ رنگ و بو
باد صبا نے کی ہے منادی یہ چار سو　　لا يمكن الثناء كما كان حقه
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تھی یوں تو سب کو تیرے سراپا کی آرزو نقشہ مگر نہ کھینچ سکا کوئی مو بمو
جامیؔ نے برقؔ ختم کی یہ کہہ کے گفتگو لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

تضمین بر غزل

سلطان العارفین حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ

بلطفِ او بصد شوق و بحال زار می رقصم بہ ایمائے نگاہش صورت میخوار میں رقصم
بچشم اشک بار و بادلِ سرشار می رقصم نمی دانم کہ آخر چون دمِ دیدار می رقصم
مگر نازم بایں ذوقے کہ پیشِ یار میں رقصم

اگر مشہور عالم ہے تری تلوار کی تیزی تو ہے مرے لہو کی بھی شفق میں رنگ آمیزی
تم محوِ کار جلادی میں مثل شمس تبریزیؒ تو آں قاتل کہ از بہر تماشا خون من ریزی
من آں بسمل کہ زیرِ خنجر خونخوار میں رقصم

مرا سینہ رہے کب تک امینِ راز ہمرازاں سہی جاتی نہیں اب تو سخن چینئ غمازاں
خبر لے اب طبیبِ حالتِ ناسازِ ناسازاں بیا جاناں تماشا کن کہ در انبوہِ جانبازاں
بصد سامانِ رسوائی سرِ بازار می رقصم

شناسائے حقیقت ہوں بفیضِ دیدۂ بینا بتوں میں دیکھتا ہوں اب تو میں اللہ کا جلوا
بغل میں مے کی بوتل ہے وضو کا ہاتھ میں کوزا خوشا رندی کہ پامالش کند صد پارسائی را
زہے تقویٰ کہ من باجبہ و دستار میں رقصم

فنا فی العشق ہوں عینِ خوشی ہے مجھ کو اب ہر غم مرا ہر قول ہے راسخ مرا ہر عزم مستحکم
ہے صادق برقؔ اب مجھ پر یہ قولِ قبلۂ عالم منم عثمان ہارونیؒ کہ یارِ شیخ منصورم
ملامت می کند خلقے و من بردار میں رقصم

تضمین بر غزل طوطیٔ ہند

حضرت امیر خسرو دہلویؒ

غمزوں کے چلاتا ہے سینہ پہ مرے آرے
ظالم نے یہ سوچا ہے بے موت مجھے مارے
دزدیدہ نگاہوں کے اللہ رے نظارے
آمادہ بقتل من آن شوخ ستمگارے
این طرفہ تماشہ بین نا کردہ گنہ گارے

کب تک کوئی رنج و غم برداشت کرے پیہم
چاہے جو نتیجہ ہو لکھتے ہیں اسے اب ہم
دیدار کو بس تیرے آنکھوں میں رکا ہے دم
اے عیسیٰ بیماراں در ہجر تو رنجورم
شاید نہ خبرداری از حالت بیمارے

اس شوخ کے کوچے میں جس دم ہو گزر تیرا
از راہ کرم اتنا اے باد صبا کہنا
جز اس کے کسی صورت ہونے کا نہیں اچھا
خواہی کہ شفا باشد بیمار محبت را
اک جرعہ خدارا دہ از شربتِ دیدارے

جس وقت کہے تجھ سے وہ شوخ، کہو قاصد
سب حال سنا دینا پھر جو ہو سو ہو قاصد
غصہ بھی جو ہو جائے ڈرنا نہ سنو قاصد
گر نام و نشانِ من پرسند بگو قاصد
آوارہ و مجنونے رسوا سرِ بازارے

محروم نظارہ بھی اے برقؔ نہیں بدظن
محتاجِ تعارف ہے کب ان کا رخِ روشن
بے دیکھے بھی اس گل کو قابو میں نہیں جب من
از لذت دیدارش خسروؒ چہ تواں گفتن
نقدِ دل و جاں دادم نادیدہ رخِ یارے

تضمین بر غزل

حضرت نصیر الدین چراغ ہند دہلویؒ

پوچھو نہ مری ہستی میں کیا ہوں حجاب اندر   کیفیتِ نشہ ہو جیسے مئے ناب اندر
یا آب سا ظاہر ہو جس طرح سراب اندر   بے کارم و باکارم چون مد بہ حساب اندر
خاموشم و گویانم چون خط بہ کتاب اندر

آواز سنائی دی پہلے مجھے جھینگر سی   بعد اس کے نظر آئی اک جوت مہ و خورسی
پھر دیکھ لیا میں نے سب عرش ہو یا کرسی   اے زاہد ظاہر بیں از قرب چہ می پُرسی
او درمن و من دروے چون بو بہ گلاب اندر

رستہ نہ ہو دیکھا تو' ہو لاکھ کوئی عاقل   بے مرشد کامل کے ملتی ہے کہاں منزل
خود اپنی حقیقت کی پہچان بھی ہے مشکل   گہ شادم و گہ غمگیں از حال خودم غافل
می گریم و می خندم چون طفل بہ خواب اندر

اسرار کو پہنچے گا اے دل نہ خرد ہرگز   بے جوشِ جنوں ہوگی حاصل نہ مدد ہرگز
حیرانی عاشق کی ہوتی نہیں حد ہرگز   دریا رود از چشمم لب تر نہ شود ہرگز
این رمز عجائب بین لب تشنہ بہ آب اندر

بے لوث محبت ہو اس گل کی جسے بے حد   اے برقؔ بتاؤں کیا میں اس کا کوئی مقصد
اس کی ہی زبانی سُن جو کچھ کہ ہے نیک و بد   در سینۂ نصر الدیں جز عشق نمی گنجد
این طرفہ تماشہ بین دریا بہ حباب اندر

تضمین بر غزل قدوۃ السالکین

حضرت فخر الدین عراقیؒ

کوئی ہے پری کا عاشق کوئی حور کا فدائی — جسے دیکھو ماسوا سے ہے بس اس نے لو لگائی
مجھے تو بنا لے اپنا ترے نام کی دُہائی — صنما رہے قلندر سزد ار بہ من نمائی
کہ دراز و دور دیدم رہ و رسم پارسائی

یہ ریا و ریو کیونکر نہ ہو خلق میں زباں زد — کہ بظاہر اور مقصد ہے بباطن اور مقصد
ہے یہی سبب کہ اے دل بہ جوابِ نیت بد — بہ زمیں چو سجدہ کردم ز زمیں ندا برآمد
کہ مرا خراب کردی تو بہ سجدۂ ریائی

یہ ہزار دانہ سبحہ، یہ نمائشی ہر اک شے — بہ شکار سادہ لوحاں بہ کمندِ زہد تا کے
ہے اسی کا نام عرفاں، یہی معرفت اگر ہے — نیم اہل زہد و تقویٰ بہ من آر ساغر مے
کہ بصدق توبہ کردم ز عبادت ریائی

ہے ترا خودی کا رستہ مرا بے خودی کا رستا — جہاں ختم ہے تری حد، مجھے ہے وہاں سے چلنا
میں بھلا ہوں یا بُرا ہوں، مجھے چھیڑ تو نہ بابا — چو زیاد مست گشتم چہ کلیسا و چہ کعبا
چو بہ ترک خود گرفتم چہ وصال و چہ جدائی

ترے عشق میں ہے مرنا، ترے عشق میں ہے جینا — کسی اور سے نہ مطلب کسی اور کی نہ پروا
تری یاد کے علاوہ مرے پاس اور ہے کیا — نہ زر و نہ سیم دارم نہ دل و نہ دین و دنیا
منم و حریف کنجے و نوائے بہ نوائی

کوئی بدنصیب مجھ سا نہ جہاں میں ہوگا شاید — ہے گناہوں کے سبب سے مرا حال خستہ و بد
مری ناقبولیت کی بقسم کہ ہو گئی حد — چو بطوف کعبہ رفتم ز حرم ندا برآمد
تو برون در چہ کردی کہ درون خانہ آئی

نہ حرم کی طرح لیکن مجھے دیر میں کہا بد — بخیال دل نوازی مری آرزو نہ کی رد
کہوں کیا میں برق تجھ سے کہ بہ التفات بیحد — در دیر کوفتم چون ز دروں ندا بر آمد
کہ بیا بیا عراقی تو ز خاصگان مائی

تضمین برغزلِ مجاھد ملت عارف ربانی

حضرت مولانا حسرت موہانیؒ

فریاد تجھ سے اے مرے مولائے عشق ہے — ہر سو ریا کا جال بچھا جائے عشق ہے
خطرے میں آبروئے مصلائے عشق ہے — اہل ہوس کو بھی سر سودائے عشق ہے
یہ کفر ہے یہ دعویٰ بیجائے عشق ہے

جلوہ طراز نیّر سیمائے عشق ہے — عالم تمام وادیٔ سینائے عشق ہے
فرقت کی رات صبح تجلائے عشق ہے — روشن خیالِ یار سے دنیائے عشق ہے
گویا شرابِ حسن بہ مینائے عشق ہے

اہل جنوں کا مقصدِ اولیٰ ہے عشق رب — وہ مل گیا تو مل گیا ملنا تھا جو وہ سب
رہتی ہے سوزِ عشق کا یہ ڈھونگ بے سبب — کہتی ہے عقل دین بھی دنیا بھی کر طلب
ان سب سے منہ کو موڑ یہ ایمائے عشق ہے

دامن بھگوئے کیوں وہ مئے نابِ زہد سے — گھبرا کے چونک اٹھے نہ کیوں خواب زہد سے
کترائے کیوں نہ حلقۂ اصحابِ زہد سے — کیا کام اسے طریقۂ اربابِ زہد سے
جو پیروِ شریعتِ غرّائے عشق ہے

رندوں کا منہ چڑھانے کی پھبتی اگر کہی — ناداں ادھیڑ دوں ترا بخیہ میں تو سہی
سُن اے اسیرِ دامِ خیالاتِ گمرہی — مستی ہے اصطلاحِ محبت میں آگہی
بیگانۂ خرد ہے جو دانائے عشق ہے

سرمایۂ حیات ہے اک اک شعارِ حسن — کیوں عاشقوں کی جاں نہ ہو منت گزارِ حسن
دیکھ اس کو تو سہی مرے پروردگارِ حسن — نکلا جو تیری یاد میں اے نو بہارِ حسن
وہ اشک ہے کہ لولوئے لالائے عشق ہے

کردیں ادب سے گردنِ تسلیم کیوں نہ خم — شکوے تمام شکر میں ہو جائیں کیوں نہ ضم
الفت کی راہ و رسم کو ہم جانتے ہیں ہم — مدت کے بعد پھر ہوئے وہ مائلِ کرم
یہ بھی تو اک طریقۂ احیائے عشق ہے

اُس رندِ پختہ کار نے مستی میں جو کہا
سینے کو چیرتا ہوا دل میں اُتر گیا
اہل صفا کی بزم میں اے برقؔ خوش نوا
حسرتؔ کا ہو بلند بھلا کیوں نہ مرتبا
خدمت گزارِ حضرت والائے عشق ہے

دیگر

چاہیے کیا ہمیں عرفان کی دولت کے سوا
کیوں کسی سمت جھکیں درسِ حقیقت کے سوا
کیا کیا شیخ نے رندوں پہ ملامت کے سوا
کچھ بھی حاصل نہ ہوا زہد سے نخوت سے سوا
شغل بیکار ہیں سب ان کی محبت کے سوا

پیکرِ عفو کوئی تجھ سا بشر اور کہاں
کس کو ڈھونڈے کوئی بادیدۂ تر اور کہاں
تیرے دامن کے سوا اُٹھے نظر اور کہاں
حشر میں تابِ جہنم سے مفر اور کہاں
اہلِ عصیاں کو ترے سایۂ رحمت کے سوا

عمر بھر راہِ وفا میں جو پھریں خاک بسر
اہلِ الفت ہی کا دل ہے یہ انھیں کا ہے جگر
صاف لفظوں میں یہ کہہ دے کوئی ان سے جا کر
علم و حکمت کا جنھیں شوق ہو آئیں نہ ادھر
کچھ نہیں فلسفۂ عشق میں حیرت کے سوا

حور کا حسن ہو یا دلکشیٔ روئے صنم
کچھ بھی مقصود نہیں تیرے سوا تیری قسم
اب ہمیں دیر سے مطلب نہ ہے پروائے حرم
سب سے منھ موڑ کے راضی ہیں تری یاد سے ہم
اس میں اک شانِ فراغت بھی ہے راحت کے سوا

جلوہ افگن ہے کہیں سوز کہیں ساز ترا
چیستاں پھر بھی ہے عالم میں ہر انداز ترا
جز دلِ برقؔ جو ہے عاشقِ جانباز ترا
عقل حیران ہے اے جانِ جہاں راز ترا
کون سمجھے دلِ دیوانۂ حسرت کے سوا

تضمین بر شعر

حضرت مولانا محمد علی جوہرؒ

فاسق کے سلبِ جاہ کا دورِ جدید ہے
مومن کے جوشِ عزم کا ماہِ سعید ہے

قرباں جلالِ ماہ محرم پہ عید ہے — قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

مظلومیت میں قوتِ بطش الشدید ہے — ظالم مآل کار جہنم رسید ہے
عزت کی موت قفلِ ظفر کی کلید ہے — قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

باغِ ارم میں طائرِ روحِ شہید ہے — قدوسیانِ عرش سے گفت و شنید ہے
لیکن ستم شعاروں کی مٹی پلید ہے — قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

روزِ جہاد مومنِ کامل کی عید ہے — سینہ کا زخم تمغۂ عزِ شہید ہے
مردانگی کی موت حیات آفرید ہے — قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

شاخِ شجر کو دیکھ اگر شوقِ دید ہے — بالیدگی نتیجۂ قطع و برید ہے
رکھ یاد برقؔ اسے کہ یہ نکتہ مفید ہے — قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

دل بیدار پیدا کر

تضمین بر اشعار علامہ اقبالؒ

سکونِ دل کے طالب یاد رکھ یہ بات اسراری — جگائے رکھ اسے تجھ کو اگر ہے زندگی پیاری
جو دل کو نیند آجائے تو خوابِ مرگ ہو طاری — دلِ بیدار فاروقی دلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

معاذ اللہ یہ غفلت کہ بھولا ہے تجھ رب تک — نثار حُبِّ دنیا کرچکا ہے روحِ مذہب تک
رہے گا چار دن کی زندگی کا عیش یہ کب تک — دلِ بیدار پیدا کر کہ دل خوابیدہ ہے جب تک
نہ تیری ضرب ہے کاری نہ میری ضرب ہے کاری

تمنا ہے یہ درویشوں کی جھولی ان کی بھر جائیں　　خراج سلطنت مانگے سوئے سلطاں اگر جائیں
لگائے جال سب ہر سمت بیٹھے ہیں جدھر جائیں　　خداوندا یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

عروسِ علم حاضر سے ہوئی جب سے مری شادی　　طبیعت مضمحل ہے دل پریشاں روح فریادی
خدا جانے یہ منزل کون سی ہے کونسی وادی　　مجھے تہذیبِ حاضر نے عطا کی ہے وہ آزادی
کہ ظاہر میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری

نہ مجھ برقِ حزیں سے مرے آقا بے نیازی کر　　مریضِ دردِ عصیاں ہوں خدارا دل نوازی کر
نہ مجھ کو تختۂ مشق اطبائے مجازی کر　　تو اے مولائے یثرب آپ میری چارہ سازی کر
مری دانش ہے افرنگی مرا ایماں ہے زناری

من کی دنیا اور تن کی دنیا

تضمین بر اشعار علامہ اقبالؒ

پھر بہار آئی بڑھا پھر ہر شجر کا بانکپن　　شاخِ گل پھر بن گئی گلشن میں شمع انجمن
پھر پلیتہ داغنے آ پہنچی سورج کی کرن　　پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغِ چمن

میں نے دیکھا باغ میں سروِ سہی پر تحت وفوق　　قمریاں ڈالے ہوئے گردن میں دیدہ زیب طوق
یہ ترانہ گا رہی تھیں با ہزاراں کیف و ذوق　　من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دولت پا کے موسیٰؑ کو ملی فتح مبیں　　تن کی دولت لے کے قاروں دھنس گیا زیر زمیں
اب بھی کیوں ہوتا نہیں اے ناسمجھ تجھ کو یقیں　　من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن

حرص نے تجھ کو دکھایا سبز باغِ زندگی
جس کو تو دولت ہے سمجھا، وہ ہے داغِ زندگی
پیشتر اس سے کہ بجھ جائے چراغِ زندگی
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

من کی دنیا کے بسانے والے ہیں وہ خوش مزاج
کرتے ہیں بہرِ رضائے حق جو ہر اک کام کاج
ان کے در کے ہیں بھکاری صاحبانِ تخت و تاج
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن

برقؔ نے اقبالؔ سے پوچھا کہ اے نیکو صفات
سچ بتا کس نے بتائے تجھ کو اسرارِ حیات
رو دیا یہ کہہ کے وہ روشن ضمیرِ کائنات
پانی پانی کرگئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

عشق اور اس کے مقامات

تضمین بر اشعار حضرت علامہ اقبالؒ

اے دلِ دنیا طلب محوِ تمنائے خام
عیش و طرب پر فدا، حرص و ہوس کے غلام
نفس کے چکر میں کیوں، تو ہے پڑا صبح و شام
ہیں یہ نقوشِ جہاں، حادث و فانی تمام
عشق ہے اصلِ حیات موت ہے اس پر حرام

کیوں نہ اسے ہم کہیں، شمعِ حقیقت کی لو
اس کی تب و تاب سے، مات ہے سورج کی ضو
شورشِ طوفاں ہے یہ، خود ہی لئے در جلو
تند و سبک سیر ہے، گرچہ زمانے کی رو
عشق خود اک سیل ہے، سیل کو لیتا ہے تھام

آنکھ کے تل میں ہے جب وسعتِ ارض و سما
بوالہوس کم نظر عشق کو سمجھا ہے کیا
عشق کی آنکھوں سے دیکھ غیب نظر آئے گا
عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

عقل کے تابوت میں، عشق نے ٹھونکی جو کیل — منزلِ حق کا نظر آنے لگا سنگِ میل
کانپ اٹھا فلسفی، ٹوٹ گئی ہر دلیل — عشق دلِ مصطفےٰ، عشق دمِ جبرئیل
عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام

عشق کی بیٹھی ہوئی، سب کے دلوں پر ہے دھاک — عشق اگر ہو نہ تو، سارا جہاں ہو ہلاک
عشق کی ہستی سے ہے، زندہ گلستاں کی خاک — عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام

نالہ لبِ برق پر، سینۂ نَے میں سرود — آگ ہے چقماق میں، ہیزمِ سوزاں میں دود
عشق ہی کے دم سے ہے، بزمِ جہاں کا وجود — عشق فقیہہ حرم، عشق امیرِ جنود
عشق ہے ابن السبیل اس کے ہزاروں مقام

مردمومن اوراس کی خصوصیات

تضمین براشعار حضرت علامہ اقبال

گلشن توحید کے، بلبل نغمہ طراز — تری نواؤں میں کیوں، اب وہ نہیں سوز و ساز
کیف سے خالی ہیں کیوں، تیرے سجودِ نیاز — آ کہ بتاؤں تجھے، بندۂ مومن کا راز
تاکہ عیاں تجھ پہ ہو، اس کا نیاز اس کا ناز

محرمِ اسرار ہے، مومنِ کامل کی ذات — کون ہے اس کے سوا، واقفِ رازِ حیات
بیعت رضواں سے یہ کھل گئی پوشیدہ بات — ہاتھ ہے اللہ کا، بندۂ مومن کا ہات
غالب و کار آفریں، کار کشا کار ساز

اس کی ہدایات ہیں، مشعلِ راہِ نجات — اس کے خیالات ہیں، کاشفِ اسرارِ ذات
اس کے کمالات ہیں، آئینۂ معجزات — خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی، اس کا دلِ بے نیاز

عہد کہن کو دیا، اس نے پیامِ رحیل — اس کی اذانوں سے فاش، سرِّ کلیم و خلیل
اس کے سمندر کی موج، دجلہ و دینوب و نیل — اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہہ دل نواز

صدق و صفا کے سبب، نیک دل و سرخرو — زہد و ورع کے سبب، حاملِ طبعِ
علم و عمل کے سبب، خلق میں باآبرو — نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز

فخرِ وطن فخرِ دیں، فخرِ زمان و زمیں — حاملِ خُلقِ عظیم، تاجِ شرف کا نگیں
خوب ہے اقبالؔ کا برقؔ یہ قولِ متیں — نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقیں
اور یہ عالم تمام، وہم و طلسم و مجاز

تضمین برغزل

جنابِ شورش کاشمیری

تجھے تعجب ہو اس پہ شاید مگر تعجب کی جا نہیں ہے
زمانے کا اب یہ رنگ ہے گویا کوئی حق آشنا نہیں ہے
وہ کون ہے جس کا اصل مقصد خود اپنا ہی فائدا نہیں ہے
یہ واقعہ ہے کہ دیر و کعبہ میں ایک بھی رہنما نہیں ہے
خدا کے بندے ہیں نذرِ طوفاں مگر کوئی ناخدا نہیں ہے

خدا کی رحمت پہ رکھ نظر تیری جاں ہمیشہ نہ دکھ سہے گی
ستم کی دیوار اپنی لغزش سے ایک دن خود بخود ڈھے گی
ہمیشہ حق بات ہم کہیں گے ہماری حالت یہی رہے گی
خیال اس کا نہیں کہ دنیا ہمارے بارے میں کیا کہے گی
ملال یہ ہے کہ ہمنشینوں میں ایک بھی ہم نوا نہیں ہے

نہ چین خود بھی وہ پائے گا جو کسی کو تڑپائے گا بالآخر
ستائے گا جو کہ بیکسوں کو خود ان کا غم کھائے گا بالآخر
ابھی سمجھتا نہیں ہے لیکن وہ خود سمجھ جائے گا بالآخر
یہ رات ڈھل جائے گی یقیناً وہ دن نکل آئے گا بالآخر
اسی کشاکش میں جی رہے ہیں کسی سے کوئی گلہ نہیں ہے

ہیں کارنامے سیاہ ان کے لباس اجلا دُھلا دُھلا ہے
بظاہر امرت بھرا ہے باتوں میں زہر لیکن ملا جلا ہے
اس سے مٹانے پہ وہ تُلا ہے اُسے مٹانے پہ یہ تلا ہے
ہر اک جماعت کے رہنماؤں کی ہم نشینی سے یہ کھلا ہے
کہ خود فروشوں کے اس قبیلے میں بوئے مہر و وفا نہیں ہے

ستم تو دیکھو کہ خار و خس کے عوض میں سنبل کو بیچ ڈالا
چمن کے حسن و جمال اور شوکت و تجمل کو بیچ ڈالا
بڑھا دیا اُلوؤں کے دل کو پکڑ کے بلبل کو بیچ ڈالا
خود اپنے ہاتھوں سے باغبانوں نے لالہ و گل کو بیچ ڈالا
بظاہر آنکھیں کھلی ہوئی ہیں مگر کوئی دیکھتا نہیں ہے

خجل ہیں اب بھی اسی طرح جس طرح سے پہلے خجل رہے ہیں
بہار میں بھی وہ مضمحل ہیں خزاں میں جو مضمحل رہے ہیں
یہ پیٹ پکڑے ہوئے ہیں بیٹھے وہ خوب کھا پی کے کِھل رہے ہیں
قمار خانوں میں بادہ خواروں کو داؤں پر داؤں مل رہے ہیں
عوام کی ہار ہو رہی ہے مگر انھیں کچھ پتا نہیں ہے

جو چاہتے ہو سکوں سے رہنا کسی خدا کے ولی کو ڈھونڈو
ملے جہاں میرِ کارواں برقؔ اس مقدس گلی کو ڈھونڈو
ستم کے تختہ کو جو الٹ دے اسی بہادر بلی کو ڈھونڈو
یزید پھر سر اٹھا رہا ہے حسینؓ ابن علیؓ کو ڈھونڈو
کہاں کہاں نینوا نہیں ہے کہاں کہاں کربلا نہیں ہے

شیعہ وسنّی کا فتنہ

تضمین بر نظم حضرت محسنؔ بڑا گاؤں متصل شاہ گنج ضلع جونپور

چشمِ بینا ہو تو دیکھو غور سے اصل اصول بے اثر باتوں پہ آپس میں یہ رنجش ہے فضول
تم اگر چاہو تو فوراً چول سے مل جائے چول ایک خالق ایک قرآں ایک امت اک رسولؐ
ایک گلشن ایک مالی ایک ڈالی ایک پھول

در حقیقت ایک ہیں یہ گو جدا ہیں نام کے تفرقے ذاتی نتائج ہیں خیال خام کے
جوڑ دو ان کو اگر کوئی تو ہوں پھر کام کے ہم نے مانا ہیں یہ دو ٹکڑے شکستہ جام کے
سنّی شیعہ پھر بھی دونوں ہاتھ ہیں اسلام کے

کلمۂ توحید دونوں کا مقرر ایک ہے نعرۂ تکبیر دونوں کی زباں پر ایک ہے
جھکتے ہیں جس گھر کے آگے دونوں وہ گھر ایک ہے راستے دو ہیں مگر دونوں کا رہبر ایک ہے
لب ہیں دو ساغر ہیں دو ساقی کوثر ایک ہے

ایک دل ہوکر دوئی کا جام کہنہ توڑ دو ظلم و استبداد کا ساغر پٹک کر پھوڑ دو
مرکب اخلاق سوئے منزل حق موڑ دو چھوڑ دو بغض و حسد کی راہ اب بھی چھوڑ دو
بال شیشہ میں جو پڑ جائے تو مل کر جوڑ دو

چلتی ہے ہر سو نسیمِ خوشگوارِ زندگی مِل ملاکر لوٹ لو لطفِ بہارِ زندگی
کھو رہے ہو کس لئے لڑکر وقارِ زندگی تم کو کہتا ہے جہاں سرمایہ دارِ زندگی
پیکرِ علم و عمل صد افتخارِ زندگی

تم نے باندھی ہے کمر خود اپنے قتل عام پر یہ بھلا واجب ہے کب اک پیروِ اسلام پر
اب بھی گر سوچا نہ اس آغاز کے انجام پر ٹھوکریں کھاتے پھروگے دیکھنا ہر گام پر
بھیک بھی مانگے نہ پاؤگے خدا کے نام پر

اب گرفتِ رشتۂ حبل المتیں سے عار ہے روز اک جھگڑا نیا ہر دم نئی تکرار ہے
توبہ توبہ جس کو دیکھو برسرِ پیکار ہے گر یہی عالم رہا تو زندگی دشوار ہے
متحد ہوکر لگادو ہاتھ بیڑا پار ہے

مار ڈالے گا لڑا کر تم کو خاص و عام سے — بچ کے رہنا مولویٔ فتنہ جو کے دام سے
اس کی باتوں میں نہ آجانا فریب نام سے — زندگی مل کے گزارو چین سے آرام سے
بدنما دھبہ مٹادو دامنِ اسلام سے

شانۂ دل اس گھڑی تیرا اشارہ چاہیے — قوم کے الجھے ہوئے گیسو سنوارا چاہیے
موجِ طوفانِ حوادث سے ابھارا چاہیے — پھنس گئی کشتی تلاطم میں کنارا چاہیے
ڈوبنے والے کو تنکے کا سہارا چاہیے

صبح دم بہتر ہے یہ سیرِ گل و گلزار ہو — آنکھ کھولو ہاتھ منھ دھو لو اٹھو تیار ہو
برق حاضر ہے کوئی ساتھی اگر درکار ہو — سر پہ سورج آگیا محسنؔ بس اب ہشیار ہو
تابہ کے خوابِ گراں بیدار ہو بیدار ہو

تضمین برغزل برادرم
منشی معین الدین صاحب منیفؔ اعظمی
(جانشین حضرت سالک گرواری)

آراستہ کہیں صف اہل گداز ہے — مصروفِ سجدہ کوئی بصد سوز و ساز ہے
میرا یہ بے خودی میں طریقِ نماز ہے — خود اپنے داغِ دل پہ جبینِ نیاز ہے
یارب یہ کس کا نقشِ کفِ پائے ناز ہے

رندی پہ میری پیر مغاں کو بھی ناز ہے — سر رکھ دیا جہاں وہ جگہ سرفراز ہے
قید مکاں ز روئے حقیقت مجاز ہے — ہے دیر یا حرم یہ کہاں امتیاز ہے
اب میں ہوں اور مشقِ سجودِ نیاز ہے

سر میں بسی ہوئی ہے سراسر ہوائے شوق — آتا نہیں زباں پہ مگر مدعائے شوق
اے ہمنشیں بیا وہ ببیں این ادائے شوق — وہ پوچھتے ہیں مجھ سے مرا ماجرائے شوق
میں چپ ہوں اور دیدۂ مشتاق باز ہے

دل پر تھا ایک کیف سا طاری تمام عمر
خون جگر تھا آنکھ سے جاری تمام عمر
تڑپا کیا وفا کا پجاری تمام عمر
قطع رہِ طلب میں گزاری تمام عمر
اب تک وصال دوست کی منزل دراز ہے

پوچھی جو ان سے کل یہ خبر دل کے تار پر
فرماؤ کچھ تو عشق کے انجامِ کار پر
منصورؒ بول اٹھے یہ میری پکار پر
گہہ نقشِ پا پہ سر ہے گہے اوجِ دار پر
راہِ وفا تمام نشیب و فراز ہے

ہر دم فراق گل میں ہے تو محوِ ہا وہو
مہکا ہے میرے دم سے گلستانِ رنگ و بو
بلبل ہے کامیاب بتا کون میں کہ تو
دل میں مرے وہ گل ہے غزل خوانِ آرزو
خود حسن سازِ عشق پہ نغمہ طراز ہے

رکھے نہ کیوں خلوص یہ مجھ کمتریں کے ساتھ
دل سے لگاؤ اس کو ہے اہل یقیں کے ساتھ
دنیا بھی اس کی ٹھیک ہے اے برقِ دیں کے ساتھ
پیتا ہے ایک زاہد خلوت نشیں کے ساتھ
رندوں میں یہ منیفؔ بڑا پاکباز ہے

مختلف صنعتوں میں پانچ قطعات الموسوم بہ

پنج گنج

(۱)

درصنعتِ واسع الشفتین جس کے پڑھنے میں لب سے لب نہیں ملتا (جسے ہندی میں اَدھر کہتے ہیں)

اللہ اللہ دلکشی روئے انور اے خوشا ۔۔۔ جس نے دیکھا ہوگیا شیدا رسول اللہؐ کا
آسکا ہرگز نہ انسانوں کی آنکھوں کو نظر ۔۔۔ کثرت انوار سے سایہ رسول اللہؐ کا

(۲)

درصنعت مہملہ یعنی غیر منقوط

اہل دل محوِ سلام اہل ولا محوِ درود ۔۔۔ مائل و مداح دو عالم رسول اللہؐ کا
طاہر و معصوم و اطہر مصدر مہر و کرم ۔۔۔ محرم اسرارِ مولا دم رسول اللہؐ کا

(۳)

درصنعت فوق النقاط یعنی جس کے تمام نقطے اوپر ہیں

تم مسلماں ہو تو سُن لو قولِ احمد صاف صاف ۔۔۔ غافل از ذکر خدا دل ہو تو وہ کس کام کا
لمحہ لمحہ لحظہ رات دن شام و سحر ۔۔۔ ذکرِ حق ہر دم کرو مانو اصول اسلام کا

(۴)

درصنعت تحت النقاط یعنی جس کے تمام نقطے نیچے ہیں

سچ جو پوچھو ہے وہ بے حد کامیاب و بامراد ۔۔۔ حب سرکارِ دوعالم سے جو دل معمور ہے
باادب کو ہوگا حاصل آپؐ کا دیدار پاک ۔۔۔ بے ادب سے کہہ دے کوئی یہ کہ دِلّی دور ہے

(۵)

التجا بحضور سرکار دو عالم ﷺ بصورت قطعہ دعائیہ غیر منقوط الموسوم بہ

روداد دل

دل مسلم ہوا گھر درد اور آلام کا اس دم
مدد سرکار دو عالمؐ مدد سرکار دو عالمؐ
دعا دو اس طرح آرام حاصل ہم کو ہو مولا
عدو اسلام کا معدوم ہو' اسلام ہو محکم

نوٹ: اس نادر الوجود قطعہ کی چند خصوصیات ہیں وہ یہ کہ (۱) غیر منقوط ہے (۲) ہر مصرع میں گنتی کے ۲۸۔ ۲۸ حروف ہیں (۳) حروف کی نشست اس ترتیب سے رکھی گئی ہے کہ اگر ہر مصرع کا پندرہواں حرف ملا کر نیچے سے اوپر کو پڑھا جائے تو حضور سرور کائنات ﷺ کا نام نامی نکلتا ہے۔ جیسا کہ نقشہ ذیل سے ظاہر ہوگا۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف

برق اعظمی

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷
د	ل	م	س	ل	م	ہ	و	ا	گ	ہ	ر	د	ر	**د**	ا	و	ر	ا	ل	ا	م	ک	ا	ا	س	د
م	د	د	س	ر	ک	ا	ر	د	و	ع	ا	ل	م	**م**	د	د	س	ر	ک	ا	ر	د	و	ع	ا	ل
د	ع	ا	د	و	ا	س	ط	ر	ح	ا	ر	ا	م	**ح**	ا	ص	ل	ہ	م	ک	و	ہ	و	م	و	ل
ع	د	و	ا	س	ل	ا	م	ک	ا	م	ع	د	و	**م**	ہ	و	ا	س	ل	ا	م	ہ	و	م	ح	ک

ہدیہ نعت
دربارگاہ سرورکائنات ﷺ
بہ طرز خیال

(۱) محبوب خدا احمد مرسلؐ ہر صاحب ایماں کے ہمدم

(۲) مختار لقب عربی مدنی ہو مہر عرب اور ماہ عجم

(۳) مسکیں نواز۔ دافع البلا۔ سردار امم۔ زینت حرم

(۴) منسوخ کیا باطل تو نے اسلام کا لہرایا پرچم

(۵) ممنونِ عطا سب ہیں ہر سو ہے ترا فیض اے بحر کرم

(۶) محراب عبادت ہے واللہ مومن کو تری زلف پُرخم

(۷) محسن الخلق و بنیاد زیست نازش نوحؑ و فخر آدمؑ

(۸) مولا کے نور کی ہو مشعل۔ واقفِ رازِ دیں شاہ امم

(۹) مطلوب خدا۔ محرم غیب و عادلؐ۔ خلیق و سردار ارم

(۱۰) ماحی ظلم۔ مخزن الحلم و قاتل کفر۔ معدن الکرم

(۱۱) مرکز امید تشنہ لباں! لیجئے خبر بیتاب ہیں ہم

(۱۲) موزونی قد اللہ اللہ صناع نے کی خود مدح رقم

(۱۳) منبع العلم و دریائے حلم سیاح لامکاں شہہ امم

(۱۴) مشہور جہاں ہادی خلق و صادق الوعد۔ مصدر کرم

(۱۵) مقصود ہر اک۔ مامور شرع۔ کن چشم کرم بر حال دلم

(۱۶) منبر نشین محفل عالم۔ لاہوت کی منزل کے محرم

(۱۷) مرشد طریق زہد وورع سید البشر ہو خدا کی قسم

(۱۸) (۱۹)

معیار شرف حاذق زماں ہر زخم و جراحت کے مرہم   میخانہ وحدت کے ساقی واللہ کہ تم ہو بحر کرم

(۲۰)   (۲۱)

مرضی خدا ہوتی نہ اگر آساں نہ تھا یہ کار اہم   مضمون نعت محبوب خدا لکھے ہے کسے یارائے رقم

(۲۲)

مدح رسولؐ شاید یہ برق ہوجائے قبول از راہ کرم

نوٹ: مندرجہ بالا نعت شریف کا ہر ہر مصرع م سے شروع اور میم پر ختم ہے۔ ہر مصرع میں گنتی کے ۳۳-۳۳ حروف ہیں۔ ۱۷ ویں لائن میں نظم کے درمیان جو 'ص' ہے اس سے نیچے خواہ اوپر جدھر پڑھئے صلو علیہ و آلہٖ نکلتا ہے۔ بڑی کاوش کے بعد لکھی گئی ہے اور ہندستان کے طول وعرض میں ارباب علم وفضل نے اس کی بڑی قدر کی ہے۔ مندرجہ ذیل نقشہ سے اس کی خوبیاں ظاہر ہوں گی۔

برقؔ اعظمی

	۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲	۱۳	۱۴	۱۵	۱۶	۱۷	۱۸	۱۹	۲۰	۲۱	۲۲	۲۳	۲۴	۲۵	۲۶	۲۷	۲۸	۲۹	۳۰	۳۱	۳۲	۳۳
۱	م	ح	ب	و	ب	خ	د	ا	ا	ح	م	د	م	ر	س	ل	ہ	ر	ص	ا	ح	ب	ا	ی	م	ا	ں	ک	ے	ہ	م	د	م
۲	م	خ	ت	ا	ر	ل	ق	ب	ع	ر	ب	ی	م	د	ن	ی	ہ	و	م	ہ	ر	ع	ر	ب	ا	و	ر	م	ا	ہ	ع	ج	م
۳	م	س	ک	ی	ں	ن	و	ا	ز	د	ا	ف	ع	ا	ل	ب	ل	ا	س	ر	د	ا	ر	ا	م	م	ز	ی	ن	ت	ح	ر	م
۴	م	ن	س	و	خ	ک	ی	ا	ب	ا	ط	ل	ت	و	ن	ے	ا	س	ل	ا	م	ک	ا	ل	ہ	ر	ا	ی	ا	پ	ر	چ	م
۵	م	م	ن	و	ن	ع	ط	ا	س	ب	ہ	ی	ں	ہ	ر	س	و	ہ	ے	ت	ر	ا	ف	ی	ض	ا	ے	ب	ح	ر	ک	ر	م
۶	م	ح	ر	ا	ب	ع	ب	ا	د	ت	ہ	ے	و	ا	ل	ل	ہ	م	و	م	ن	ک	و	ت	ر	ی	ز	ل	ف	پ	ر	خ	م
۷	م	ح	س	ن	ا	ل	خ	ل	ق	و	ب	ن	ی	ا	د	ز	ی	س	ت	ن	ا	ز	ش	ن	و	ح	و	ف	خ	ر	ا	د	م
۸	م	و	ل	ا	ک	ے	ن	و	ر	ک	ی	ہ	و	م	ش	ع	ل	و	ا	ق	ف	ر	ا	ز	د	ی	ں	ش	ا	ہ	ا	م	م
۹	م	ط	ل	و	ب	خ	د	ا	م	ح	ر	م	غ	ی	ب	و	ح	ا	و	ل	خ	ل	ی	ق	و	س	ر	د	ا	ر	ا	ر	م
۱۰	م	ا	ح	ی	ظ	ل	م	م	خ	ز	ن	ا	ل	ح	ل	م	و	ق	ا	ت	ل	ک	ف	ر	م	ع	و	ن	ا	ل	ک	ر	م
۱۱	م	ر	ک	ز	ا	م	ی	د	ت	ش	ن	ہ	ل	ب	ا	ں	ل	ی	ج	ے	خ	ب	ر	ب	ی	ت	ا	ب	ہ	ی	ں	ہ	م
۱۲	م	و	ز	و	ن	ی	ق	د	ا	ل	ل	ہ	ا	ل	ل	ہ	ص	ن	ا	ع	ن	ے	ک	ی	خ	و	د	م	د	ح	ر	ق	م
۱۳	م	ن	ب	ع	ا	ل	ع	ل	م	و	د	ر	ی	ا	ے	ح	ل	م	س	ی	ا	ح	ل	ا	م	ک	ا	ں	ش	ہ	ا	م	م
۱۴	م	ش	ہ	و	ر	ج	ہ	ا	ں	ہ	ا	د	ی	خ	ل	ق	و	ص	ا	د	ق	ا	ل	و	ع	د	م	ص	و	ر	ک	ر	م
۱۵	م	ق	ص	و	د	ہ	ر	ا	ک	م	ا	م	د	ر	ش	ر	ع	ق	ن	چ	ش	م	ک	ر	م	ب	ر	ح	ا	ل	د	ل	م
۱۶	م	ن	ب	ر	ن	ش	ی	ن	م	ح	ف	ل	ع	ا	ل	م	ل	ا	ہ	و	ت	ک	ی	م	ن	ز	ل	ک	ے	م	ح	ر	م
۱۷	م	ر	ش	د	ط	ر	ی	ق	ز	ہ	د	و	و	ر	ع	س	ی	د	ا	ل	ب	ش	ر	ہ	و	خ	د	ا	ک	ی	ق	س	م
۱۸	م	ع	ی	ا	ر	ش	ر	ف	ح	ا	ذ	ق	ز	م	ا	ں	ہ	ر	ز	خ	م	و	ج	ر	ا	ح	ت	ک	ے	م	ر	ہ	م
۱۹	م	ی	خ	ا	ن	ہ	و	ح	د	ت	ک	ے	س	ا	ق	ی	و	ا	ل	ل	ہ	ک	ہ	ت	م	ہ	و	ب	ح	ر	ک	ر	م
۲۰	م	ر	ض	ی	خ	د	ا	ہ	و	ت	ی	ن	ہ	ا	گ	ر	ا	س	ا	ن	ن	ہ	ت	ہ	ا	ی	ہ	ک	ا	ر	ا	ہ	م
۲۱	م	ض	م	و	ن	ن	ع	ت	م	ح	ب	و	ب	خ	د	ا	ل	ک	ہ	ے	ہ	ے	ک	س	ے	ی	ا	ر	ا	ے	ر	ق	م
۲۲	م	د	ح	ر	س	و	ل	ش	ا	ی	د	ی	ہ	ب	ر	ق	ہ	و	ج	ا	ے	ق	ب	و	ل	ا	ز	ر	ا	ہ	ک	ر	م

قطعات تاریخ

قطعہ تاریخ انتقال پُر ملال

استاد معظم ملک الکلام جناب منشی سالگ رام سالک گرواری

جانشین حضرت شمشاد لکھنوی مرحوم

(۱)

شاعرِ نکتہ سنج سالگ رام — نو بہارِ حدیقۂ شمشاد
آج رخصت ہوئے زمانہ سے — گلشن شاعری ہوا برباد
وقف ماتم ہوا منیفؔ کا دل — اور خنداںؔ کے لب پہ ہے فریاد
کس سے اصلاح لیں گے اب افسوس — کون ہے ایسا باکمال استاد
موت کی نیند آئی جب ان کو — صدمۂ غم سے بادلِ ناشاد

برقؔ نے رو کے یہ لکھی تاریخ
جاگئے ہائے حضرت استاد

استاد	حضرت	ہائے	جاگئے
۴۶۶	۱۴۰۸	۱۶	۴۴

۱۹۳۴

(۲)

شاہ سخن سالک راہ ادب — آج ہمیشہ کے لئے سو گئے
از سرِ افسوس لکھا برقؔ نے — حضرت استاد جدا ہوگئے

ہوگئے	جدا	استاد	حضرت
۵۱	۸	۴۶۶	۱۴۰۸

۱۹۳۴=۱+۱۹۳۳

(۳)

ہر طرف شش جہت میں تیزی سے — مرگ سالکؔ کا شور جب پھیلا
خامۂ برقؔ نے لکھی تاریخ — حضرت اوستاد واویلا

واویلا	اوستاد	حضرت
۵۴	۴۷۲	۱۴۰۸

۱۹۳۴

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیاتِ استادِ محترم تاج الشعراء ناخدائے سخن فصیح العصر

حضرت نوح ناروی مرحوم

جانشین حضرت داغ دہلوی مرحوم

فاتحہ علم شعر پر پڑھیے ہوگیا گل چراغِ بزمِ سخن
دفن کرنا ہے لاشۂ اردو کیجئے انتظامِ گور و کفن
اٹھ رہا ہے دھواں سا پیش نظر جل رہا ہے امید کا خرمن
نالۂ برق بن گیا تاریخ جب کہا۔ آہ ناخدائے سخن

۶ ۶۶۶ ۷۱۰

۱۳۸۲ھ

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات عارف باللہ

جناب منشی رحمت اللہ صاحب مرحوم و مغفور (پدرِ بزرگوار مصنف)

تاریخ وفات ۳ / محرم ۱۳۵۴ھ مطابق ۷ / اپریل ۱۹۳۵ء بروز یکشنبہ بوقت دو بجے دن بمقام محلہ باز بہادر، شہر اعظم گڑھ

جس گھڑی برق حضرت والد گزرے باغ جناں میں از پے سیر
میں نے برجستہ یہ لکھی تاریخ ہوگیا آج خاتمہ بالخیر

۴۲ ۴ ۱۰۴۶ ۸۴۳

۱۹۳۵ء

قطعہ تاریخ وفات

علامہ اقبال و مولانا شوکت علی صاحب

جو یکے بعد دیگرے چند مہینوں کے اندر ایک ہی سال فوت ہوئے

ڈاکٹر اقبال اور شوکت علی دونوں جدا ہوگئے تڑپے نہ غم سے کیوں دلِ اندوہگیں
برق اک مصرع میں لکھ دونوں کی تاریخ وفات ہائے اب اقبال اور شوکت علی کوئی نہیں

۱۶ ۳ ۱۳۴ ۲۰۷ ۸۳۶ ۴۶ ۱۱۵

۱۳۵۷ھ

قطعہ تاریخ قحط بنگال

جس میں لاکھوں آدمی بھوک سے مر گئے

اہل بنگال کی حالت پہ خدا رحم کرے
فقر و فاقہ سے غریبوں کا ہے جینا دوبھ

دیکھ کر آئے ہیں جو لوگ وہ کہتے ہیں یہی
پھر دکھائے نہ خدا ایسا بھیانک منظ

لاش ہی لاش جدھر دیکھو نظر آتی ہے
کہیں گھر میں کہیں گلیوں میں کہیں سڑکوں پ

اک طرف بھوک سے دم توڑ رہی ہے بیوی
جاں بلب ضعف سے اک سمت پڑا ہے شوہ

سن رسیدوں کا تو کیا ذکر کہ تھے پا بہ رکاب
جھک گئی فرطِ نقاہت سے جوانوں کی کم

زور و طاقت میں جو رکھتے نہ تھے اپنا ثانی
اٹھ کے چلتے ہیں تو گر جاتے ہیں کھا کر چک

جھریاں چہروں کی کہتی ہیں کہاں اب دم خم
پپڑیاں ہونٹوں کی شاہد ہیں کہ جلتا ہے جگ

ذکر محبوب سے دم بھر نہ جنھیں تھی فرصت
فکر روٹی کی پڑی ہے انھیں اب آٹھ پہ

نازنینانِ پری وش کی نہ پوچھو حالت
اڑ گیا بھوک سے رنگ رخ زیبا یکس

لعل سے بڑھ کے ہے اس وقت ٹماٹر کی پھبن
دانۂ گوہر یکتا سے ہے خوش رنگ مٹ

بھوک کے صدمے سے بے موت مرے جاتے ہیں
اہل دولت جو غریبوں کی نہ لیتے تھے خبر

این چہ شوریست کہ برپاست بزیر گردوں
اے پرستارِ زر و مال بیا و بنگ

مرحبا انجمن پاک مفید الاسلام
سنتے ہیں تو ہے غریبوں کی معین و یاو

آفریں باد بریں ہمت مردانۂ تست
خدمت خلق خدا ہست جہادِ اکب

ہے یہی مسلک آئین رسولِ عربیؐ
ہے یہی پیروئ اسوۂ بو بکرؓ و عم

برقؔ یہ مصرعہ تاریخ ہے اس شرح کا متن
حیف بنگال میں اے دل ہے قیامت گھر گھ

۱۳۶۴ھ

قطعہ تاریخ شہادت مہاتما گاندھی

شری گاندھی کو ماری گوڈسے نے آہ جب گولی
ہوئے جتنے بھی تھے چھوٹے بڑے بے ساختہ گریاں
لکھا ہے مصرع تاریخ میں نے برقؔ رو رو کر
تشدد کا نشانہ بن گیا وہ امن کا خواہاں

سمبت ۲۰۰۴ بکرمی

قطعہ تاریخ بروفات رئیس المتغزلین حضرت جگر مرادآبادی مرحوم

(۱)

حیف رخصت ہوئے جناب جگر
حق نے جنت کا اُن کو باغ دیا
لکھی برقؔ حزیں نے یہ تاریخ
اب ہے دل کو جگر نے داغ دیا

۱۳۸۱ھ

(۲)

اٹھے دنیائے فانی سے جگر جب
ملا ہر شخص نے دست تاسف
لکھی یہ برقؔ نے تاریخ رحلت
نہیں مٹنے کا یہ داغ جگر اُف

۱۹۶۰ء

افسوس کہ بعارضۂ سمل بائی مصنف کی داہنی آنکھ کی روشنی جاتی رہی۔ اس حادثہ پر ہجری اور عیسوی میں مندرجہ ذیل قطعات لکھے گئے۔

ایک آنکھ کی بینائی ہے جس روز سے غائب
ہوتی ہے انھیں دیکھ کے عید ایک بٹہ دو
ہجری میں یہ تاریخ لکھی برقؔ حزیں نے
باقی رہی اُف طاقتِ دید ایک بٹہ دو

۱۳۸۵ھ

دیگر

ایک آنکھ کی بینائی گئی برقؔ کی جب سے
پہلے سے اب آتا ہے نظر ایک بٹہ دو
یہ عیسوی تاریخ حقیقت پہ ہے مبنی
نظارہ ہے دنیا کا مگر ایک بٹہ دو

۱۹۶۵ء

قطعہ تاریخ ارتحال پُرملالِ

جناب شاہ محمد شعیب صاحب قلندر پوری

چھوڑ کر ہم کو چلے جانب دارالبقا
آہ محمد شعیب آہ محمد شعیب
برقؔ یہ ہجری میں ہے ان کی تاریخ وصال
جاگزینِ جنت ہیں شاہ محمد شعیب

۱۳۸۹ھ

قطعاتِ تاریخ وفات حسرت آیات نورِ چشم
جمال احمد ابن محمد سعید
(ساکن قصبہ محمد آباد گہنہ ضلع مئو (بھانجہ مصنف بعمر ۸ سال)

جمال احمد نور چشم سعید — جو تھا باعث کمنی بے گناہ
سدھارا سوئے باغ فردوس حیف — گلستانِ ہستی کو کرکے تباہ
کھلا دیکھ رمضان میں باب خلد — نکل گھر سے لی باغ جنت کی راہ
کہوں کیا ہوا میرے دل کو جو رنج — مرے غم کا میرا خدا ہے گواہ
جو نورِ نظر دے چلے داغ ہجر — نظر میں نہ کیوں ہو زمانہ سیاہ
ہے رسم وفا و محبت سے دور — یہ بے مہریٔ رفتگاں آہ آہ
لکھی رو کے ہجری میں تاریخ برقؔ — بجھا ہے چراغ سعید آج آہ

بجھا	ہے	چراغ	سعید	آج	آہ
۱۱	۱۵	۱۲۰۴	۱۴۴	۴	۶

۱۳۸۴ھ

دیگر

جمال احمد کے مرنے کا فسانہ — بطرز مختصر اے برقؔ گل لکھ
مسیحی سن جو ہے مطلوب تجھ کو — چراغِ خانہ امید گل۔ لکھ

چراغِ	خانہ	امید	گل
۱۲۰۴	۶۶۵	۵۵	۸۵

۱۹۶۵ء

قطعہ تاریخ ارتحال پُر ملال محترمہ آمنہ خاتون صاحبہ مرحومہ
(زوجہ اول رحمت الٰہی برقؔ اعظمی، مصنف دیوان ہٰذا)

تاریخ وفات ۱۹؍ دسمبر ۱۹۴۰ء مطابق ۱۹؍ ذی قعدہ ۱۳۵۹ھ بروز پنجشنبہ، بوقت ۸ بجے دن

آمنہ خاتون اے میری رفیق زندگی — باغ جنت میں ہوئی جاکر جو تو مہمان آج
کیا بتاؤں کس قدر صدمہ ہے تیری موت کا — موجزن ہے بحر دل میں یاس کا طوفان آج
گھر میں ہر چھوٹے بڑے کو تھی ولادت کی خوشی — کیا خبر تھی ہے یہ تیری موت کا سامان آج

طاق پر رکھا ہوا پڑھتا ہے تجھ پر فاتحہ　　جو تو روزانہ پڑھا کرتی تھی وہ قرآن آج
رہ گیا میں رنج وغم دنیا میں سہنے کے لئے　　موت نے کردی تری مشکل مگر آسان آج
کیا بتائے کیا سنائے حال بیتابیٔ دل　　صورت آئینہ ہے برقؔ حزیں حیران آج
واقعہ کے ساتھ ہے یہ واقعی تاریخ بھی
مہ لقا! سارا جہاں ہے بے ترے سنسان آج

۱۳۵۹ھ

قطعہ تاریخ حادثہ ارتحال مرغی

جس کو مورخہ ۳/اپریل ۱۹۶۵ء مطابق ۲۹/ذی قعدہ ۱۳۸۴ھ بلی لے گئی

پہنچے جب کوئی نقصان دل کیونکر مغموم نہ ہو
برقؔ مری اک مرغی تھی لے گئی بلّی آج اس کو
متاثر ہوکر غم سے دل نے کہا تاریخ لکھو
سُن کر دل کی یہ آواز غور کیا جب میں نے تو
ہجری میں لکھی تاریخ کھا گئی بلّی مرغی کو

کھا	گئی	بلّی	مرغی	کو
۲۶	۴۰	۴۲	۱۲۵۰	۲۶

۱۳۸۴ھ

قطعہ تاریخ

جناب ڈاکٹر معظم جیراجپوری کی خوبصورت کار دیکھ کر

کتنی اچھی ہے یہ کار　　دیدہ زیب صبا رفتار
چشم زدن میں پہنچے گی　　دیر نہ ہوگی اب زنہار
کتنی ہی دور بھی رہتے ہوں　　کہہ دو نہ گھبرائیں بیمار
سنتے ہی اس کی آواز　　مٹ جائے گا ہر آزار
رنج و الم ہوں گے کافور　　ہر دکھ لے گا راہِ فرار
حاذق دوراں کون ہے آج　　مثل معظم نیک شعار
رنج زدہ لوگوں کا انیس　　درد کے ماروں کا غمخوار

برقؔ نے لکھی یہ تاریخ آج معظم لائے ہیں کار

آج	معظم	لائے	ہیں	کار
۴	۱۰۵۰	۵۱	۶۵	۲۲۱

۱۳۹۱ھ

قطعہ تاریخ ارتحال پُر ملال

محترمہ قدسیہ صاحبہ مرحومہ زوجہ ڈاکٹر معظم جیراجپوری

زوجۂ ڈاکٹر معظم آج سوئے فردوس چل بسیں ناگاہ
لی کسی سے نہ کوئی خدمت بھی کیوں نہ ہو اِس کا صدمۂ جانکاہ
خامۂ برقؔ نے لکھی تاریخ ختم افسانۂ حیات شد آہ

۱۹۶۶ء

قطعات تاریخ ارتحال پُر ملال

جناب فیض الرحمٰن صاحب لائبریرین شبلی نیشنل کالج اعظم گڑھ

(تاریخ وفات یکم جون ۱۹۷۲ء بمطابق ۲۰ ربیع الآخر ۱۳۹۲ھ)

جانبِ خلدِ بریں کوچ کیا فیض نے جب شبلی کالج کی فضا ہوگئی بالکل سنسان
عیسوی میں یہ لکھی برقؔ حزیں نے تاریخ زینتِ صحنِ جناں اب ہوئے فیض الرحمٰن

۱۹۷۲ء

دیگر

مردِ قابل ز خاکداں بگذشت در جہاں شور گریہ شد برپا
خامۂ برقؔ زد رقم تاریخ فیض الرحمٰن رفت از دنیا

۱۹۷۲ء

دیگر

جناب فیض اچانک جو ہوگئے رخصت ہر اک دل پہ ہوا رنج کا اثر بیحد

لکھا یہ برقؔ نے ہجری میں مصرعہ تاریخ
اجڑ گیا ہے یکایک ضیاء کا گھر بیحد

۲۰۴	۳۱	۱۵	۶۱	۸۱۱	۲۱	۲۲۵	۲۴

۱۳۹۲ھ

قطعہ تاریخ ارتحال پُر ملال
جناب ڈاکٹر عبدالقادر خاں صاحب محلّہ باز بہادر، شہر اعظم گڑھ

تاریخ وفات ۹؍ اگست ۱۹۷۱ء بمطابق جمادی الثانی ۱۳۹۱ھ

کرگئے روضۂ رضواں کی طرف آج سفر
تھے جو فالج زدہ کل شام سے عبدالقادر
صحن مسجد سے جو نکلے تو جناں میں سیدھے
پہنچے اللہ کے اکرام سے عبدالقادر
اک سرِ مو بھی تجاوز نہ شریعت سے کیا
اتنے وابستہ تھے اسلام سے عبدالقادر
کیا عجب عرصۂ محشر میں نوازے جائیں
حوض کوثر پہ بھرے جام سے عبدالقادر
برقؔ نے مصرعہ تاریخ لکھا ہجری میں
بزم جنت میں ہیں آرام سے عبدالقادر

۱۳۹۱ھ

قطعہ تاریخ وفات قریشہ بی بی
زوجہ مقبول احمد خاں وکیل محلّہ باز بہادر، شہر اعظم گڑھ

اختتام روزہ پر انتقال ہو جس کا
خلد کی ہوا آئے کیوں نہ اس کی تُربت میں
تیس ماہ رمضاں کو یک بیک گرا فالج
اور جگہ قریشہ نے لی جوارِ رحمت میں
واقعی یہ مرحومہ آپ تھیں مثال اپنی
خُلق میں مروت میں، صبر میں قناعت میں
حشر تک کو چھوٹے جب ساتھ زندگی بھر کا
مضمحل ہوں گھر والے کیوں نہ رنج فرقت میں
ارخ فوت ہجری میں برقؔ نے رقم کی یہ
کی قریشہ بی بی نے عید اب کی جنت میں

۳۰	۶۱۵	۲۴	۶۰	۸۴	۳۳	۴۵۳	۱۰۰

۱۳۹۹ھ

قطعہ تاریخ ورودِ انساں بر سرزمینِ قمر

قدم چاند پر آج انساں نے رکھا — نہ کی تھی کبھی ایسی جرأت کسی نے
ہر اک ظاہری علم و فن کو جہاں میں — کیا مات سائنس کی برتری نے
لکھی برقؔ نے اس کی تاریخ ہجری — قمر اب مسخر کیا آدمی نے

قمر	اب	مسخر	کیا	آدمی	نے
۳۴۰	۳	۹۰۰	۳۱	۵۵	۶۰

۱۳۸۹ھ

حکومت پاکستان کی طرف سے دارالمصنفین اعظم گڑھ کو ۱۵ لاکھ روپیہ حق تصنیف ملنے کی خوشی میں

قطعہ تاریخ

تیری کوشش سے اے صباح الدین — باغ شبلیؒ کے گل لگے کھلنے
مسئلہ ناروا طباعت کا — حل کیا تجھ سے مردِ قابل نے
تیری باتوں سے اہل پاکستاں — ہو کے قائل لگے گلے ملنے
جب خسارہ یہاں کا سُن پایا — پایۂ عدل خود لگا ہلنے
تجھ کو بخشا خوشی سے حق تیرا — عدل سے کام لے کے عادل نے
برقؔ کا سُن کے شعر تاریخی — داد دی شاعرانِ کامل نے

پندرہ	لاکھ	کی	رقم	پائی	حق	تصنیف	شبلی	منزل	نے
۲۶۱	۵۶	۳۰	۳۴۰	۲۳	۱۰۸	۶۳۰	۳۴۲	۱۲۷	۶۰

۱۹۷۷ء

قطعہ تاریخ ارتحال پُر ملال

مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مدیر معارف و ناظم دارالمصنفین اعظم گڑھ

(تاریخ وفات ۱۲ دسمبر ۱۹۷۴ء مطابق ۱۳۹۴ھ)

فخرِ ہندوستاں معین الدیں — فاضلِ کامل و وسیع نظر
نازشِ دودمانِ عبدالحقؒ — صلح کل، نیک خو، بلند اختر
روحِ دارالمصنفینِ شہیر — مردِ عالی وقار و دانشور

تنگ آمد چو از غمِ ہستی | سوئے دارالسلام کرد سفر
مرغِ جانش بجنت الفردوس | کرد پرواز چوں نسیم سحر
جملہ احباب شبلی منزل حیف | در فراقش شدند خستہ جگر
کرد گریہ چنیں صباح الدیں | جوئے خوں شد رواں زدیدۂ تر
مولوی باری و ضیاء و نعیم | ہم شدند از غم و الم مضطر
شور برپاست ہرچہار طرف | گشت روپوش مہرِ علم و ہنر

خامہ برقؔ زد رقم تاریخ
از جہاں رفت عالمِ اشہر
۸ ۵۹ ۶۸۰ ۱۴۱ ۵۰۶

۱۳۹۴ھ

قطعہ فی البدیہہ تاریخ وفات ارتحال پُر ملال

برادر معظم جناب معین الدین منیف اعظمی

تاریخ وفات ۲۳/جولائی ۷۷ء ۱۹ مطابق ۶/شعبان ۱۳۹۷ھ

شاعر خوش گو معین الدیں منیفؔ | ماہر فن، نیک خو، شیریں زباں
جانشینِ سالکؔ استاد فن | افتخارِ شاعران نکتہ داں
بزم عالم سے اٹھے افسوس آج | کیوں نہ ہر اہل سخن ہو نوحہ خواں
سونی سونی کیوں نہ ہو بزم ادب | اہلِ محفل کیوں نہ ہوں ماتم کناں
وہ فرشتہ خصلت انساں آپ تھے | جن سے خوش رہتا تھا ہر پیر و جواں
فکر جب تاریخ کی مجھ کو ہوئی | غیب سے آئی ندا یہ ناگہاں
برقؔ لکھ دو عیسوی میں سال فوت | خلد میں وارد ہے اک خلد آشیاں

۱۹۷۷ء

قطعہ تاریخ ارتحال پُر ملال

مرزا احسان احمد بیگ وکیل، شہر اعظم گڑھ

شاعرِ شیریں بیاں احسان بیگ
سوئے گلزار جناں رخصت ہوا

بجھ گئی اُف شمع بزمِ علم و فن
مرجعِ دانشوراں رخصت ہوا

فخرِ غالبؔ فخرِ سوداؔ فخرِ میرؔ
فخرِ ذوقؔ نکتہ داں رخصت ہوا

نخل بندِ گلشنِ شعر و سخن
نازشِ ہندوستاں رخصت ہوا

تبصرہ لکھنے میں جو ماہر تھا وہ
سر گروہِ ناقداں رخصت ہوا

سونی سونی کیوں نہ ہو بزم ادب
افتخارِ شاعراں رخصت ہوا

جس کا طرز فکر تھا مسحور کن
آج وہ جادو بیاں رخصت ہوا

مصرعہ تاریخ میرے کان میں
کہہ کے ہاتف ناگہاں رخصت ہوا

پیکر احساں تھا جو اے برقؔ وہ
محسنِ عالی نشاں رخصت ہوا

۱۹۷۲ء

قطعہ تاریخ وفات حسرت آیات

حضرت شاہ علی احمد علوی کاکوروی نور اللہ مرقدہٗ

رہروِ راہ حق علی احمدؒ
جانبِ منزلِ حقیقت رفت
سالکِ آشنائے منزلِ فقر
ماحیٔ حرصِ جاہ و ثروت رفت

پیکرِ خُلق و جانِ صدق و صفا
فخرِ دیں، فخرِ قوم و ملت رفت
صاحبِ ترک و صاحب تجرید
حاملِ عفت و محبت رفت

زندگی ختم کرد در خدمت
حق گزارِ طریق بیعت رفت
از پئے طوف آستانۂ شیخ
تارکِ سابقہ سکونت رفت

برلبِ صحنِ خانۂ مرشد
جلوہ فرمائے کنجِ عزلت رفت
فائزِ درجۂ فنا فی الشیخ
بلبلِ گلشنِ طریقت رفت

وقف رازِ راہِ جذب و سلوک
عارفِ پیروِ شریعت رفت
عاشقِ زارِ مصطفےٰ حیدر
بستۂ رشتہ اخوت رفت

چشم از ہجرش اشک خوں بارد
تابِ صبرم زدردِ فرقت رفت

آہ مردِ حق آشنا بگذشت
آہ شخصِ فرشتہ خصلت رفت

خامۂ	برق	زد رقم	تاریخ
باصفا	باوفا	بجنت	رفت
۱۷۴	۹۰	۴۵۵	۶۸۰

۱۳۹۹ھ

نذرانۂ عقیدت در بارگاہ مقبول قلندراں

رئیس الابرار حضرت شاہ علی احمد علوی کاکوروی مدظلہ العالی

من بندۂ بے دامم آقاست علی احمد
من قطرۂ ناچیزم دریاست علی احمد

رندانِ طریقت را میناست علی احمد
ایوانِ حقیقت را طغراست علی احمد

پروانہ صفت ہردم چون جاں نکند قرباں
برشمع رخ حیدرؓ شیداست علی احمد

ہر لحظہ ندا آید از تکیۂ کاکوری
لاریب ولی حق اینجاست علی احمد

مقبول شہِ کاظمؒ منظورِ علی انورؒ
حقاً ست علی احمد حقاً ست علی احمد

در زمرہ حق جویاں در محفل حق گویاں
ہر بے سروساماں را سوداست علی احمد

حق است معین او لکن غلط اندیشاں
دانند زنادانی تنہاست علی احمد

این اوج کمالش بیں بے خرقہ و سجادہ
در زمرۂ درویشاں یکتا ست علی احمد
بے دیدۂ ظاہر بیں اے برقؔ ہمہ بیند
چون حضرتِ بینا دلؒ بینا ست علی احمد

قطعات تاریخ وصال

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب مرادآبادی نور اللہ مرقدہٗ

بانی جامعۃ الاشرفیہ مبارکپور ضلع اعظم گڑھ

آہ عبدالعزیز نیک صفات
سالک راہ و عارف باللہ
وارثِ علمِ احمد مرسلؐ
پیکرِ خُلق و مردِ حق آگاہ
صابر و شاکر و حلیم و غیور
عارف کامل و عمیق نگاہ
پیکرِ علم وحلم و زہد و ورع
محوِ حق عاشقِ رسول اللہؐ
اٹھ گئے آج دار فانی سے
سونی سونی ہے بزم ملت آہ
آپ سچ مچ تھے حافظ ملت
ذی شرف ذی وقار و عالی جاہ
مرگِ عالم ہے مرگِ یک عالم
کیوں نہ ہو سب کو صدمہ جانکاہ
یاد حق دل میں تھی دم آخر
لب پہ تھا لا الٰہ الا اللہ
بزم عالم سے اٹھتے ہی ان کو
مل گیا درجۂ فنا فی اللہ
خامہ برقؔ نے لکھی تاریخ
دونوں مصرعے ہیں جس کے صاف گواہ
داخل خلد ہے محبّ نبیؐ
داخل خلد ہے ولی اللہ

۱۳۹۶ھ　　۱۳۹۶ھ

آ تجھے میں بتاؤں اک نکتہ
تا کبھی ہو سکے نہ تو گمراہ
دونوں فقرے ہیں ہم عدد یعنی
ہے محبّ نبی ولی اللہ

۱۱۲　　۱۱۲

دونوں جملوں کا ایک ہے مفہوم — اس میں کوئی بھی شک نہیں واللہ
من اطاع الرسول کوئی کہے — یا کہے کوئی من اطاع اللہ
ہے یہ تفسیر آیۂ قرآں — خوب اس کو سمجھ کے ہو آگاہ

دیگر

اٹھ گئے جب حضرت عبدالعزیز — عارفِ کامل امام الاتقیا
لوحِ تُربت پر ادب سے برق نے — آستانۂ حافظ ملت ۔ لکھا

۵۱۷ — ۱۴۵۹

۱۹۷۶ء

دیگر

بانیٔ اشرفیہ کو حق نے اٹھا لیا — لازم لواحقین کو تلقین صبر ہے
تاریخ لکھی برقؔ نے لوحِ مزار پر — عبدعزیز حافظِ ملت کی قبر ہے

۱۹۷۶ء

دیگر

بزم جہاں کی عشرت فانی کو چھوڑ کر — پہنچے عزیز رحمتِ حق کے جوار میں
سنگِ لحد پہ برقؔ نے تاریخ یہ لکھی — محوِ محبّ ہیں حافظِ ملت مزار میں

۱۹۷۶ء

دیگر

حافظِ ملت جسے کہتے تھے لوگ — یہ اسی کا آستان پاک ہے
نامِ نامی جس کا تھا عبد العزیزؒ — یہ وہی ذی علم و ذی ادراک ہے
صدق دل سے فاتحہ پڑھئے کہ یہ — عاشقِ زارِ شہِ لولاک ہے
برقؔ نے تاریخ ہجری میں لکھی — باعمل عارف سپردِ خاک ہے

۱۳۹۶ھ

قطعہ تاریخ ترتیب دیوان ہٰذا

از مصنف

و

دیگر شعراء کرام

میرا یہ دیواں مرتب جب ہوا — خوش ہوئے جملہ مشاہیرِ سخن
نام ہی میں برقؔ ہے تاریخ بھی — جوڑ لو اعدادِ تنویرِ سخن

٦٦٦ ٧١٠

١٣٧٦ھ

نوٹ: اس دیوان کا بیشتر حصہ الموسوم باسم تاریخی تنویرِ سخن ١٣٧٦ھ میں ترتیب دیا گیا تھا لیکن بوجوہ چند اُس وقت اشاعت نہ ہوسکی۔ بعد ازآں ٢١/اگست ١٩٨٣ء مطابق ١١/ذی قعدہ ١٤٠٣ھ تک کا کلام اس میں شامل کرلیا گیا ہے۔

از نتیجہ فکر بلند شاعر باکمال مورخ بے مثال برادر معظم عالی جناب منشی معین الدین صاحب منیفؔ اعظمی جانشینِ حضرت سالک گرواری

(١)

بلبل باغ فصاحت ہے جو برقؔ خوش نوا — شرح حسنِ لالہ و گل ہے یہ تنویرِ سخن
کیوں نہ ہوں مست نشاط احباب اس کو دیکھ کر — بادۂ جام تخیل ہے یہ تنویرِ سخن

اس کا ایک اک لفظ ہے صبر و قناعت کا سبق — درس ایثار و توکل ہے یہ تنویرِ سخن
آب داری میں ہر اک مصرع ہے موتی کی لڑی — موجِ دریائے تسلسل ہے یہ تنویرِ سخن
اس میں ہیں رحمت الٰہی کی سخن آرائیاں — برق خاطف بے تامل ہے یہ تنویرِ سخن
تذکرہ اس میں ہے ضبطِ نالہ و فریاد کا — دفترِ صبر و تحمل ہے یہ تنویرِ سخن
ہر غزل میں اس کی رنگ حافظ شیراز ہے — پُر تکلف ساغر مُل ہے یہ تنویرِ سخن
شوکت الفاظ سے ظاہر ہے شان شاعری — قصۂ جاہ و تجمل ہے یہ تنویرِ سخن
اس میں ایطائے جلی ہے اور نہ ایطائے خفی — پاک عیب شعر سے کل ہے یہ تنویرِ سخن

ہے عیاں اس سے سن ہجری مسیحی اے منیف
یعنی فردوسِ تغزل ہے یہ۔ تنویرِ سخن
۱۴۰ ۳۵۰ ۱۴۳۷ ۱۵ ۱۵ ۔ ۶۶۶ ۷۱۰

۱۹۵۷ء — ۱۳۷۶ھ

(۲)

ازنتیجہ فکر شاعر ذی شان جناب منشی تصور حسین صاحب خنداں
ساکن محلّہ کوٹ، قلعہ کنور اعظم شاہ، شہر اعظم گڑھ
(تلمیذ رشید حضرت سالک گرواری)

ہوگئی دل کی آرزو پوری — دیکھا دیوانِ برقؔ ذی شاں آج
سُن کے ہیں یہ کلام اہل ِذوق — مستِ صہبائے جامِ عرفاں آج
اس سلاست پہ اس روانی پہ — دل سے اہلِ سخن ہیں قرباں آج
سال ہجری میں دفعتاً میں نے — فکر تاریخ کی جو خنداں آج
آئی آواز پاگیا ترتیب — برقؔ فخرِ زماں کا دیواں آج
۳۰۲ ۸۸۰ ۹۸ ۲۱ ۷۱ ۴

۱۳۷۶ھ

(۳)

از نتیجہ افکار گہر بار شاعر خوش گفتار منشی امین اللہ صاحب امین

ساکن محلہ دلسدگار، شہر اعظم گڑھ

فن شاعری میں ہے استاد کامل
یہ برقؔ سخن سنج یکتائے دوراں

خیالات نازک زباں صاف ستھری
مضامین رنگیں سلیس اور آساں

وہ کرتا ہے یوں ذکر حسنِ حقیقت
ہو جیسے کوئی مست صہبائے عرفاں

پئے سال ترتیب لکھا امیں نے
ہے گلدستۂ فکرِ عشاق دیواں

۱۵ ۵۱۹ ۳۰۰ ۴۷۱ ۷۱

۱۳۷۶ھ

(۴)

از انتیجہ افکار گہر بار افتخار الشعرا عالیجناب ابوظفر مولوی غوث محمد صاحب غازی پوری

(تلمیذ رشید حضرت شمشاد لکھنوی فرنگی محلی مرحوم)

جتنی ہے شاعروں کی صف سب میں برق کو شرف
دھوم ہے اس کی ہر طرف غرب سے لے کے تا بہ شرق

طرزِ فصاحتِ انیس صاف زباں سخن سلیس
شعر ہیں جتنے سب نفیس اس میں نہیں ذرا بھی فرق

دیکھ کے حسنِ شعرِ تر جم نہ سکی کبھی نظر
خوب عروسِ نظم پر ڈالی ردائے زرق برقؔ

دستِ طلب میں آگیا ۔ گوہرِ باغِ جانفزا

۲۳۱ ۱۰۰۳ ۱۴۲

۱۳۷۶ھ

بحر خیال میں ہوا سر بسر آج میں جو غرق

بہر سنین طبع کیا خوب یہ غوث نے کہا

برقؔ	تخیلاتِ	روحِ	بقا۔	ساغرِ	بادۂ	
۳۰۲	۱۴۴۱	۲۱۲	۱۰۳	۱۲۶۱	۱۲	

۱۹۵۷ء ۱۳۷۶ھ

دیگر

از غوث غازی پوری مذکور

ادب دانئ برقؔ از من مپرس — خیالِ رفیع است و طبعِ متیں
بشاگردئ سالکؔ و نوحؔ آں — جہانِ سخن کردہ زیرِ نگیں
برنگینئ خود چو قوس قزح — کلامِ فصیح و تخیل حسیں
بہ دل آمدہ فکرِ تاریخ طبع — نگاہم شدہ غوثؔ سوئے زمیں
پئے طبع سال مسیح آمدہ — ز۔ شاباش برقؔ سخن آفریں

۶۰۴ ۳۰۲ ۷۱۰ ۳۴۱

۱۹۵۷ء

(۶)

از نتیجہ فکر شاعر خوش گو جناب مونس غازی پوری

(شاگرد حضرت غوث غازی پوری)

مرصع ہے ہر نظمِ دیوان برقؔ — فصاحت بلاغت سے پُر ہے کلام
سلاست روانی ہے حد سے سوا — نہ کیوں ہو ہر اک شعر مقبولِ عام
بھرا غالبؔ و ذوقؔ کا رنگ ہے — ہر اک شعر ہے سرخوشی کا پیام
ہوئی طبعِ دیواں کی شہرت جہاں — ہوا طالب دید عالم تمام
لکھی کلک مونس نے تاریخ طبع — چہ مضموں شگفتہ چہ موزوں کلام

۱۹۵۷ء

(۷)

از نتیجہ فکر شاعر شیریں مقال جناب عبدالرب صدیقی صاحب شمیمؔ گورا بادشاہ پوری ضلع جونپور
(شاگرد رشید حضرت منیفؔ اعظمی)

مہر روشن ہے مطلع دیواں
کیا فروزاں ہے یہ چراغِ برقؔ

قابل داد و صد ستائش ہے
یہ گہر بارئ دماغِ برقؔ

کتنی پُرکیف اس کی نظمیں ہیں
مے سے لبریز ہے ایاغ برقؔ

تہ تک اس کی پہنچنا مشکل ہے
سخت دشوار ہے سراغِ برقؔ

سالِ ترتیب خوب ہے یہ شمیمؔ
تازگی و بہارِ باغِ برقؔ

۱۹۵۷ء

حضرت رحمت الٰہی برقؔ اعظمی ایک نہایت کہنہ مشق زود گو قادر الکلام اور صاحبِ طرز شاعر تھے۔ انھیں فن عروض اور زبان و بیان پر غیر معمولی عبور حاصل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری فکر و فن کا ایک خوشنما امتزاج ہے۔ انہوں نے مختلف اصناف سخن میں اپنی استادانہ مہارتِ زبان و بیان اور فنکارانہ چابکدستی کے خوب جوہر دکھائے ہیں۔ غزل کے ایک شعر میں واردات و کیفیات عشق کے ایک تسلسل کو شعری پیکر میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ یہ وہی کرسکتا ہے جسے زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو۔ ملاحظہ ہو یہ شعر۔

نظر لڑی دوستی ہوئی عشق ہو گیا برقؔ اب جنوں ہے
وہ گویا اجمالی کیفیت تھی یہ اس کی تفصیل کر رہا ہوں

اُمید ہے ان کے فرزند ڈاکٹر احمد علی برقی اعظمی اور برکت علی صدیقی اعظمی کی کوششوں سے اس مجموعہ کلام کی اشاعت کے بعد اربابِ نظر سرزمین اعظم گڑھ کے ایک غیر معروف استادِ سخن کی شاعرانہ عظمت سے روشناس ہوسکیں گے۔

ڈاکٹر عقیل احمد
سکریٹری غالب اکیڈمی
بستی حضرت نظام الدین، نئی دہلی

مر کے ہم اے برقؔ پائیں گے حیاتِ جاوداں
ہے بقا کا پیش خیمہ اختتامِ زندگی

(انتقال سے چند گھنٹے قبل کہا گیا شعر)

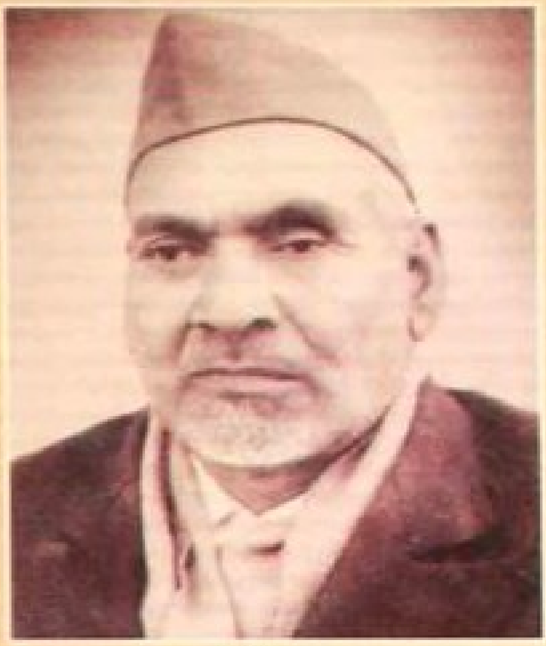

اعظم گڑھ، اُتر پردیش کا ایک پسماندہ ضلع ہے۔ اس کے باوجود یہ علمی ادبی حیثیت سے ممتاز رہا ہے۔ ہر دور میں اس کے اُفق پر علم وادب مہر وماہ جلوہ فگن رہے ہیں۔

علامہ شبلی کے بعد یہ سرزمین مولوی اقبال احمد خاں سہیل اور مرزا احسان کے ترانوں اور نواسنجیوں سے گونجتی رہی جن کے منظوم ومنثور کارناموں کی شہرت اعظم گڑھ کے حدود سے باہر بھی پہنچی۔

اعظم گڑھ کے ان مشہور شاعروں اور ادیبوں کے جلو میں اُن کے زمانے ہی میں چند گمنام شعراء بھی یہاں کے آسمان شعر پر اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے۔ لیکن اُن کی ضوفشانی یہیں تک محدود رہی اور گردشِ روزگار نے اُن کی پرواز کے لئے وسیع فضا میسر نہیں ہونے دی۔ اس طرح سے جن لوگوں کے دم سے اعظم گڑھ کی شعر وسخن کی محفل گرم رہتی تھی اور اُن کے بغیر یہاں کی ہر ادبی محفل پھیکی رہتی تھی اُن کے نام یہ ہیں جناب امین اللہ امین اعظمی، منشی منیف اعظمی اور جناب رحمت الٰہی برقؔ اعظمی۔ اُن سب میں جناب رحمت الٰہی برقؔ کا نام اس لئے بھی قابلِ ذکر ہے کہ وہ فن شعر وعروض کے ماہر تھے اور شعر وسخن کے رموز ونکات پر اُن کی گہری اور استادانہ نظر تھی۔ وہ بڑے برجستہ اور پُر گو قادر الکلام شاعر تھے اور اپنے معاصر شعراء میں ؎ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے مصداق تھے۔ جناب برقؔ اعظمی کو ہر صنف سخن پر پوری دسترس تھی۔ اتنے قادر الکلام اور زود گو شعراء کم ہوتے ہیں۔

گو ابتداء میں وہ حضرت شمشاد لکھنوی کے تلمیذ خاص منشی سالگ رام سالک کے دامن گرفتہ رہے اور اُن کے انتقال کے بعد نواب مرزا داغؔ دہلوی کے مشہور شاگرد حضرت نوحؔ ناروی سے بھی مشورہ سخن کیا اور یہ واقعہ ہے کہ انہوں نے لکھنؤ اور دہلی دونوں اسکولوں کے خوشگوار امتزاج سے اپنا جدا اور خاص طرز سخن اختیار کیا تھا۔ آپ کی تاریخ پیدائش یکم ستمبر ۱۹۱۱ء ہے۔ ۳ و ۴ ر اکتوبر ۱۹۸۳ء وسوموار ومنگل کی درمیانی شب میں دو بجکر ۱۰ منٹ پر روح اس عالم فانی سے دار جاودانی کی طرف مائل بہ پرواز ہوئی۔ اور

برقؔ یہ کہہ کر بالآخر سو گیا — اس کو پاتا ہے وہی جو کھو گیا
پھیل کر سایہ ہوا مانندِ نور — نور جب سمٹا تو سایہ ہو گیا

ضیاء الدین اصلاحی

مدیر ماہنامہ معارف وناظم دارالمصنفین، اعظم گڑھ